ردا ڈائجسٹ

JUNE 2013

PDFBOOKSFREE.PK

گوشہ آگہی — صالحہ محمود — ۲۸

سلسلے وار ناول

وہ جو رگ جاں سے قریب تھے — صالحہ محمود — ۳۲
کبھی عشق ہو تو پتہ چلے — شازیہ مصطفیٰ عمران — ۹۶
بند قبا کھلنے لگی — سعدیہ عابد — ۷۲
کبھی کوک میرے دل — نائلہ طارق — ۱۴۴

مکمل ناول

اس دل میں بسے ہو تم — انعم خان — ۲۰۲
تم کو چاہا ہے تمہی کو چاہیں گے — رابعہ خان — ۴۸
یہ انداز اہل وفا کے — جیا قریشی — ۱۱۲

ناولٹ

لوٹ آیا اعتبار کا موسم — سیدہ فرزانہ حبیب — ۷۶

افسانے

ہیں کواکب کچھ — تبسم فیاض — ۹۲
آئیڈیل پھپھو — مدیحہ عبداللہ — ۱۳۲
فیصلہ — ایقان علی — ۱۴۰
اب خوشبو بکھرنے کو ہے — شفق اقبال — ۱۶۰
بدلتی رت — سائرہ شفیق ناز — ۱۸۸
نصیب — کرن خان — ۱۹۴

جون 2013ء
جلد نمبر 18 شمارہ نمبر ۶
قیمت 50 روپے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری
600 روپے

34535726

پبلشر وایڈیٹر صالحہ محمود نے سٹی پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔
مقام اشاعت: ۱۲۹/ڈی بلاک۔2۔پی۔ای۔سی۔ایچ۔سوسائٹی، کراچی

انتباہ:-
ماہ نامہ ''ردا'' ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل یا ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلے وار کسی بھی ناول کی اشاعت پر ادارہ چوری کی ایف آئی آر درج کرا دے گا اس لئے پبلشر سے اجازت لینا ضروری ہے ادارہ ''ردا پبلیکیشن''۔

مستقل سلسلے

ردائے جنت — صالحہ محمود — ۲۹
ردا کی ڈائری — صدف سعد — ۲۱۲
ذرا پھر سے کہنا — شہلا مشائق — ۲۲۲
خوشبو — نورین ملک — ۲۱۸
اس ماہ میں — نورین ملک — ۲۱۶
دوستوں کے نام پیغام — ادارہ — ۲۳۶

سندیسے — صالحہ محمود — ۲۲۷
کچن — ثریا اقبال — ۲۳۸
سنگھار — شہلا مشائق — ۲۴۱
اشعار — ادارہ — ۲۱۴
ہم سے ملیئے — ادارہ — ۲۳۲
گوشہ چشم — صالحہ محمود — ۲۳۱

صالحہ محمود

گوشۂ آپا

جون کا شمارہ بہت خاص ہوگا امید تو یہی ہے کہ پاکستان کی قسمت بدل چکی ہوگی اللہ کرے بڑے بڑے سب دعوے سچ ثابت ہوں اور پاکستان کا مستقبل سدھر جائے اور زبانی دعوے پورے ہوں۔ استحصالی قوتیں پھر سر جوڑ کر نہ بیٹھ جائیں۔ آنکھوں میں ہمیشہ اچھے اور سچے خواب ہونے چاہئیں۔ زندگی کروٹ لیتی ہے، ادوار بدل جاتے ہیں مہکتے پھولوں کی خوشبو جب آنگن میں پھیلتی ہے تو وطن سے پیار محسوس ہوتا ہے، بارشوں کی رم جھم بھی اچھی لگتی ہے، جون کی بھری دوپہر میں ریگستان میں اڑتی ہوئی ریت پر بھی کھلتے ہوئے پھولوں کا گمان ہوتا ہے۔ اس گمان میں کوئی خوش فہمی نہیں کہ میں ایک شاعرہ ہوں۔ کبھی کبھی آپ کی بھی بند آنکھوں میں خواب آتے ہوں گے حسین لمحوں کا عکس تو کہیں ہولناک تباہی کے مناظر سب کچھ بدل جاتا ہے ایک پل میں ایک منظر کی طرح زندگی نام ہے اسی کا کبھی صبح اور کبھی شام کس نے پلٹ کر دیکھا کہ وہ وقت پلٹ آیا ہے، جو گزر گیا سو گزر گیا، بس زندگی کے ادھورے لمحوں کا احساس ضرور باقی رہتا ہے، دل کے خانوں میں بٹے ہوئے حصے کسی بھی لمحے کو سمیٹ رکھتے ہیں مگر ہم ان صفحوں کو کھول سکتے ہیں، ہم پڑھ سکتے ہیں، دیکھ بھی سکتے ہیں، مگر اپنے احساسات سے دوسروں کو آگاہی نہیں دے سکتے۔ تپتی ہوئی دوپہر کے عکس میں ڈھلتی ہوئی دوپہر میں سایہ گل میں بھی زخموں کی تپش محسوس ہوتی ہے۔

یوں لگتا ہے 18 جون کی اندھیری رات کہیں بہت دور بھیگی ہوئی برسات میں سسک سسک کر ہمارے وجود کے اندر رو رہی ہے۔ گھمسان کا رن پڑا ہے، میری ماں ہاتھ چھڑا کر گئی ہے اور میں بھیڑ میں آج تک گم ہوں۔

بس یوں ہی پرانی یاد آئی
اور آنکھیں بھر آئیں

قارئین! جون کا شمارہ اس تپتی ہوئی دوپہر میں جو ہمارے اسٹاف نے ترتیب دیا ہے آپ کو کیسا لگا؟ اداریہ پڑھ کر آپ نے کیا محسوس کیا؟ نئے لکھنے والے رابطہ رکھیں۔ رداّ گائیڈ کارنر میں انہیں ہم خاص مقام دیتے ہیں۔ زندگی کی بھیڑ میں گم ہو جانا ہی زندگی کا نام نہیں ہے ہر صبح سورج نکلتا ہے تو آپ بھی رداّ کے ساتھ سفر جاری رکھیئے ہم اور آپ ساتھ ساتھ ہیں۔

(آپی)

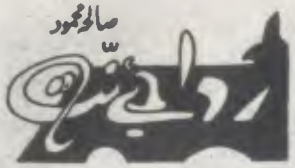

صالحہ محمود

ردائے شعور

اہل وعیال پر خرچ

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔ ”ایک وہ دینار، جس کو تم نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا‘ ایک وہ دینار جسے تم نے کسی مسکین پر خیرات کیا اور ایک وہ دینار جسے تم نے اپنے اہل وعیال پر خرچ کیا‘ ان میں سب سے زیادہ اجر و ثواب کا باعث وہ دینار ہے‘ جسے تم نے اپنے اہل وعیال پر خرچ کیا ہے۔ (مسلم)

☆ جس سرمائے کو تم اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے خرچ کرو گے‘ اس پر تمہیں اجر ملے گا‘ یہاں تک کہ جس لقمہ کو تم اپنی اہلیہ کے منہ میں ڈالو گے (اس پر بھی تمہیں اجر ملے گا)“ (بخاری)

ارشاد نبوی ہے۔ ”تم جو کچھ اپنی خورد و نوش پر خرچ کرو گے‘ وہ بھی صدقہ ہے‘ جو اپنی اولاد کو کھلاؤ پلاؤ گے‘ وہ بھی صدقہ ہے اور جو کچھ تم اپنی اہلیہ کو کھلاؤ گے وہ بھی صدقہ ہے۔ (مستدرک‘ حاکم حدیث صحیح ہے)

فرشتوں کی دعا

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔ ”روزانہ جب اللہ کے بندے صبح کے وقت اٹھتے ہیں تو دو فرشتے (آسمان سے) اترتے ہیں۔ ایک کہتا ہے‘ الٰہی سخی کو عوض عطا فرما‘ دوسرا کہتا ہے الٰہی کنجوس کا مال ہلاک کر“۔ (بخاری‘ مسلم وغیرہ)

مسلمان کو کھانا کھلانا

☆ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ”جو شخص اپنے (مسلمان) بھائی کو پیٹ بھر کر کھانا کھلاتا ہے اور پانی پلاتا ہے‘ اللہ تعالیٰ اسے جہنم سے سات خندقیں دور فرما دیتے ہیں“۔ (دو خندقوں کا درمیانی فاصلہ پانچ سو سال کی مسافت ہے)۔ (مستدرک حاکم)

اچھی بات کرنا اور کھانا کھلانا

حضرت ھانئ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا۔ ”یا رسول اللہ ﷺ کون سا عمل جنت کو واجب کرنے والا ہے“۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”تم اچھی طرح بات کرنے اور کھانا کھلانے کو لازم پکڑو“۔ (بخاری)

ملازمین سے حسن سلوک

حضرت معرور رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میری حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مقام ربذہ میں ملاقات ہوئی وہ اور ان کا غلام ایک ہی قسم کا لباس پہنے ہوئے تھے‘ میں نے ان سے اس بارے میں پوچھا (کہ کیا بات ہے آپ کے اور غلام کے کپڑوں میں کوئی فرق نہیں ہے) اس پر انہوں نے یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے غلام کو برا بھلا کہا اور اسی سلسلے میں اس کو ماں کی غیرت دلائی۔ (یہ خبر رسول اللہ ﷺ کو پہنچی) تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”ابوذرؓ کیا تم نے

اس کو ماں کی غیرت دلائی ہے؟ تم میں ابھی جاہلیت کا اثر باقی ہے، تمہارے ماتحت (لوگ) تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارا ماتحت بنایا۔ لہٰذا جس کے ماتحت اس کا بھائی ہو اس کو وہی کھلائے جو خود کھائے اور وہی پہنائے جو خود پہنے ماتحتوں سے وہ کام نہ لو جو ان پر بوجھ بن جائے اور اگر کوئی ایسا کام لو تو ان کا ہاتھ بٹاؤ''۔ (بخاری)

مسلمان کو کپڑا پہنانا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔ ''جو مسلمان کسی مسلمان کو کپڑا پہناتا ہے تو جب تک پہننے والے کے بدن پر اس کپڑے کا ایک ٹکڑا بھی رہتا ہے، پہنانے والا اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہتا ہے''۔ (ترمذی)

مسکین کو اپنے ہاتھ سے دینا

حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ''مسکین کو اپنے ہاتھ سے دینا، بری موت سے بچاتا ہے''۔ (مسلم)

امانت دار خزانچی

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ''وہ مسلمان امانت دار خزانچی جو مالک کے حکم کے مطابق خوش دلی سے جتنا مال جسے دینے کو کہا گیا ہے اتنا اسے پورا پورا دے دے تو اسے بھی مالک کی طرح صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا''۔ (مسلم)

درخت لگانے کا اجر

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ''جو مسلمان درخت لگاتا ہے پھر اس میں سے جتنا حصہ کھالیا جائے وہ درخت لگانے والے کے لئے صدقہ ہوجاتا ہے اور جو اس میں سے چرالیا جائے وہ بھی صدقہ ہوجاتا ہے یعنی اس پر بھی مالک کو صدقہ کا ثواب ملتا ہے اور جتنا حصہ اس میں سے درندے کھالیتے ہیں وہ بھی اس کے لئے صدقہ ہوجاتا ہے اور جتنا حصہ اس میں سے پرندے کھالیتے ہیں، وہ بھی اس کے لئے صدقہ ہوجاتا ہے (غرض یہ کہ) جو کوئی اس درخت میں سے کچھ (بھی پھل وغیرہ) لے کر کم کردیتا ہے تو وہ اس (درخت لگانے والے) کے لئے صدقہ ہوجاتا ہے۔ (مسلم)

بنجر زمین

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ''جو شخص بنجر زمین کو کاشت کے قابل بناتا ہے تو اسے اس کا اجر ملتا ہے''۔ (ابن حبان)

ہدیہ کا بدلہ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ''جس شخص کو ہدیہ دیا جائے، اگر اس کے پاس بھی دینے کے لئے کچھ ہو تو اس کو بدلے میں ہدیہ دینے والے کو دے دینا چاہیئے اور اگر کچھ نہ ہو تو (بطور شکریہ) دینے والے کی تعریف کرنی چاہیئے کیونکہ جس نے تعریف کی اس نے شکریہ ادا کردیا اور جس نے (تعریف نہیں کی بلکہ احسان کے معاملے کو) چھپایا اس نے ناشکری کی''۔ (ابوداؤد)

☆☆☆☆☆

حضرت عائشہ کا مشورہ

حضرت نافع بیان کرتے ہیں کہ میں اپنا مال تجارت شام اور مصر لے جایا کرتا تھا، ایک مرتبہ عراق لے جانے کا ارادہ کیا اور حضرت عائشہؓ سے مشورہ لینے کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کو رزق کا کوئی سبب کسی طریقے پر بنادے تو اس کو نہ چھوڑے جب تک کہ وہ خود ہی نہ بدل جائے۔ مطلب یہ کہ جس سبب سے روزی ملتی ہے اسے مت چھوڑو۔ ہاں! اگر وہ خود ہی بدل جائے مثلاً حالات سازگار نہ رہیں، مال میں نقصان ہونے لگے یا کوئی مجبوری پیش آئے تو اور بات ہے۔ (تبلیغی اور اصلاحی مضامین ص 246)

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا خاص واقعہ

حضرت عمر بن خطابؓ اپنے اسلام لانے سے پہلے کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کے پاس گیا۔ دیکھا کہ آپ مسجد حرام میں پہنچ گئے ہیں، میں بھی گیا اور آپ کے پیچھے کھڑا ہوگیا۔ آپ نے سورہ حاقہ شروع کی جسے سن کر مجھے اس کی پیاری نشست الفاظ اور بندش مضامین اور فصاحت و بلاغت پر تعجب آنے لگا۔ آخر میں میرے دل میں خیال آیا کہ قریش ٹھیک کہتے ہیں کہ یہ شخص شاعر ہے۔ ابھی میں اسی خیال میں تھا کہ آپ نے یہ آیتیں تلاوت کیں۔

ترجمہ۔ یہ قول رسول کریم ﷺ کا ہے، شاعر کا نہیں، تم میں ایمان ہی کم ہے''۔ تو میں نے خیال کیا کہ اچھا! شاعر نہ سہی، کاہن تو ضرور ہے، ادھر آپ ﷺ کی تلاوت میں یہ آیت آئی...... ترجمہ یہ کاہن کا قول بھی نہیں ہے، تم نے نصیحت ہی کم لی ہے'' اب آپ پڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ پوری سورت ختم کرلی۔ فرماتے ہیں کہ یہ پہلا موقع تھا کہ میرے دل میں اسلام پوری طرح گھر کر گیا، اور رونگٹے رونگٹے میں اسلام کی سچائی گھس گئی۔ پس یہ بھی منجملہ اسباب تھے جو حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا باعث ہوئے۔ (تفسیر ابن کثیر 425/5)۔

امام بخاریؒ کا غصہ پی جانا

عبداللہ بن محمد صادقؒ ذکر کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں امام بخاریؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، اندر سے آپ کی کنیز آئی اور تیزی سے نکل گئی، پاؤں کی ٹھوکر سے راستے میں رکھی ہوئی روشنائی کی شیشی الٹ گئی، امام صاحب نے ذرا غصے سے فرمایا کیسے چلتی ہے؟ کنیز بولی۔ جب راستہ نہ ہو تو کیسے چلیں۔ امام صاحب یہ جواب سن کر انتہائی تحمل اور بردباری سے فرماتے ہیں۔ جا میں نے تجھے آزاد کیا۔

صادق کہتے ہیں، میں نے کہا، اس نے تو آپ کو غصہ دلانے والی بات کہی تھی، آپ نے اسے آزاد کردیا؟ فرمایا، اس نے جو کچھ کہا اور کیا میں نے اپنی طبیعت کو اسی پر آمادہ کرلیا۔ (ترجمہ تیجاری از علامہ وحید الزماں صاحب ص 13)

۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ ''اے ابن آدم! تجھے غصہ آئے تو اسے پی جا۔ مجھے تجھ پر غصہ آئے گا تو میں پی جاؤں گا۔ بعض روایتوں میں ہے اے ابن آدم! اگر غصے کے وقت تو مجھے یاد رکھے گا، یعنی میرا حلم مان کر غصہ پی جائے گا تو میں بھی اپنے غصے کے وقت تجھے یاد رکھوں گا یعنی ہلاکت کے وقت تجھے ہلاکت سے بچالوں گا۔ (تفسیر ابن کثیر اردو 457/1)۔

☆☆☆☆☆

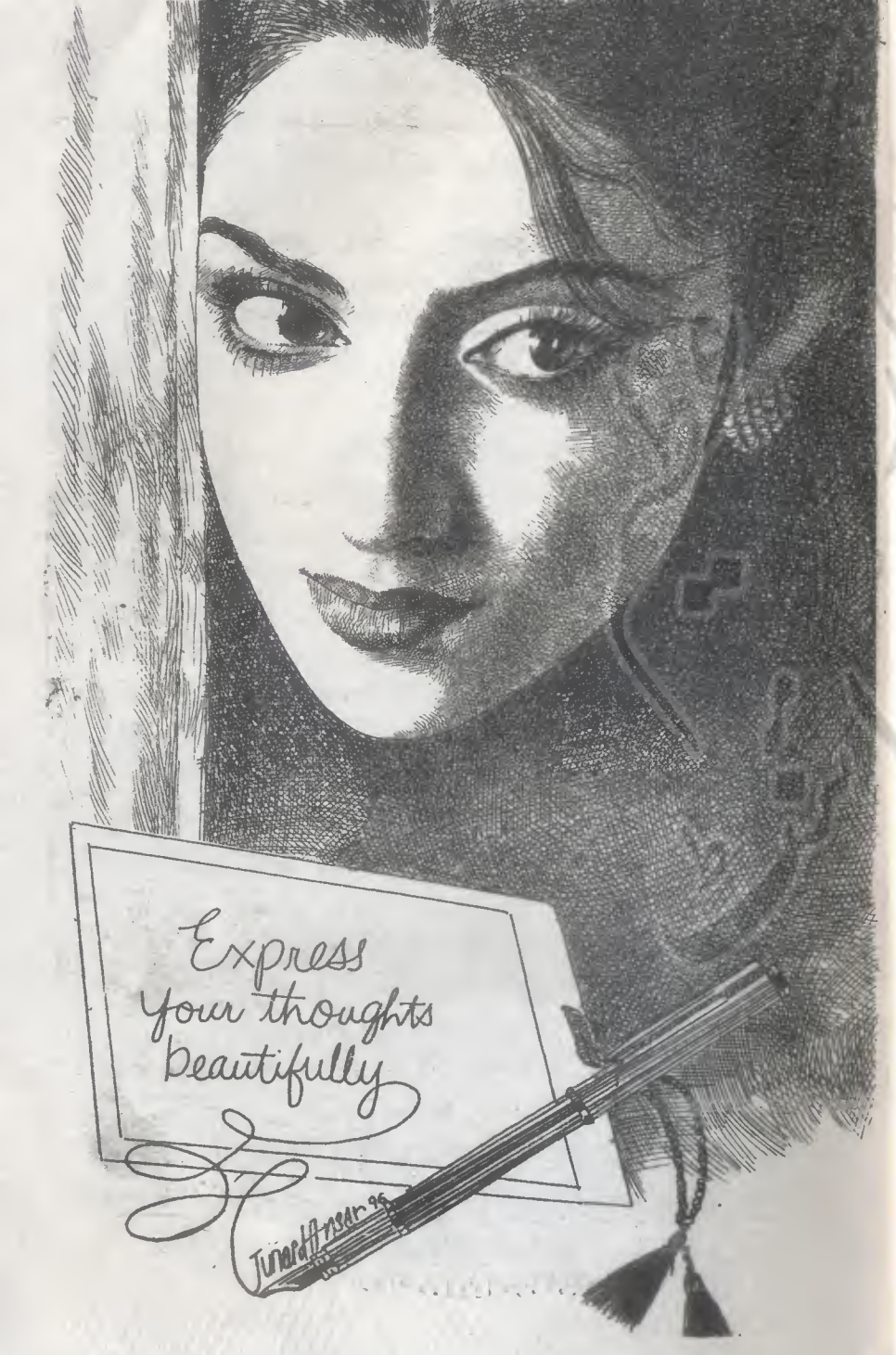

صالحہ محمود

قسط نمبر 17۔

سلسلے وار ناول

وہ جو رگِ جاں سے قریب تھے

بائی نیچر روی ایسی ہی تھی جیسی وہ نظر آ رہی تھی، وہ ہمیشہ دوسروں کو خوش دیکھنا چاہتی تھی، زیادہ سے زیادہ دوسروں کو اہمیت دینا وہ زندگی کے جس موڑ پر آ کر کھڑی ہوئی تھی وہ بہت حساس اور نازک دور تھا اپنے فیصلے بدل دینے کی وہ عادی بھی نہیں تھی، وہ تائی اماں کے کہنے پر واپس تو پلٹ آئی تھی لیکن وہ کسی ذلت اور رسوائی کی ہمت نہیں رکھتی تھی، وہ اپنے ماں باپ کے نام کے ساتھ بدنامی کا بٹا لگانا نہیں چاہتی تھی، بہت سوچنے اور سمجھنے کے بعد وہ پلٹ کر یہاں آئی تھی، اشمل بھی بہت حیران سا اسے تکتا رہ گیا، اسے بالکل امید نہیں تھی کہ وہ لوٹ کر پھر آئے گی۔ یہی بات اس نے فاخر سے بھی کہی تھی کہ وہ اب لوٹ کر نہیں آئے گی، روی کی باڈی لینگویج سے اشمل کو ہر بات پتہ چل جاتی تھی، سارے کام نپٹا کر وہ تھکی تھکی سی بیڈروم میں جب آئی تو تھکن کے مارے برا حال تھا وہ شاور لے کر پلٹ کر بیڈ پر گر گئی تھی، گیلے بال تولیے میں ہی لپیٹے ہوئے تھے یوں کہ بے سدھ سی وہ بڑے سے کشن پر ان کو سمیٹ کر بیڈ پر لیٹ گئی تھی، تبھی تھوڑی ہی دیر میں صبا دبے قدموں اس کے روم میں چلی آئیں تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

''تم اس طرح سے پوزمت کیا کرو کہ میں بہت بڑی چیز ہوں''۔ یہ کہتے ہوئے آگے بڑھ کر انہوں نے کرٹن ہٹا دیا تھا تیز روشنی سے کمرہ بھر گیا۔

''پتہ نہیں کس طرح سے تم اندھیرا کر کے بیٹھ جاتی ہو، تم ہر چیز کو چھپانے کی عادی ہو روی! دیکھو اگر مجھے کوئی ایسی بات جو میرے علم میں نہیں آئی اور کسی دوسرے انسان سے پتہ چلا تو میں حشر کر دوں گی، بہتر یہی ہے کہ جو کچھ بھی ہے تم اپنا معاملہ اشمل سے طے کرو جو تم نے لینا دینا ہے مجھے کوئی اعتراض نہیں اور بغیر مجھے بلیم دیئے چلی جاؤ، اسی میں تمہاری بھلائی بھی ہے اور بہتری بھی۔ میں تم سے مکمل کوآپریٹ کروں گی جہاں جہاں تم چاہو گی''۔ پھر وہ پلٹ کر غور سے اسے دیکھتے ہوئے بولی تھیں۔

''ایسی کیا بات ہے جو تم دو تین ماہ یہاں رہو گی، کوئی خاص وجہ؟ مڈل کلاس عورتیں ہوتی بہت چلتر ہیں، گھر میں

نوٹ: ردّا کی کوئی ویب سائٹ نہیں ہے، جو بھی ردّا کو بلا اجازت کسی بھی ویب سائٹ پر اپ لوڈ کرے گا ادارہ اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی اور ایسے لوگوں کے خلاف کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت ایف۔ آئی۔ آر۔ درج کروانے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

بیٹھے بیٹھے تانے بانے بنتی ہیں، تمہاری تائی اماں پکی وقیانوسی عورت ہے، تم کبھی ان کی بات مت ماننا تمہاری بھلائی اسی میں ہے رومی! ٹھیک ہے تم یہاں رہو، تم اپنی مرضی سے آئی ہو اور اپنی مرضی سے تمہیں جانا ہے، میں جانتی ہوں تم اشمل کے لیے نہیں ولید حیدر کے لیے لوٹ کر آئی ہو، ہاں اب رو بیٹھ کر تم زبیدہ خالہ کن سوئیاں لیتی پھر رہی ہیں میں ڈرتی نہیں ہوں''۔ وہ دھڑ سے دروازہ بند کر کے چلی گئی تھیں۔ گیلے بالوں سے اس نے تولیہ اتار کر بیڈ پر پھینکا اور دوبارہ نرم تولیہ اٹھا کر وہ گیلے تولیے سے اپنا چہرہ پونچھ رہی تھی جو آنسوؤں سے بھیگ چکا تھا۔

''اے اللہ! اب مجھے کسی امتحان سے مت گزار''۔ وہ آنسوؤں سے بیٹھی رو رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

ارسلان کو جگہ جگہ فون کر کے ایشل ڈھونڈ چکی تھی، رات نجانے اس نے کہاں گزاری، صبح وہ آفس آیا تھا، ایشل کے تمام میسجز وہ پڑھتا رہا، نیند سے بوجھل آنکھیں اور شیو بڑھی ہوئی تھی، جونہی اس نے ایشل کا نمبر دیکھ کر کال ریسیو کی ایشل تڑپ گئی تھی۔

''ارسلان! تم کہاں ہو، امی شدید بیمار ہیں''۔ تو ارسلان کچھ بھی نہ بول سکا۔

''ارسلان! پلیز گھر واپس لوٹ آؤ''۔

''ٹھیک ہے تم پریشان مت ہو، میں شام میں واپس آجاؤں گا''۔ ایشل کے دل میں ایک قرار سا آ گیا، اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ گھر فون کیا تھا،

''ہیلو امی! ہیلو!'' لیکن کسی نے فون بند کر دیا۔

''او میرے خدا! اب کیا کروں، یہ زویا ہے جس نے فون بند کر دیا ہے''۔ پھر جتنی بار وہ فون کرتی رہی فون انگیج ہی جاتا رہا، تھک کر وہ سر پکڑے بیٹھی تھی، تب اس کی سینئر کولیگ جو ہمیشہ اس کے کام آتی مشورے دیتی، اپنے تجربات شیئر کرتی تھی وہاں آ گئی۔

''حد ہو گئی ایشل! تمہیں نہیں معلوم تمہاری ماں بیمار ہے، تمہارا بھائی گھر سے غائب ہے، جس قسم کی تمہاری بھابی ہے اپنی ماں کو تم دو ہزار کا سیل خرید کر نہ دے سکیں، کوئی حادثہ ہو جائے، کوئی بات ہو زویا جیسی عورت تمہارے گھر میں موجود ہے خدا کے لیے ایشل! کچھ تو سوچو''۔

''ہاں آپ ٹھیک کہتی ہیں، لیکن امی بہت سیدھی سادھی سی ہیں''۔

''کیا مطلب، ماسی ہاتھ میں سیل لیے گھوم رہی ہیں، ہماری مریم ماسی کو دیکھ لو، ایک ہاتھ سے سیل کان پر لگائے دوسرے ہاتھ سے وہ استری کر رہی ہے''۔ پاس بیٹھی ہوئی باقی کی لڑکیاں بہت زور سے ہنسی تھیں۔

''میم! ہمارے ہاں بھی یہی حال ماسی کا ہے، میم! کہاں سے ان کے پاس اتنے پیسے آتے ہیں، دروازے پر بیٹھی ہیں اور کان سے سیل لگا اور باتیں کر رہی ہیں''۔

''یہ ایک راز کی بات ہے''۔ ایشل کی دوست بولی تھی۔

''امی فون نہیں اٹھا رہیں''۔ ایشل نے پھر سیل سے گھر کا PTCL ملایا تھا، دن کے گیارہ بج رہے تھے، وہ اٹھ کر اپنی سیٹ پر آئی، جہاں پر دیگر خواتین بیٹھی ہوئیں آفس ورک کر رہی تھیں، ایشل کو وقت گزارنا بہت مشکل لگ رہا تھا،

اس نے آج سب کے ساتھ لنچ بھی نہیں کیا تھا، طبیعت کا بہانہ کر کے وہ کھانا گول کر گئی۔

''پتہ نہیں امی کیسی ہوں گی، صبح ناشتہ کیا ہوگا کہ نہیں، میڈیسن کا کیا ہوگا، میں یاد دلاتی تھی کہ امی! کھالیں تو وہ کھا لیتی تھیں''۔ وقت کا اگر انتظار کرو تو لمحات صدیوں پر محیط ہوتے ہیں اور جب وقت کو روکنا چاہو تو رات کا پہر دیواروں پر سورج لے آتا ہے، اندھیری رات کا سورج جب دیوار پر اترا کسی بیمار دکھ کی طرح تو ایشل کو یاد آیا کہ زندگی تو بہت دور رہ گئی اور یہاں اب کچھ نہیں ہے۔

☆.....☆.....☆

ہوا میں بہت گرد و غبار تھا، فضا بھاری تھی، یوں لگتا تھا آسمان پر ایک مٹی کی تہہ سی چھا رہی ہے، عجیب سا حبس طاری تھا، سمندر کے کنارے لوگوں کی بھیڑ سی لگی ہوئی تھی۔ اشمل کی تو بہت دیر پہلے ہی صبح ہو چکی تھی، اس کی مجال بھی نہ تھی کہ وہ ارج کے بغیر جا کر نیچے ناشتہ کر لے یا سوتے سے اسے بیدار کر دے، ٹیرس پر وہ شیڈ کے نیچے بیٹھا ہوا سگریٹ پیئے جا رہا تھا۔ دھوئیں کے ہیولے میں آہستہ آہستہ رومی کا چہرہ نمودار ہو گیا تھا۔ نیچے سوئمنگ پول کا شفاف پانی چمک رہا تھا۔

''اشمل! پلیز اٹھیں''۔ اس نے بلینکٹ کا کونہ کھینچ دیا تھا، وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا تھا۔

''ایک تو میری سمجھ میں نہیں آتا تم اتنی صبح اٹھ کیسے جاتی ہو، اٹھ جاتی ہو تو پلیز پھر سو جایا کرو، مجھے تنگ مت کرو''۔ اس نے کروٹ بدل لی، سائیڈ ٹیبل پر کھٹ سے کپ رکھنے کی آواز آئی تھی، جاتے جاتے وہ مڑتے ہوئے بولی تھی۔

''ماموں ناشتے پر آنے والے ہیں آج بہت اہم میٹنگ پر آپ کو بھی جانا ہے، وہ مجھ سے کہہ رہے تھے کہ میں آپ کو دیکھ لوں''۔ وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

''واٹ.....؟'' وہ اچھل کر بیڈ سے نیچے کھڑا ہو گیا تھا۔

''کیا آٹھ بج گئے؟'' اس نے گھبرا کر وال کلاک کی طرف دیکھا، جہاں آٹھ بجنے والے تھے۔

''او مائی گاڈ!'' وہ تیزی سے اٹھ کر واش روم کی طرف بڑھا، جاتے جاتے پھر اس نے سائیڈ ٹیبل سے کپ اٹھا کر دو تین سپ لیے تھے اور بہت تیزی سے مڑ گیا، جلدی جلدی جب وہ تیار ہو کر ٹائی لگا رہا تھا تو رومی اس کا کوٹ لیے کھڑی تھی، تھینکس کہتے ہوئے اس نے اس کے ہاتھ سے کوٹ تھام لیا تھا، جب اشمل ڈائننگ ہال کی طرف آ رہا تھا تو وہ ہنس کر بولی۔

''میں نے چائے آپ کو پندرہ منٹ پہلے تھما دی تھی تاکہ آپ ہوش میں آ جائیں، اب میز پر آئیں ماموں آنے والے ہیں''۔

''اف.....! بیوقوف لڑکی تمہیں سونے سے اتنی نفرت کیوں ہے؟ پندرہ منٹ میں اور سولیتا، لیکن تم تو الارم کی طرح سر پر مسلط رہتی ہو''۔ وہ ٹیبل پر آ کر بیٹھ گیا تھا۔

''کھانے اور سونے کا ٹائم ہے اشمل!'' وہ کپ اس کے قریب رکھتے ہوئے بولی۔

''یہ تمہارے تایا ابا کا گھر نہیں ہے، یہ ولید حیدر ہاؤس ہے نہ مام کو خبر ہے کہ پاپ کہاں ہیں نہ پاپ جانتے ہیں کہ اس وقت مام کہاں ہیں، ہماری روٹین کچھ اور ہے''۔

''ہاں میں جہاں سے آئی ہوں وہاں وقت پر کھاتے ہیں، وقت پر ہی سوتے ہیں''۔

''بڑی بور لائف ہے تم لوگوں کی''۔

''جی نہیں، اگر یہ لائف بور ہوتی ناں ولید حیدر، ولید حیدر نہ ہوتے اشمل بنے پھر رہے ہوتے''۔

''واٹ ڈو یو مین اشمل! بنے پھر رہے ہوتے کیا میری لائف میں کوئی ڈفیکلٹی ہے؟

''سو مینی پرابلمز''۔ تبھی ولید حیدر ایک دم سے سامنے آ گئے تھے۔

''اوہ.... تو ہمارے صاحبزادے ہم سے پہلے ٹیبل پر پہنچ گئے ہیں، گڈ ویری گڈ! میں تمہیں ایسا ہی دیکھنا چاہتا ہوں، ایک کامیاب انسان ہمیشہ اپنے وقت پر نظر رکھتا ہے''۔ وہ مزید کرسی کو آگے کرتے ہوئے بولے تھے۔

''وقت پر کھانا، وقت پر سونا۔ تمہارے دادا کہتے تھے صبح اٹھنے والوں کی عمر لمبی ہوتی ہے، اور اکثر یہ بات صبح صبح میرے ابا کہا کرتے تھے، عزیز و اقارب سے تعلق رکھنا ہر اچھے انسان کا عمل ہے، اسی لیے میرے تمام رشتے دار ہمیشہ یہاں آتے جاتے ہیں۔ میں نے کبھی ان سے منہ نہیں موڑا۔ ہمارے کچھ رشتے دار بہت غریب بھی ہیں، کچھ گاؤں اور پسماندہ بستیوں میں رہتے ہیں، الحمدللہ میں نے ان سے رشتہ جوڑ کر رکھا ہے، اچھا اشمل! دیکھو آج نیو اپائنمنٹ میں ایک اقبال نام کا بچہ آئے گا، اس کو کہیں کمپیوٹریکشن میں لگا دینا، امی بتا رہی تھیں وہ ہمارے دور کے رشتے دار ہیں، ضرورت مند بھی ہیں، ان کا تم خیال کر لینا''۔

''جی پاپ!'' وہ سپ لیتا ہوا روی کو گھور رہا تھا جو سامنے بیٹھی مسکرا رہی تھی۔

''اور تمہاری مام کدھر ہیں؟'' وہ یوں ہی پوچھنے لگے۔

''پاپ! مام سو رہی ہوں گی، مام کا دروازہ لاک ہے''۔ وہ جھینپ گیا۔

''صبح صبح مل کر بیٹھ کر کھانے میں کتنا مزہ آتا ہے، میری کامیابی کا راز یہی ہے کہ میری ماں نے مجھے ہمیشہ صبح جلدی اٹھایا ہے، ہم نے ہمیشہ ناشتہ، کھانا ایک ساتھ کیا، باہر جاتا ہوں تو بہت مس کرتا ہوں میں گھر کو، بس تھک گیا ہوں''۔ تبھی بڑے صاحب پراٹھے اور کباب لے کر آئے تھے۔

''واؤ یہ کس کو پتہ ہے کہ میں پراٹھے اور کباب پسند کرتا ہوں''۔ ولید حیدر نے بہت غور سے روی کو دیکھا تھا۔

''ماموں! مجھے یہ بات دادی نے بتائی ہے''۔ وہ مسکرائی۔

''میں جانتا ہوں، ارے کھا کر تو دیکھو بیٹا! پراٹھا اور قیمہ، چھوڑو تم بریڈ اور آملیٹ یہ کوئی کھانے کی چیز ہے؟'' انہوں نے ہاتھ بڑھا کر تھام لیا۔

''نو پاپ! میں صبح صبح یہ نہیں کھاتا، بس ایک کپ چائے''۔ وہ کسمسا یا روی ہنس پڑی تھی۔

''واٹ....؟ ایک کپ چائے، اور میں تمہیں لا کر دے دوں نان سینس، میں روی نہیں ہوں، ہوش میں آؤ اشمل!'' وہ گھبرا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ ارج سامنے کھڑی تھی۔

''تم کب اٹھیں؟''

''بس ابھی دیکھا تو تم بیڈ سے غائب، بہت انتظار کیا، پھر میں نے سوچا کہ تمہیں یہاں دیکھ لوں، اشمل! پلیز مجھے چائے منگوا کر دو''۔

''او کے، تم چینج کرو، میں بڑے صاحب کو کال کرتا ہوں''۔ لائٹ پنک رنگ کی نائٹی سے اس کا سارا سراپا جھانک رہا تھا۔

''تم چینج کرو میں ابھی چائے منگواتا ہوں''۔ بار بار سیل پر صبا نیچے سے کال کر رہی تھیں۔

''یس مام! کیا ہوا؟''

''اشمل! ارج اگر تیار ہے تو ہم لوگ مل کر برنچ پر چلے جاتے ہیں''۔

''مام! میں دیکھتا ہوں، ابھی وہ تیار نہیں ہے، ارج''۔ وہ ٹیرس سے اٹھ کر اپنے روم کی طرف آیا تھا۔

''اب کیا آرڈر ہے تمہارا؟''

''کوئی آرڈر نہیں ہے مام برنچ پر تمہارے ساتھ جانا چاہ رہی ہیں''۔

''کہہ دو ان سے میں نہیں جا سکتی، ابھی ابھی تو اٹھی ہوں، تمہارا آرڈر سنوں یا تمہاری مام کا، میری لائف ڈسٹرب مت کرو پلیز، اٹ لیس میں چائے یا کافی لے کر دو گھنٹے رک کر ریسٹ کرتی ہوں کوئی میگزین دیکھتی ہوں، اوور نائٹ میری میلز آئی ہوں گی، انہیں دیکھوں گی''۔

''ارج، ارج.....! یہاں کے کلچر اور وہاں کے کلچر میں بہت فرق ہے، ریلائز کرو''۔

''کیا ریلائز کروں؟ تم تو لکیر کے فقیر ہو''۔

''او کے دادی مجھے کال کر رہی ہیں، میں تمہیں کافی بھجوا دوں گا''۔ وہ بہت تیز چلتا ہوا نیچے آیا تھا۔

''اشمل.....! اتنی دیر سے بیٹا! تم اٹھے ہو، مجھے تو ابھی ابھی پتہ چلا ہے کہ روی نے ٹیبل نو بجے تیار کروا دی تھی، بار بار شبیر آ کر کہہ رہا تھا کہ ناشتہ تیار ہے، مہمانوں کو بلا لیجیے، مہمان تو کیا گھر والوں کا ہی پتہ نہیں ہے اور زبیدہ تمہیں لینے گئی تو تم اپنے بیڈ روم میں ہی نہیں تھے، تم کہاں تھے؟''

''دادی! میں کہاں تھا؟'' وہ خود گھبرا کر بولا۔

''یہی تو میں تم سے پوچھ رہی ہوں کہ تم کہاں تھے، صبح سے؟ ارے تمہارے گھر میں مہمان آئی ہے وہ کیا سوچے گی، اس کو وقت پر کھانا ناشتہ دینا پڑے گا ورنہ وہ کیا سوچے گی ہمارے بارے میں، وہ تمہاری کزن ہے دو چار دن کے لیے آئی ہے مجھے معلوم ہے تمہاری ماں سو رہی ہوں گی''۔

''دادی.....!'' وہ بہت پیار سے ان کے قریب آیا تھا۔

''خیریت.....؟'' وہ چونک سی گئیں۔

''مام جس ماحول کی ہیں ارج بھی اسی ماحول کی ہے، آپ پریشان مت ہوں، میرا خیال ہے وہ 1 بجے سے پہلے سو کر نہیں اٹھتی''۔

''یا اللہ! کیا پورے کا پورا آوا ہی بگڑا ہوا ہے مبین عباسی کا، اس کی بیوی بھی ایسی ہی تھی، ساری رات جاگ رہی ہے سارا دن سو رہی ہے، اللہ انہیں ہدایت دے، مگر اشمل! یہ غلط بات ہے، روی فجر میں اٹھ کر نماز پڑھنے آئی تو میں نے یوں ہی تمہارے کمرے کا چکر لگا لیا مگر تم تو بیٹا اس سے پہلے ہی غائب.....!''

''دادی! میں صبح صبح ہی واک کرنے نکل گیا تھا''۔ وہ ان کے گلے لگ کر لپٹ گیا تھا۔

''اچھا اچھا بس، نماز بھی پڑھ لیا کرو، جب اتنی صبح اٹھ جاتے ہو، اپنے باپ کی طرف دیکھو، کتنا بھی تھک رہا ہو، مگر میرا بیٹا تہجد پڑھ کر سوتا ہے''۔

''ہاں دادی! آپ کیا کہتی ہیں دل کے گھر شیطان پیدا ہوتا ہے''۔

''ارے نہیں وہ تو میں تمہیں پیار سے کہتی ہوں، ولید کو تم پر تو بڑا فخر ہے کہ تم نے اس کی پسند پر شادی کر لی''۔

''جی دادی!'' اس نے پھر اپنا سر پلٹ کر دادی کی گود میں رکھ دیا تھا۔

''دادی! اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو جائے تو کیا آپ مجھے معاف کر دیں گی؟''

''معافی تو بہت دور کی بات ہے''۔ تو اس نے گھبرا کر اپنا سر اٹھایا۔

''کیا دادی!''

''تم غلطی کر ہی نہیں سکتے، تم میرے ولید کے بیٹے ہو''۔ وہ مسکرائیں۔

''پھر بھی دادی!'' وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر چوم رہا تھا۔ اس کا چہرہ بڑا زرد اور آنکھیں تاریک ہو رہی تھیں، تبھی رومی کمرے میں آئی تو ایک لمحے کے لیے چونک کر وہیں رک گئی۔

''آجا آجا میرا بیٹا! کیوں رک گئی؟'' تو اشمل اپنا سر اٹھا کر سیدھا بیٹھ گیا۔

''دادی! ناشتہ....!'' اس نے آنکھوں سے اشمل کی طرف اشارہ کیا۔

''او کے دادی!'' اس نے جلدی سے ارج کو کال کی۔

''یار ارج! جلدی سے نیچے آجاؤ، بریک فاسٹ تیار ہے''۔ اس نے جلدی سے سیل آف کر دیا تھا۔

''دادی! ہم سب مل کر ناشتہ کرتے ہیں وہ آجائے گی''۔

''دیکھو زبیدہ! اگر صبا اٹھ گئی ہے تو اسے بھی ناشتے کا کہہ دو''۔ اتفاق سے صبا جاگ چکی تھیں جب زبیدہ خالہ انہیں کمرے میں بلانے گئیں تو وہ بولیں۔

''ہاں میں برش کر لوں تو آتی ہوں، تم ناشتہ لگاؤ''۔ وہ ارج کی وجہ سے آج جلدی اٹھ گئی تھیں، کافی انتظار کے باوجود بھی ارج نیچے نہیں آئی۔

''بڑے صاحب! مجھے تو بہت بھوک لگ رہی ہے، آپ کافی لے آئیں میں نے اسے بول دیا ہے، آتی ہی ہوگی''۔ رومی دادی کے برابر میں ہی بیٹھی تھی، صبا اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھ گئی تھیں، انہیں بھی بھوک لگ رہی تھی، کیتلی سے اٹھتی ہوئی چائے کی خوشبو گھر کے بنے ہوئے گرم لوازمات نے انہیں بے قرار سا کر دیا اور وہ ہاتھ بڑھا کر ناشتہ کرنے لگیں، اشمل بار بار گھڑی کی طرف دیکھ رہا تھا مگر پھر اس نے ناشتہ شروع کر دیا تھا، لیکن رومی کی نظریں بار بار دروازے کی طرف اٹھ رہی تھیں کہ ارج آجائے۔

''تمہاری بے قرار نظریں بار بار دروازے پر کسے دیکھ رہی ہیں، ''ولید کو؟ ولید ابھی اتنی جلدی نہیں آئیں گے، رات ان کی کال آئی تھی''۔ تبھی ایک دم سے سامنے ارج نظر آئی تھی، جونہی اس کی نظر سامنے ٹیبل پر پڑی کہ اشمل ناشتہ کر رہا ہے۔

''ہاؤ ڈیر یو.... کہ تم نے میرا ویٹ نہیں کیا''۔ اس نے بیٹھے ہوئے لوگوں اور اشمل پر ایک نظر ڈالی اور بہت غصے سے پلٹی، اشمل کپ رکھ کر بہت تیز اس کی جانب پلٹا۔

''ارج، ارج! میری بات سنو''۔ رومی چونک کر صبا کو دیکھنے لگی تو وہ آہستہ سے بولیں۔

''یہ محبت کی نشانی ہے''۔ ان کی آنکھیں رومی کو دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔

''ارج! یہ کیا بدتمیزی ہے، تمہارا یہ بے ہودا دادی کو بالکل پسند نہیں آئے گا، میں نے کہا ناں یہ امریکہ نہیں ہے''۔

''تمہاری ہمت کیسے ہوئی کہ مجھے بلوا کر خود یہاں تم نے ناشتہ شروع کر دیا''۔

''یار! میں نے بہت دیر تمہارا انتظار کیا تھا سوری ارج! یہ مت کرو''۔

''واٹ سوری؟'' اشمل اس کے پیچھے پیچھے اور وہ بہت تیز آگے بڑھتی زینہ چڑھ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

الارم کی آواز کے ساتھ ہی اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔

''کیا ہے تم نے مجھے ڈسٹرب کر کے رکھ دیا، کیا ہو گیا اشمل! تمہیں؟''

''پلیز صبح صبح تم نے اٹھا دیا''۔ ارج نے برا سا منہ بنا کر کروٹ بدلی تھی، وہ جلدی سے گھبرا کر اٹھ گیا بکھرے ہوئے بالوں کو اس نے بہت غور سے دیکھا اس کی اور ارج کی جلی ہوئی سگریٹ کی ایش ٹرے بھری ہوئی تھی، بکھرے ہوئے دو چار کافی کے مگ فرش پر الٹی ہوئی کولڈ ڈرنک کی بوتل ہر چیز کمرے کی بے ترتیب ہو رہی تھی، سگریٹ کی ناگوار سی بو پھیلی ہوئی تھی، اس نے گھبرا کر بیڈ چھوڑ دیا اور آہستہ سے وہ دروازہ بند کر کے باہر نکل آیا تھا، نیند سے بوجھل آنکھیں تھیں، ہلکا ہلکا سورج ولید ہاؤس کی دیواروں پر اتر رہا تھا، تبھی وہ چور قدموں سے اترتا ہوا رومی کے کمرے کی سمت مڑ گیا، اردگرد اس نے نظر ڈالی کہ کوئی ملازم نہ دیکھ لے، پھر بہت آہستہ سے اس نے دروازہ کھولا، مدھم مدھم سورج کی سنہری روشنی میں کمرے میں بہت گہرا اجالا پھیل رہا تھا، بھینی بھینی خوشبو کی مہک اس کے اطراف میں پھیل رہی تھی، شفاف آف وائٹ چادر پر کشن اور تکیے برابر سے رکھے ہوئے تھے، سامنے کھڑی رومی ٹیبل پر پھولوں کی ترتیب بنا رہی تھی۔

اس نے بوجھل آنکھوں سے اس پر ایک نظر ڈالی اور شفاف بیڈ پر گرتے ہی اس نے دوسرا تکیہ اپنے چہرے پر رکھ لیا تھا، رومی کے وجود کی خوشبو اس کی سانسوں کا لمس اس تکیے میں سب کچھ تو تھا۔ اس نے ایک گہری سانس لے کر آنکھیں بند کر لیں، رومی نے جلدی سے کرٹن کو دوبارہ کھینچ دیا تھا اس کی آہٹ بھی اسے محسوس ہوئی۔

''یہ لڑکی خود سے زیادہ دوسروں کا خیال رکھتی ہے، لیکن اس کی بدنصیبی کہ وہ مجھ سے پیار کرتی ہے، محبت کرنے والے لوگ کتنے ایماندار ہوتے ہیں، میں نے تو اس کے ساتھ بے ایمانی کی ہے، کتنا پرسکون ماحول ہے، اتنی صبح اٹھنے والی یہ لڑکی اس امید پر پھول چن کر لائی ہوگی کہ میں پھر صبح صبح چھپ کر یہاں سونے کے لیے آجاؤں گا اور ہر پوچھنے والے سے اس نے یہی کہا ہوگا کہ اسے پھول اچھے لگتے ہیں تو یہی ہے کہ میری اور اس کی کیمسٹری ایک ہے، کب کیسے یہ لڑکی دل میں اتر گئی اور اگر یہ میری زندگی سے چلی گئی تو میں خود کو معاف نہیں کر سکوں گا، میں نے اسے توڑ کر رکھ دیا ہے، نظر پڑتی ہے تو نظریں جھکا لیتی ہے، شرمندگی کے احساس سے مری جا رہی ہے اور میں اتنا ہی گرتا جا رہا ہوں اپنی نظروں میں کہ میں نے اس کے ساتھ ایسا کیوں کیا، میں نے اپنا اعتماد کھو دیا۔ ارج کے آنے سے بھی اس کی زندگی میں کوئی فرق نہیں پڑا، کبھی تو کچھ کہے، کبھی تو وہ شکایت کرے''۔

''کبھی تو کچھ کہے
کبھی تو روٹھ کر بولے

کبھی ابر باراں کی طرح
مجھ پر برسے
جو کھوگئی ہے ہنسی
وہ کھنک کے موسموں کی طرح
لبوں پر آ کر ٹھہرے
کسی شام کی طرح
جگنوؤں کی تلاش میں
میرا ہاتھ تھام کر بولے
کہ میں تم سے بہت
ناراض ہوں

اس نے آہستہ سے ادھ کھلی آنکھوں سے اسے کمرے سے دبے قدموں نکلتے دیکھا تھا، اس کے سرسراتے ہوئے آنچل سے خوشبو کا ایک جھونکا نکلا تو اس نے یک لخت آنکھیں کھول دی تھیں، وہ بہت آہستہ سے دروازہ بند کر کے دبے قدموں گزری، اس نے ایک گہرا سانس لے کر تکیے کو آنکھوں سے ہٹا کر کمرے کو بہت حسرت سے دیکھا۔

''کس قدر نفاست پسندی ہے اس کی ذات میں، خود ایک ترتیب و نظام ہے، مام کہتی ہیں لوئر کلاس کے لوگوں کی یہی تو ایک پہچان ہے کہ وہ وقت کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں، بیڈ پر پڑی ہوئی چادر کی شکن کا بھی خیال رکھتے ہیں لیکن اس کمرے کے اندر کی نفاست بھینی بھینی مہک رومی کے دوپٹے کی طرح پھیلا ہوا ایک تقدس کیوں اتنا اچھا لگ رہا ہے، ارج تو میری لائف پارٹنر ہے، لیکن جہاں سگریٹ کے دھوئیں کی اسمیل، شراب کی خالی بوتلیں بے ترتیب پھیلی ہوئی چیزیں جنہیں ہر روز ملازم ٹھیک کر کے جاتے ہیں مام کہتی ہیں اپر کلاس میں سب کچھ ایسا ہی ہوتا ہے، لیکن مجھے تو فاخر کی ماں بچپن میں اچھی لگتی تھیں، ذرا سی بات پر ان کا گھبرا کر باہر نکل آنا جاتے وقت فاخر پر بار بار دعائیں پھونکنا، جاتے جاتے پیار کرنا، بیٹا کہنا کتنا اچھا لگتا تھا''۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

''مام! آپ مجھے بیٹا کہا کریں، فاخر کی ماں بھی کہتی ہیں آپ مجھے دعا پڑھ کے دم کیا کریں، مام! اسکول سے میں آتا ہوں تو یا تو آپ مجھے گھر پر نہیں ملتیں یا سو رہی ہوتی ہیں، میرا دل چاہتا ہے کہ میں آپ سے لپٹ کر سو جاؤں، آپ مجھے کیوں اپنے پاس نہیں سونے دیتیں وہ تو سوتا ہے''۔

''تم نیند میں مجھے ڈسٹرب کرتے ہو، فاخر کی بات مت کرو، وہ لوئر کلاس کا بچہ ہے، وہاں بیڈ کم ہوں گے اس لیے وہ ماں کے ساتھ سوتا ہے، چلو آؤ تمہاری میڈ تمہارا انتظار کر رہی ہے، چینج کرو اور مجھے ویر ہو جائے گی تم دادی کے پاس چلے جانا انڈر سٹینڈ؟''

''مام کے جانے کے بعد میں کتنا رویا تھا''۔ اسے گزرا ہوا وقت سوچ کر ہنسی آئی لیکن وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا تھا۔

''اس وقت مجھے اتنی تکلیف ہوئی تھی جب مام مجھے چھوڑ کر چلی گئی تھیں اور ارج بھی اس طرح سے میرے بچے کو چھوڑ کر چلی جائے گی، مام اور ارج کتنا ایک دوسرے سے لنک کرتی ہیں''۔ عجیب طرح کی ایک جھرجھری اس کے وجود

میں آئی، اس نے ریموٹ اٹھا کر LCD کا بٹن آن کیا، تو رومی اور اس کی شادی کے دن کی مووی چل رہی تھی، کتنے دنوں سے اس نے رومی کو نظر بھر کر نہیں دیکھا تھا اس نے رومی کی تصویر اسکرین پر زوم کر دی تھی۔

''کس دوراہے پر میں کھڑا ہوں، ایک طرف ارج ہے، میری لائف، میرا کریئر، میری مام دوسری طرف تنہا تم ہو''۔

☆.....☆.....☆

ایشل نے گھبرا کر ارسلان کو کال کی تو ارسلان بار بار ایشل کی کال کاٹ رہا تھا، وہ ایک معمولی سے ہوٹل میں چائے پینے کے لیے گیا تھا، سیل پر بار بار ایشل کا نمبر آ رہا تھا، وہ ہر بار کاٹ دیتا۔

''ایشل! تم اتنی بے وقوف ہو گی پڑھ لکھ کر اس دور کی لڑکی ہو کر''۔ اس کی سینئر کولیگ بولیں۔

''کیا کروں مریم آپا! ارسلان کال کاٹ رہا ہے''۔

''ارے بھئی! تم فوراً میسج کرو، ماں تمہاری اکیلی ہے کہیں انہیں کچھ ہو نہ گیا ہو''۔ تو ایشل نے گھبرا کر ارسلان کو text کیا تھا، ارسلان میسج دیکھ کر چائے کا سپ لیتے لیتے ٹھہر کر پڑھنے لگا۔

''او مائی گاڈ!'' وہ کپ ٹیبل پر رکھ کر بہت تیز باہر نکلا اور بہت تیزی سے بائیک پر گھر پہنچا تھا، گھر پہنچ کر وہ گھنٹی پر ہاتھ رکھ کر بھول گیا تھا، گیٹ زویا نے ہی کھولا۔

''زویا! امی کیسی ہیں؟''

''گھر میں داخل نہیں ہوئے کہ امی یاد آ گئیں، مجھے کیا معلوم کہ امی کیسی ہیں''۔ وہ بغیر جواب دیئے ہوئے کمرے میں داخل ہوا تھا۔

''امی، امی!'' اس نے ماں کو جھنجھوڑ ڈالا، وہ ارسلان کے اس طرح ہلانے پر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھیں۔

''کہاں تھے ارسلان؟'' ان کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے۔

''امی! آپ ٹھیک تو ہیں؟'' پھر جلدی سے ان کے ہاتھ تھام لیے، پھر نظر فون پر پڑی تو قریب رکھا ہوا فون کا ریسیور ہٹا ہوا تھا۔

''امی! یہ فون کیوں غلط رکھا ہوا ہے، کون آیا تھا کمرے میں آپ کے پاس؟'' وہ حیران سا ہو کر بولا۔

''صرف زویا آئی تھی، کال کرنے کے لیے''۔

''زویا.....!'' اس نے گہرا سانس لے کر ہوا میں خارج کیا اور ایشل سے کانٹیکٹ کر کے بولا۔

''ایشل! امی بالکل ٹھیک ہیں، ریسیور ہٹا ہوا تھا''۔ ایشل آنسوؤں سے رو رہی تھی۔

''چلو شکر کرو تمہاری ماں تو ٹھیک ہے''۔ مریم آپا نے اسے تسلی دی۔

''امی! آپ نے دوا لے لی؟'' اس نے الارم گھڑی کا چیک کیا، وہ بھی بند تھا۔

''پتہ نہیں ارسلان! آج الارم بھی نہیں بجا، میں کھانا کھانے کے بعد ٹیبلٹ لینا بھول گئی۔

''امی! آپ نے کھانا کھایا تو ساتھ ہی دوا لے لیتیں''۔

''بس بھول گئی ارسلان! اس طرح سے مت جایا کرو، تم سیل بند کر دیتے ہو، ہم سب پریشان تھے، ایشل آفس نہیں جا سکتی بہت ٹینشن ہوتی ہے مجھے، بیٹا! مجھے معاف کر دو، میری آنکھوں پر پٹی بندھ گئی تھی، حرص و ہوس کی، جہیز کے

لالچ نے مجھے اندھا کر دیا تھا، مجھے معاف کر دو، میں نے تمہاری زندگی برباد کر دی"۔

"امی! میری زندگی برباد نہیں ہوئی، آپ فکر مت کریں میں سب ٹھیک کر لوں گا، ہم پھر نئے سرے سے زندگی کا آغاز کریں گے، لیکن امی! 50 لاکھ کی زنجیر نے مجھے باندھ کر رکھا ہے، امی! میں دو دن گھر سے غائب رہا ہوں، کیوں ناں امی! جو وہ چاہتے ہیں وہ ہم خود کر دیں"۔

"نہیں تمہاری دادی اور تمہارا باپ ایسا نہیں کرنے دیں گے یہ میں جانتی ہوں بیٹا! صبر کرو کچھ دن، اپنا امتحان دو، اللہ کوئی راستہ بنا دے گا، ہوسکتا ہے دادی اور تمہارے ابو خود کوئی فیصلہ کرنے والے ہوں کہ اس میں عادل اور شکیل دونوں کا حصہ برابر ہے ہم اکیلے کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے"۔

"لیکن امی! میں اب زویا کے ساتھ نہیں رہ سکتا، میری زندگی عذاب ہوگئی ہے، صرف ایشل اور آپ میری مجبوری ہیں"۔ تو وہ مارے شرم کے کچھ نہ بول سکیں۔ ایشل آفس سے نکل کر جب جلدی جلدی روڈ کراس کر رہی تھی تو مریم آپا بولیں۔

"وہی لڑکے ابھی بھی بائیک پر آ کر کھڑے ہیں"۔

"مجھے معلوم ہے مریم آپا! آپ اس طرف نہ دیکھیں، یہ ان کا روز کا معمول ہے، اسٹاپ تک بس کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں، جب میں اپنے محلے میں داخل ہوتی ہوں تو یہ لوگ چلے جاتے ہیں، میں نے انہیں اچھی طرح سے پہچان لیا ہے یہ کوئی نئی کہانی نہیں ہے"۔ وہ دوسری طرف رخ موڑ کر بول رہی تھی تاکہ سامنے کھڑے دو لڑکے جو اس پر نظر رکھے کھڑے تھے نہ دیکھ لیں۔

"ایشل! میں بہت دن سے نوٹ کر رہی ہوں مگر مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ تمہارا پیچھا کر رہے ہیں، میں سمجھتی تھی کہ یہ کسی اور کے چکر میں ہیں"۔

"نہیں مریم آپا! یہ میرا ہی تعاقب کرتے ہیں، میں نے کبھی بھی انہیں سر اٹھا کر نہیں دیکھا"۔

"بس یہیں پر تمہاری غلطی ہے، تمہیں جونہی احساس ہوا تھا تمہیں کسی دن اسٹاپ پر اتر کر پوچھ لینا چاہیے تھا"۔

"نہیں مریم آپا! لوگوں کی بھیڑ لگ جائے گی، ایک منٹ میں اسکینڈل بن جائے گا، دونوں شکل سے غنڈے لگتے ہیں"۔ ایشل رکی تو مریم بولیں۔

"ظاہر ہے شکل سے ہی وہ چور اُچکے لگتے ہیں، لیکن ایشل! یہ تمہاری کمزوری ہے، پہلے ہی دن تمہیں اس بات کا ایکشن لینا چاہیے تھا کہ یہ تمہارا پیچھا کر رہے ہیں، چند لوگ تو دیکھتے کہ یہ غنڈے تمہارا پیچھا کر رہے ہیں"۔

"میں نے خود ایک دن دیکھا کہ یہ کسی اور لڑکی کو بھی چھیڑ رہے تھے، کوئی لڑکا حمایت میں بولا تو اس کے آگے والے نے ٹی ٹی نکال لی تھی، وہ وہیں خاموشی سے مڑ گیا، میں تو اپنے محلے میں اتر کر گلیوں گلیوں سے نکل کر اپنے گھر چلی جاتی ہوں میں تو مڑ کر بھی نہیں دیکھتی، دفعہ کریں کھڑے رہیں"۔ اتنے میں بس میں چڑھ کر دونوں چلی گئی تھیں، پھر بھی ایشل کی نظر بار بار باہر جا رہی تھی، وہ دونوں بائیک پر آگے آگے جا رہے تھے۔

"دیکھا ایشل! دیکھ وہ گئے دونوں"۔

"چھوڑیں ناں مریم آپا! انہیں مت دیکھیں، انہیں شک ہو جائے گا"۔ جونہی وہ اسٹاپ سے اتر کر اندر گلی کے لیے مڑی تو پیچھے سے آنے والی بائیک سے آواز آئی۔

ہم چھین لیں گے تم سے یہ شان بے نیازی
تم مانگتے پھرو گے اپنا غرور ہم سے

دوسرے کی ہنسنے کی آواز آ رہی تھی اور بائیک بہت تیز پاس سے گزر گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

کئی دن کا حبس آج ٹوٹ کر برسا تھا، ہر طرف جل تھل سی ہو رہی تھی، رومی نے ونڈو کھول کر باہر دیکھا کیسی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں سمندر میں گرتی ہوئی بارش نیچے ان نے جھانکا ولید ہاؤس کے لان میں گرتی ہوئی موسلا دھار بارش کو دیکھا تو بے قرار ہو کر کمرے سے نکل آئی، سامنے ہی بالکونی میں کھڑی ہوئی صبا اسے نظر آئی تھیں، وہ بے قراری ہو کر انہی کی طرف آئی۔

"مامی جی! کتنی خوبصورت بارش ہے، چلیں آپ بھی چلیں"۔ وہ نیچے اترتے ہوئے ایک دم بولی تو صبا بولیں۔

"رومی! میں بھی تمہارے ساتھ چلوں، چیپ تو نہیں لگے گا؟"

"یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ یہ تو انجوائے کرنے کی بات ہے، چلیں پلیز چلیں!"

"اور کسی نے دیکھ لیا تو کیا کہے گا، ٹھیک ہے کوئی بولے گا ناں تو میں کہہ دوں گی رومی نے مجھ سے کہا تھا"۔

"جی ضرور بول دیجئے گا شیور"۔ بڑی زوردار گرج کے ساتھ صبا رومی دونوں ایک ساتھ خوف سے لپٹ گئی تھیں۔

"سوچ لو رومی! دل تو ہمیشہ میرا بہت چاہتا تھا لیکن سچ ہمت نہیں پڑتی تھی، ولید اور اماں کے ڈر سے میں نہیں جاتی تھی اور شرم سی بھی آتی تھی"۔

"ارے چھوڑیں آپ اور صرف اپنے دل کی سنیں کہ اس وقت دل کیا کہہ رہا ہے میں تو بہت بے قرار ہوں"۔ وہ جلدی سے کھلے آسمان کے نیچے آ گئی تھی، صبا بھی رومی کی دیکھا دیکھی لان میں اتر آئی تھیں۔

"واؤ! کتنا مزہ آ رہا ہے، لیکن اگر کسی نے دیکھ لیا تو بہت مسئلہ ہوگا"۔ لیکن وہ اوپر سر کیے ہوئے بادلوں کو دیکھ رہی تھی، گرتی ہوئی بارش اس کا چہرہ بھگو رہی تھی، زبیدہ خالہ نے جا کر دادی کو بتایا تھا، زبیدہ، خود دادی بھی بالکنی سے نیچے دیکھ رہی تھیں۔

"دیکھو زبیدہ! صبا میں کتنی تبدیلی لے آئی ہے رومی! ان کے درمیان محبت ہے، سب کچھ کتنا خوبصورت لگ رہا ہے"۔ اندر آتی ہوئی بارش کی بوندوں کو انہوں نے ہاتھ بڑھا کر محسوس کیا تھا۔

"زبیدہ! میں دعا مانگوں اللہ قبول کرتا ہے، اللہ میری رومی کو آباد رکھنا یوں ہی ولید ہاؤس آباد رہے"۔ بے ساختہ انہوں نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی تھی۔

"سنا تو میں نے بھی ہے کہ بارش میں دعا قبول ہوتی ہے"۔ زبیدہ نے بھی دعا مانگی۔

☆.....☆.....☆

"کیا کر رہے ہو اشمل! بند کرو، میں بارش نہیں دیکھ سکتی یُو نو؟" وہ کاریڈور پر اشمل کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی آئی تھی۔

"تم اتنے غور سے کیا دیکھ رہے ہو؟" اشمل کی نظروں کے زاویے پر اس کی آنکھیں لان پر جا ٹکی تھیں۔

"او آئی سی تو تم یہاں رومی کا نظارہ کر رہے ہو؟"

''آف کورس زندگی سے وہ بھرپور ہے تمہاری طرح نہیں کہ ڈرنک، سگریٹ اور دھوئیں میں تم اپنے آپ کو لاسٹ کر چکی ہو''۔

''او مائی گاڈ! یہ تو پھپھو جانی ہیں، سو چیپ، وہ بھی اس لوئر کلاس کی کمپنی میں بیٹھ کر ویسی ہی ہوگئی ہیں''۔

''ارج پلیز! یہ لفظ دوبارہ یوز مت کرنا، لوئر کلاس''۔ منہ بنا کر بولا۔

''کیوں.... تمہیں اچھا نہیں لگا؟''

''آف کورس! جبھی میں بول رہا ہوں''۔

''اشمل! جو سچ ہے وہ سچ تو کہا جائے گا، پھپھو جانی تو اپر کلاس سے تعلق رکھتی ہیں وہ یہ چیپ حرکت نہیں کر سکتیں، یہ پانی جو آسمان سے گر رہا ہے اس میں جراثیم ہوتے ہیں یُونو؟''

''لیکن دادی تو کہتی ہیں یہ اللہ کی رحمت ہے''۔

''اوہ تم ابھی تک میچور ڈ نہیں ہوئے، دادی، مام، پاپ انہی کے اردگرد تم گھوم رہے ہو، اشمل! پلیز بولڈ بننے کی کوشش کرو، یو آر ناٹ آ چائیلڈ، لائف میں میری طرح Independent بننے کی کوشش کرو''۔

''اوف ہو.... ارج! باہر دیکھو، انجوائے کرو یہ زندگی''۔ اس نے ناچتے ہوئے مور کو دیکھا۔

''دیکھو دیکھو ارج! خوشی سے مور بھی ناچ رہا ہے، سارے پرندے دیکھو، کتنے خوبصورت لگ رہے ہیں''۔

''وہ جانور ہیں''۔

''لیکن خوشی کا احساس تو ان میں بھی ہے''۔ اشمل نے اس کے ہاتھ پر چٹکی کاٹی تھی۔

''مجھے یہ سب اچھا نہیں لگتا، چھپ چھپ بارش بکواس۔ یوں لگتا ہے کہ ترسے ہوئے ہیں، ارے جاؤ سوئمنگ کر لو، اور پھپھو جانی کو دیکھو کیسا بڑھاپے میں کود رہی ہیں''۔

''کیوں کیا ان کا دل نہیں ہے؟'' وہ ہنس پڑا اور پھر نیچے جھک کر دیکھنے لگا۔

فائزہ آفس کے ٹیرس سے چلتی ہوئی باہر کھلنے والی بالکنی پر آ گئی تھیں وہ بھی جھک کر اوپر سے رومی اور صبا کو کچھ بول رہی تھیں، لیکن ہوا کے جھونکوں نے اوپر ہی آواز کو روک دیا تھا، رومی دونوں ہاتھ مور کے اسٹائل پر پھیلائے ہوئے ہنسے جا رہی تھی، اس کی نظر اوپر پڑی تو وہ وہیں کہ وہیں ساکت کھڑی رہ گئی، دوپہر کا ایک بج رہا تھا۔

''او مائی گاڈ!'' لیکن اشمل شرٹ پہن کر نیچے بھاگا تھا۔

''مام! میں بھی''۔

''شیور شیور اشمل! انجوائے کرو لائف''۔

''یس مام! مائی لائف''۔ اس نے آہستہ سے بھیگا ہوا رومی کا ہاتھ تھام لیا تھا، بجلی بہت زور سے کڑکی تھی۔

''اشمل....!'' رومی آ کر اشمل سے آ لگی اور صبا رومی پر گری تھیں اور پانی پونچھتے ہوئے سہم کر بولیں۔

''بس بھئی رومی! بہت ہوگیا، میں تو اندر جا رہی ہوں، مجھے بجلی سے بہت ڈر لگتا ہے''۔

''کم آن مام!'' اشمل نے صبا کا ہاتھ تھام لیا تھا اور دوسرے ہاتھ سے وہ رومی کو تھامے ہوئے تھا۔

''میرا ہاتھ چھوڑ وارج دیکھ رہی ہے''۔

''سو واٹ! تم بھی میری بیوی ہو، میں نے سوچ لیا ہے''۔ اس نے ہاتھ کی گرفت اور مضبوط کی۔

''وقت گر گیا''۔ وہ رخ پھیر کر بولی۔

''تو پھر لوٹ کر کیوں آئی ہو؟'' وہ آہستہ سے بولا، صبا ابھی تک اپنے خوف سے نکل نہیں پائی تھیں۔

''بس کچھ دن کی بات ہے''۔ اس کے لب ہلے تھے۔

''کوئی اپنی خودداری کو یوں نہیں توڑتا، مجبوریاں ہوتی ہیں''۔ اس کا ہاتھ کسمسا رہا تھا۔

''وہی تو حیران ہوں''۔ اس کے ہاتھ کی گرفت اور مضبوط ہوگئی، انگلیاں ایک دوسرے سے الجھ گئی تھیں، اوپر ارد گرد کھڑے ہوئے لوگ سب اسے دیکھ رہے تھے اور وہ مزاحمت بھی نہیں کر سکتی تھی۔

''اشمل! میرا ہاتھ چھوڑ دو پلیز!'' وہ اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''اس وقت تمہیں میری ضرورت ہے، تم کڑکتی ہوئی بجلی سے سہم جاتی ہو، یہ میری ذمے داری ہے''۔ اس کی آنکھیں اس کی آنکھوں میں کھب رہی تھیں۔

''کڑکتی ہوئی بجلی سے خوف آنا عین فطرت کے مطابق ہے''۔

''اور دل جو دھڑکتا ہے؟'' اشمل کی گرے آنکھیں اس کے چہرے پر ٹھہر گئی تھیں۔

''دل کی آواز بے معنی ہے، اس میں کوئی صداقت نہیں ہوتی''۔ وہ سر جھکا گئی۔

''تبھی تم ولید ہاؤس لوٹ آئی ہو، یہ دل نہیں تو اور کیا تھا؟'' وہ پانی میں شرابور لہجے میں بولا۔

''یہ خوف اور پشیمانی تھی کہ یہاں سے نکلنے کے بعد بدنامی کا کوئی ٹھپہ نہ لگ جائے''۔

''کس بات کی پشیمانی؟ میں سوری تو کہہ چکا ہوں، جب تک تم مجھے دل سے معاف نہیں کرو گی، میں یہ محبت کا رشتہ نہیں توڑ سکوں گا، تمہیں مجھ سے زیادہ میرے دل کی خبر ہے''۔ ٹھوڑی سے پانی بہہ رہا تھا۔

''کیمسٹری اب الٹ چکی ہے، مجھے تمہارے دل کی اب کوئی خبر نہیں ہے''۔ وہ گھبرا کر صبا کو دیکھنے لگی، صبا اٹھ کر کرسی پر بیٹھ گئی تھیں۔

''لیکن مجھے تو ہے، یوں بلا مقصد تم لوٹ کر نہیں آئی ہو، میرا بی ہیو کتنا غلط تھا تمہارے ساتھ، پھر بھی تم لوٹ آئیں، آئی کانٹ بلیو اٹ''۔ اشمل نے گول گول رومی کو گھسیٹ کر چکر دیا اور ہاتھ چھوڑتے ہوئے بولا۔

''اتنی بار تو سوری بول چکا ہوں، شرمندہ ہوں، گلٹ فیل کرتا ہوں، جو چاہے سزا دو''۔

''لیکن مجھے کوئی گلٹ نہیں، میں نے تمہیں بہ ہوش و حواس سچے دل سے قبول کیا تھا، سچ بات تو یہ ہے کہ تم پشیمان اور شرمندہ اس لیے ہو کہ میں تمہاری بیوی نہیں ہوں''۔

نہیں، نہیں کل بھی اور آج بھی مجھے احساس ہے کہ تم شرعی طور پر میری بیوی ہو''۔

''پھر بھی چھوڑیں میرا ہاتھ''۔ اس نے اپنا ہاتھ گھسیٹ کر الگ کر لیا تھا کوئی بھی ان کے بیچ ہونے والی گفتگو نہ سن سکا تھا، آہستہ آہستہ بارش تھم چکی تھی، اشمل اپنے بھیگے ہوئے بالوں کو جھاڑ رہا تھا، رومی نے اپنا بڑا سا دوپٹہ پانی سے نچوڑ کر اپنے کندھوں پر پھیلا لیا۔

''سچ تو یہ ہے کہ بہت مزہ آیا، لیکن صرف رومی کی وجہ سے، ورنہ میری تو ہمت ہی نہیں پڑی تھی''۔ صبا نے اشمل کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

☆.....☆.....☆

بارش تو تھم چکی تھی صبا بھیگے ہوئے کپڑوں کو نچوڑتی ہوئی اپنے روم میں چلی گئی تھیں، روی کچھ اندر سے عجیب سا فیل کر رہی تھی، چکر آیا تو وہ ریلنگ کے سہارے اوپر جانے والے زینے پر رک گئی، اشمل آگے آگے اور اس کے پیچھے ایزل دوڑتی ہوئی چل رہی تھی، مڑ کر اس نے میاؤں کر کے روی کی طرف دیکھا تو اشمل بھی پلٹ کر دیکھنے پر مجبور ہوا تھا وہ جلدی سے دو چار زینے اتر کر آ گیا تھا۔

''آر یو او کے؟'' تو اس نے سر کو ہلا دیا کہ ہاں میں ٹھیک ہوں، اشمل جھینپی جھینپی نظروں سے اسے دیکھ کر آگے بڑھا اور اس نے آگے بڑھ کر ایزل کو اپنی گود میں اٹھا لیا۔ میاؤں میاؤں کر کے وہ اشمل کے سینے میں چھپنے کی کوشش کر رہی تھی، ارج نے بڑی بوریت سے ونڈو پر لگے ہوئے مرروال کی کرٹن کو کھینچ دیا تھا، بند کمرے میں وہ ایزی چیئر پر بیٹھی لمبے لمبے کش لینے لگی، ہلکے ہلکے دھوئیں اور تمباکو کی خوشبو پھیلنے لگی تبھی اشمل نے ہینڈل پر ہاتھ رکھا اور اندر آیا۔

''اشمل! واپس جاؤ، ابھی اور اسی وقت تم یہاں سے''۔ ارج اس کے بھیگے ہوئے کپڑے اور اس کے بازو میں لپٹی ہوئی ایزل کو برداشت نہ کر سکی وہ مذاق کے انداز میں ارج کو ڈرانے کے لیے آگے بڑھا تو وہ پیچھے ہٹتے ہوئے چیخ پڑی۔

''پلیز اشمل! تم سب کچھ جانتے ہو، جاؤ تم اس وقت بھیگے کپڑے اور یہ میاؤں میاؤں عجیب سی اسمیل آ رہی ہے پلیز اشمل! جاؤ یہاں سے، پلیز اشمل! یہ سب میں نہیں برداشت کر سکتی، لیومی الون''۔ بری طرح چیخنے لگی، ایزل کود کر زمین پر اتری تو ارج نے ٹیبل سے ایش ٹرے اٹھالی۔

''میں اس کو مار دوں گی اشمل! تم باہر نکلو''۔ اشمل اس کے پاگل پن پر ہنستے جا رہا تھا

''او کے او کے''۔ اس نے ایزل کو اٹھا کر کمرے سے باہر نکالا، اشمل کو کھانسی کا شدید دورہ پڑا تھا۔

''دیکھا.... یہ موسم کی انجوائے منٹ بلیوں سے تمہیں الرجی ہے مگر تمہیں یہ بات سمجھ نہیں آتی''۔

''ایسا کچھ نہیں ہے''۔ ایک دم سے کھانسی کا اٹیک ہوا تو اشمل صوفے پر ٹک گیا۔

''جاؤ ناں چینج کرو کپڑے، تمہارے پاس سے اسمیل آ رہی ہے''۔ دھوئیں اور بھیگے ہوئے کپڑوں کی ایک عجیب سی اسمیل تھی۔

''اف مائی گاڈ!'' بار بار دھوئیں سے تنگ آ کر اس نے اسپلٹ آن کر دیا تھا، بھیگے کپڑے اور ٹھنڈی ہوا نے اشمل کو بالکل نڈھال سا کر دیا، وہ کھانستے کھانستے صوفے سے اٹھ کر بیڈ پر بیٹھا، گلاس اٹھا کر وہ پانی لینا چاہ رہا تھا کہ نڈھال ہو کر وہ تکیہ اٹھا کر جھک گیا تو منہ سے سرخ سرخ خون بہہ کر چادر پر گرنے لگا، اشمل خود خوفزدہ ہو کر ہاتھ سے اپنے خون کو دیکھنے لگا۔

''اوہ نو.... اشمل! تمہارے منہ سے خون آ رہا ہے کیا تم بیمار ہو، کیا تمہیں ٹی۔ بی ہے؟'' لیکن وہ ہاتھ اٹھا کر صرف اشارہ کر سکا کہ تم چپ کر جاؤ، اشمل کی کھانسی رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی، ہاتھ میں پکڑے سیل سے اس نے جلدی سے صبا سے کانٹیکٹ کیا تھا۔

''پھپھو جانی! جلدی آئیں''۔

''اشمل....!'' صبا اسے دیکھ کر زور سے چیخ کر اس سے لپٹ گئی تھیں۔

''کیا ہوا میرے بیٹا! یہ خون کیسا ہے؟'' وہ بھی حیرانگی سے دیکھ کر چپ ہو گئی تھیں۔

''اوہ مائی گاڈ فائزہ!'' انہوں نے جلدی سے فائزہ کو فون کیا تھا۔

''فائزہ! اشمل کی طبیعت ٹھیک نہیں، جلدی کروا سے ہاسپٹل لے کر جانا ہے''۔ ولید ہاؤس میں جنگل کی طرح ایک منٹ میں یہ خبر پھیل گئی تھی کہ اشمل ولید شدید بیمار ہے، روی بھی جب بھاگ کر نیچے پہنچی اشمل کو سب نیچے لے آئے تھے، دادی اور سارے ملازمین سب باہر آ گئے تھے۔

''اوہ.... سب سے پہلے اشمل کے کپڑے چینج ہونے چاہئیں مامی!'' روی جلدی جلدی ٹاول سے اس کا سر پونچھ رہی تھی زبیدہ خالہ بھاگ کر اس کی شرٹ لائی تھیں۔

''اشمل! پلیز''۔ روی سب کچھ بھول کر ٹاول سے اس کا چہرہ اس کے بال اور جسم پونچھ رہی تھی، کھانسی کچھ تھم گئی صبا نے ایک نظر روی کو دیکھا اور پھر پلٹ کر ارج کو دیکھا جو آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اسی جانب آ رہی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں، میں خود چلا جاؤں گا ڈاکٹر کے پاس''۔ اشمل بولا تو صبا تڑپ کر بولیں۔

''میرے بیٹے! تم ٹھیک نہیں ہو، یہ سب کیا ہے اشمل؟'' گاڑی اندر تک چلی آئی تھی صبا جلدی سے اشمل کے ساتھ بیٹھتے ہوئے بولیں۔

روی پلیز! تم میرے ساتھ چلو''۔ روی بھاگتی ہوئی گاڑی میں بیٹھی تھی۔

''ڈرائیور! ہمیں قریبی ہاسپٹل میں پہنچا دیں، ایمرجنسی ہے اس کے بعد ہم ڈیسائیڈ کریں گے کہ ہم کہاں جائیں؟'' اشمل نے نڈھال سی آنکھوں سے روی کے الفاظ پر نظر ڈالی جو حواس باختہ سی اشمل کے قریب میں بیٹھی ہوئی تھی، کھانسی تو رک چکی تھی لیکن تشویش کی بات تھی کہ ایسا کیوں ہوا۔ اسے ہاسپٹل میں ایڈمٹ کر لیا گیا تھا۔ فائزہ اور ولید دوسرے آفس کے لوگ اشمل کی دیکھ بھال کے لیے کام کر رہے تھے، پھر جلد ہی اسے دوسرے ہاسپٹل شفٹ کر دیا گیا تھا۔ روی چیخنے چلانے کے بجائے بڑی خاموشی سے جائے نماز پر دعا کے لیے بیٹھی تھی صبا بالکل اس کے قریب آ کر بیٹھ گئیں، آنسو تھے کہ بے اختیار بہہ نکلے۔

''روی! میرے بیٹے کے لیے تم دعا کرو، وہ ٹھیک ہو جائے، لائبہ اور اشمل میری زندگی ہیں، لائبہ مجھ سے نفرت کرتی ہے کہ میں نے اس کے باپ کو چھوڑ کر شادی کر لی''۔ ان کے آنسو تواتر سے بہہ رہے تھے۔

''میں نے کبھی کسی کا برا نہیں چاہا''۔ سیل کے بیپ پر صبا نے سیل کو دیکھا تو ارج کی کال تھی۔

''پھپھو جانی! آپ لوگ کہاں ہو اور اب اشمل کیسا ہے؟'' جواب میں صبا کی سانس رک سی گئی تھی۔

''ابھی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے، فائزہ اور حسیب اور ولید کا ڈاکٹر رحمٰن آ چکے ہیں مجھے کچھ نہیں معلوم''۔

''پھپھو جانی! آپ لوگوں کو گئے ہوئے بہت دیر ہو گئی، میں یہاں باہر ٹیرس پر بیٹھی ہوں۔ آپ کمرے کی صفائی کروا دیں''۔

''تم زبیدہ سے بات کرو، میں یہاں بہت بزی ہوں''۔ انہوں نے فون کاٹ دیا تھا۔

(جاری ہے.....)

☆.....☆.....☆

رابعہ خان

آخری قسط

مکمل ناول

تم کو چاہا ہے تمہی کو چاہیں گے

''میرا دل نہیں چاہتا کہ میں اپنے گھر کے کسی بھی فرد سے بات کروں، انہیں دیکھنے کی مجھے ذرا سی بھی خواہش نہیں ہوتی، میرے دل پر ان کے آنسو، ان کی تکلیف، ان لوگوں کی خوشیاں، غم کچھ بھی اثر انداز نہیں ہوتے، مجھے لگتا ہے

نوٹ: رِدّا کی کوئی ویب سائٹ نہیں ہے، جو بھی رِدّا کو بلا اجازت کسی بھی ویب سائٹ پر اپ لوڈ کرے گا ادارہ اس کے کے خلاف قانونی چارہ جوئی اور ایسے لوگوں کے خلاف کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت ایف۔ آئی۔ آر۔ درج کروانے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

میرے دل پر برف کی ایک بھاری سل جم گئی ہے، جس نے مجھ سے میرا ہر احساس چھین کر مجھے بے حس بنا دیا ہے اور ان سب کے لیے وہ لوگ ذمے دار ہیں، اور جب وہ میرے سامنے آتی ہے تو میرا دل چاہتا ہے ساری دنیا کو آگ لگا دوں، اسے دیکھتے ہی دل میں نئے سرے سے طوفان اُٹھنے لگتے ہیں، اس کے کہے گئے الفاظ میرے کانوں میں آگ کے شعلے بن کر گونجتے ہیں، دل چاہتا ہے دنیا کی ہر ایک شے کو تہس نہس کر دوں اور خود کو بھی ختم کر لوں، مرنا چاہتا تھا، مگر وہ جو مجھے آج تک مات دیتی آئی ہیں، انہوں نے مجھے یہاں بھی ہرا دیا، میں جینا نہیں چاہتا تھا، مگر انہوں نے مجھے مرنے بھی نہ دیا''۔ وہ آسیہ بیگم کو ہمیشہ ایسے ہی مخاطب کرتا تھا، ایک عرصہ بیت گیا تھا کہ اس نے آسیہ بیگم کو ماں کہنا چھوڑ دیا تھا،

بولتے بولتے حلق میں نمکین پانی اترنے لگا تو اس نے اپنا سر جواد کے گھٹنوں پر رکھ دیا اور خاموش ہو گیا، مگر اس کی آنکھیں پانی کے ذریعے دل کا درد بہار ہی تھیں، وہ 26 سال کا لمبا چوڑا اکڑیل جوان سا مرد جواد کے گھٹنوں پر سر رکھے ہچکیوں سے رو رہا تھا، اس کی تکلیف پر جواد کی آنکھیں بھی بھر آئیں، جواد نے اسے نیچے سے اٹھا کر اپنے برابر بٹھایا تھا اور بھینچ کر گلے لگا لیا، یہاں تک کہ اس کی ہچکیوں میں کمی آتے آتے بالکل بند ہو گئی تھیں، جواد نے اسے آہستہ سے الگ کر کے اس کے گالوں پر بہتے آنسوؤں کو صاف کیا تھا، اور ٹیبل سے پانی کا گلاس اٹھا کر اسے پانی پلایا تھا، جسے بلال نے ایک ہی سانس میں خالی کر دیا تھا۔

''میں تیری ہر تکلیف، ہر درد اور تیری آنکھوں میں چھپی ہر محرومی کا گواہ ہوں بلال! تیرے ہر لمحے کی اذیت کا گواہ ہوں، تُو نے 26 سال کیسے تڑپتے ہوئے گزارے ہیں میرے دل پر ہر وہ لمحہ نقش ہے، میں تجھے دوست نہیں سمجھتا بلال! تُو میرا بھائی ہے اور تجھے اسی ناطے سمجھا رہا ہوں کہ جو کچھ بھی ہوا اسے بھلانے کی کوشش کرو، جانتا ہوں بھلا دو کہنا جتنا آسان ہے بھول جانا اتنا ہی مشکل ہے، لیکن تم کوشش کرو گے تو وقت کی گرد تمہاری اذیتوں پر آہستہ آہستہ جمنے لگے گی، دیکھو بلال! ایک وقت تھا کہ تم اپنی ماں کی محبت بھری ایک نظر کے لیے تڑپتے تھے اور آج وہ بھی تمہاری ایک التفات بھری نظر کی منتظر رہتی ہیں، کل کو اگر تمہارا دامن ان کی ممتا سے خالی تھا، تو آج ان کی جھولی بھی تمہاری محبت سے خالی ہے، ایک وقت تھا جب تم ان کے منہ سے بیٹا سننے کے لیے تڑپتے تھے، تو آج ان کے کان تمہارے منہ سے ماں سننے کو ترستے ہیں، کل کو وہ بے حسی کے خول میں جکڑی ہوئی تھیں، تو آج تیرے دل پر بے حسی کی برف کی دبیز تہہ جمی ہے، انہیں تو خود اوپر والے نے سزا دے دی، تو پھر تُو کیوں ایسا کر رہا ہے، اب بس کر دے میرے یار! بہت سزا کاٹ لی اور بہت سزا دے دی اپنی اور اپنی ماں دونوں کی اس ان دیکھی سزا اور نفرت کو ختم کر دو، جو بیت گیا وہ ماضی بن گیا، لیکن آنے والا کل تیرے اپنے ہاتھ میں ہے، جسے تُو محبت کے دھاگوں سے پرو کر لمحہ لمحہ یادگار بنا سکتا ہے، آنے والے وقت سے ایک ایک پل میں ہزاروں خوشیاں کشید کر سکتا ہے، بس میرے یار! ایک دفعہ اپنی آنکھوں سے نفرت کی پٹی اتار کر تو دیکھو، تمہیں اپنے اردگرد محبت ہی محبت نظر آئے گی، معاف کر دے اپنی ماں کو بلال! تُو اسے میری التجا سمجھ لے یا دوستی کا مان، مگر اب اس خود ساختہ نفرت کو ختم کر دے، کیونکہ میں تجھے صرف اور صرف خوش دیکھنا چاہتا ہوں''۔ وہ آنکھوں میں آس و امید لیے بلال کو دیکھنے لگا، جو یک ٹک بنا پلکیں جھپکائے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''کیا تم اس بارے میں سوچ سکتے ہو؟'' جواد نے ساکت بیٹھے بلال کو ہلایا۔

''ہاں''۔ بے اختیار ہی اس کے منہ سے ہاں نکل گیا اور سر اثبات میں ہل گیا، وہ خود حیران رہ گیا اپنی بے اختیاری پر۔

''گڈ بوائے''۔ جواد نے مارے خوشی کے اس کا ماتھا چوم لیا۔

''ہٹو پرے بے ہودہ انسان!'' وہ جھینپ کر اسے پیچھے کی طرف دھکا دے کر بولا تھا اور جواد بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس پڑا تھا۔

''او کے، میں اب چلتا ہوں اور تم بھی نکلو گھر جانے کے لیے''۔ وہ اپنی پینٹ جھاڑتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''ایک بات اور مانو گے؟'' وہ جاتے جاتے دوبارہ پلٹا تھا، بلال نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''ایک لڑکی جو تمہیں بہت پیار کرتی ہے، تم سے محبت کرتی ہے جو لڑکی تمہارے حوالے سے میرے لیے عزیز ترین ہے، اس کے بارے میں بھی سوچنا بلال! اس کی سزا بھی ختم کر دو، ایک غلط فہمی کی اور سزا مت دو، ورنہ وہ تمہاری بے رخی جھیل نہ پائے گی، مر جائے گی وہ تمہاری بے رخی سے، کیونکہ وہ تم سے بہت محبت کرتی ہے''۔ کہتے کے ساتھ ہی وہ دروازہ کھول کر نکلتا چلا گیا اور بلال نے آنکھیں بند کر کے تھکے تھکے سے انداز میں سر صوفے کی بیک سے ٹکا دیا، تو بند آنکھوں تلے دو آنکھیں آنسوؤں سے بھری چھم سے آ سمائیں، اس نے فوراً آنکھیں کھول دیں اور ایک گہرا سانس لیتا ٹیبل سے کی رنگ اور موبائل اٹھا کر آفس سے نکل آیا۔

☆..........☆..........☆

وہ جس وقت گھر میں داخل ہوا، گھڑی 9 بجا رہی تھی، ڈائننگ روم سے ہلکی پھلکی باتوں کی آواز آ رہی تھی، وہ اپنے کمرے میں جانے کے بجائے نجانے کیوں ڈائننگ روم کی طرف چلا آیا، لیکن اندر جانے کے بجائے دروازے پر ہی رک گیا، ڈائننگ ٹیبل پر سب ہی موجود تھے اور ہلکی پھلکی باتوں میں مصروف تھے، شاید کھانا کھانے جا رہے تھے وہ اپنے کسی قدر الجھے بکھرے ذہن کے ساتھ وہیں کھڑا رہ گیا۔

''جواد تو کہتا ہے کہ سب کو مجھ سے بہت محبت ہے، سب مجھ سے پیار کرتے ہیں، میری کمی کو محسوس کرتے ہیں، لیکن وہ جھوٹ بولتا ہے، ایسا تو کچھ بھی نہیں ہے، میرے بغیر بھی سب خوش ہیں، کسی کو میری ضرورت نہیں ہے، ان سب کے درمیان ایک میں ہی ہوں جو ان فٹ ہوں اور جواد! صرف میری وجہ سے یوں کہہ رہا ہے، ورنہ حقیقت وہی ہے جو پچھلے 26 سالوں پر محیط ہے''۔ وہ اپنی سوچوں میں الجھا اسی طرح اپنے الجھے ذہن کے ساتھ واپس پلٹنے لگا تھا کہ اپنے پیچھے سالک کی آواز نے اس کے قدم روک لیے، مگر وہ پلٹا نہیں، وہیں کھڑے ہو کر ذرا سی گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

''کہاں جا رہے ہو، ہم سب تمہارا ہی ویٹ کر رہے تھے کھانے پر، آج کھانا ہم سب کے ساتھ بیٹھ کر کھا لو''۔ سالک نے بڑے نرم میٹھے لہجے میں اسے کہا تھا، وہ بنا کوئی جواب دیئے خاموشی سے آ کر دلاور علی شاہ کے برابر والی واحد خالی پڑی کرسی پر بیٹھ گیا، آسیہ بیگم نے بے اختیار ہی اس کی پلیٹ میں چاول ڈال کر اس کے سامنے رکھے، وہ خاموشی سے بنا کسی کی جانب دیکھے چمچے سے چاول کھانے لگا، زینب اس کے بالکل سامنے والی کرسی پر بیٹھی پہلو پر پہلو بدل رہی تھی، مگر وہ صرف اپنی سامنے رکھی پلیٹ کی جانب متوجہ تھا۔

''بلال بیٹا! کھانا کھا کر آپ اسٹڈی میں آ جانا، آپ سے کچھ ضروری بات کرنی ہے''۔ دلاور علی شاہ نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے اپنی کرسی سے اٹھ کر بولتے ڈائننگ روم سے چلے گئے۔

☆..........☆..........☆

اسٹڈی روم کا دروازہ ہلکے سے ناک ہوا تھا اور اسٹڈی روم میں مطالعے میں مشغول دلاور علی شاہ نے جان لیا تھا کہ باہر کون ہے۔

''آ جاؤ بلال!'' انہوں نے کتاب ایک سائیڈ پر رکھ کر اسے اندر آنے کی اجازت دی تھی وہ دروازے کو دھیرے سے کھولتا اندر آیا اور ان کے قدموں میں نیچے کارپٹ پر بیٹھ گیا۔

''کچھ کام تھا بابا جانی؟'' ان کے قدموں میں بیٹھا نظریں جھکائے اداس و الجھے تاثرات کے ساتھ وہ پوچھ رہا تھا،

دلاور علی شاہ کو بے ساختہ اپنے اس خوبرو بیٹے پر ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔

''کیا میں اپنے بیٹے کو بنا کسی کام کے اپنے پاس نہیں بلا سکتا؟'' انہوں نے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا، وہ اسی طرح خاموش نظریں جھکائے بیٹھا رہا، کچھ پل یوں ہی خاموشی کی نظر ہو گئے، آخر کار اس ذومعنی خاموشی کو دلاور علی شاہ کی مدھم مگر سنجیدہ آواز نے توڑا تھا۔

''آج صبح سے آپ کہاں تھے؟'' انہوں نے بلا تمہید اس سے سوال کیا، اس نے ایک نظر ان کے حد سے زیادہ سنجیدہ چہرے پر ڈالی اور پھر نظر جھکا گیا۔

''میں آفس میں تھا''۔

''تو پھر گھر میں سے کسی کی بھی کال ریسیو کیوں نہیں کر رہے تھے؟'' ان کے سوال کا فی الحال اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا، تو وہ خاموش رہا۔

''آپ جانتے ہو گھر میں سب کس قدر پریشان ہو رہے تھے اور آپ کال ریسیو نہیں کر رہے تھے، اگر جواد ہمیں نہ بتاتا تو ہم یوں ہی آپ کے لیے پریشان ہوتے رہتے، ہمیں تو پتہ ہی نہیں چلتا کہ آپ کہاں ہو، کس حال میں ہو، آپ کو شاید معلوم نہ ہو کہ آپ کی وجہ سے آج آپ کی ماں کی کتنی سیریس کنڈیشن ہو گئی تھی، ٹینشن کی وجہ سے ان کا بی پی شوٹ کر گیا تھا، اگر وہ اسی طرح ٹینشن لیتی رہیں اور ٹینشن کی وجہ سے ان کا بی پی شوٹ کرتا رہا تو آپ جانتے ہیں ان کی نس بھی پھٹ سکتی ہے اور آپ کی ماں کی موت بھی.....!''

''پلیز بابا جانی! چپ کر جائیں''۔ اس نے سرعت سے اپنا ہاتھ ان کے لبوں پر رکھ دیا تھا، اس کے لہجے میں واضح محسوس کی جانے والی تڑپ تھی، اس کا چہرہ پل بھر کو متغیر ہوا تھا، دلاور علی شاہ نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا، جہاں ایک رنگ سا آ کر گزر گیا تھا اور ایک لمبی سانس ہوا میں خارج کی تھی۔

''دیکھو بیٹا! اب تک آپ کے ساتھ جو بھی آپ کی ماں کی طرف سے غلطیاں ہوئی ہیں وہ ناقابل تلافی ہیں، آپ کی ماں نے آپ کے ساتھ جو بھی زیادتیاں کیں وہ ان پر بہت شرمندہ ہیں، آپ سے معافی بھی مانگنا چاہتی ہیں، مگر آپ کا سامنا نہیں کر پاتیں''۔

''ایک بات بتائیے بابا جانی! کیا ان کے شرمندہ ہونے سے میرے وہ ماہ و سال واپس آ سکتے ہیں جو میں نے ان کی ممتا کی گرمی کے بغیر گزار دیئے، کیا وہ میرے ان آنسوؤں کا مداوا کر سکتی ہیں جو میں نے ان کی نفرت کو سہتے ہوئے ان کی بے رخی پر بہائے ہیں، جب میں نے ان کی محبت کے بغیر رہنا سیکھ لیا ہے تو پھر اب وہ کیوں میرے وجود کو تباہ کرنا چاہتی ہیں، مجھے اب ان کی محبت کی کوئی ضرورت نہیں ہے''۔ اس کی خوبصورت براؤن آنکھیں لبالب پانیوں سے بھرنے لگی تھیں، چہرہ شدت ضبط سے سرخ ہو گیا تھا اور آواز اندر ہی کہیں گھٹ کر رہ گئی تھی، تو وہ چپ ہو کر پلکیں جھپک جھپک کر آنسو اپنے اندر اتارنے لگا، دلاور علی شاہ نے پوری شدت کے ساتھ اپنے بیٹے کی تکلیف کو محسوس کیا تھا۔

بیٹا! جو ہوا وہ بھول جاؤ، جو گزر گیا وہ ماضی تھا، کیا آج آپ کے لیے اتنا کافی نہیں ہے کہ آپ کی ماں پچھتاووں میں گھری ہے، اپنے کیے پر شرمندہ ہے اور ویسے بھی بیٹا! سزا دینے والے سے زیادہ معاف کرنے والا اللہ کو پسند ہے، بیٹا! تھوڑا سا اپنے ظرف کو بڑا کرو گے دل میں کشادگی پیدا کرو گے، تو سب کچھ بہت آسان لگے گا اور میں نہیں چاہتا کہ

جس طرح آج آپ کی ماں پچھتا رہی ہیں، کل کو آپ بھی انہی پچھتاووں میں گھر جاؤ، اور بیٹا! ایک کے کیے کی سزا پورے گھر کو دینا کہاں کا انصاف ہے؟ آپ کا بھائی اور بہن وہ دونوں تو آپ سے بہت محبت کرتے ہیں، لیکن آپ اپنے بھائی کا ہمیشہ دل دکھاتے آئے ہو، غلطیاں آپ کی ماں نے کی ہیں اور سزا ماں کے ساتھ بھائی کو دینا کہاں کا انصاف ہے؟'' انہوں نے نرم اور میٹھے لہجے میں بلال کو اس کی غلطیاں گنوائی تھیں، وہ خاموش نظر جھکا کر بیٹھا رہا۔

''او کے بیٹا! بہت رات ہو گئی ہے، آپ جا کر آرام کرو، میں بھی بس اب آرام کروں گا''۔ انہوں نے ایک نظر گھڑی پر ڈال کر کہا۔

''او کے بابا جانی! گڈ نائٹ!'' وہ بالوں پر ہاتھ پھیرتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''گڈ نائٹ مائی سن!'' انہوں نے بھی جواباً اس کا ہاتھ گرمجوشی سے دبا کر چھوڑ دیا، وہ اسٹڈی روم کا دروازہ کھول کر باہر نکل رہا تھا کہ دلاور علی شاہ کی آواز نے اس کے قدموں کو روکا تھا۔

''بلال بیٹا! میری کہی گئی باتوں کو ٹھنڈے دل سے سوچیئے گا ضرور''۔ وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہے تھے، وہ خاموشی سے دروازہ پار کر گیا۔

''بلال شاہ! اگر تم میرے بیٹے ہو تو میں بھی تمہارا باپ دلاور علی شاہ ہوں، تم کیسے سیدھے ہو سکتے ہو، یہ راز بھی میں نے پالیا ہے، اور آج میں نے وہ تیر پھینکا ہے جو یقیناً نشانے پر لگے گا''۔ دلاور علی شاہ خود کو داد دیتے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے۔

☆.....☆.....☆

وہ ایک بہت ویران اور سنسان جگہ تھی جہاں چاروں طرف صرف اندھیرا تھا اور وہ جس جگہ کھڑا تھا، اس سے تھوڑے فاصلے پر ایک بہت اونچی ڈھلوان بنی ہوئی تھی جو اندھیرے کے باعث بہت غور سے دیکھنے پر نظر آ رہی تھی اور اسے وہاں کسی انسانی ہیولے کا گمان گزر رہا تھا کہ اسی وقت اس کی سماعتوں سے آسیہ بیگم کی آواز ٹکرائی تھی، جو وہاں کھڑی اسے زور زور سے آوازیں دے رہی تھیں۔

''بلال! میرے بیٹے، مجھے معاف کر دو، بلال! میں مرنے کے بعد بھی چین اور ضمیر پر بوجھ لے کر مرنا نہیں چاہتی، اگر تم نے مجھے معاف نہیں کیا تو مرنے کے بعد بھی میرے دل پر بوجھ رہے گا، میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں بلال! مجھے معاف کر دو''۔ وہ زور زور سے رو کر اس کے سامنے ہاتھ جوڑے کہہ رہی تھیں مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا اچانک آسیہ بیگم کی زوردار چیخ سنائی دی اور وہ اس ڈھلان سے گرتی چلی گئیں، ایک دم اس کی آنکھ کھل گئی تھی، آنکھ کھلتے ہی اسے احساس ہوا تھا کہ اس کا تنفس بہت تیز چل رہا تھا اور اس کا سارا وجود پسینے سے شرابور تھا، وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا اور سائٹ لیمپ آن کیا تھا، اس کا ہاتھ بے اختیار اپنی آنکھوں پر گیا تو اسے آنکھوں میں گیلے پن کا احساس ہوا، گھڑی پر نگاہ ڈالی جو رات کے تین بجا رہی تھی۔

''یا اللہ! اتنا بھیانک خواب''۔ اسے خواب کے یاد آتے ہی جھرجھری سی آ گئی۔

''یا اللہ! انہیں سلامت رکھنا''۔ بے اختیار ہی اس کے دل سے دعا نکل گئی، پانی کا جگ خالی تھا وہ پانی پینے کے ارادے سے کچن میں گیا، پانی پی کر اپنے کمرے میں آنے کے بجائے بے اختیار ہی وہ آسیہ بیگم کے بیڈ روم کے سامنے

آرکا تھا اور پھر خود اپنے آپ پر حیران ہوا تھا۔

''یہ مجھے کیا ہو رہا ہے؟'' وہ سر جھٹکتا واپس اپنے کمرے میں آکر اپنے بیڈ پر گرنے کے سے انداز میں لیٹ گیا اور سر جھٹک کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔

☆.....☆.....☆

صبح کو حسب معمول روز کی طرح ہی ہنگامہ خیز ماحول تھا، پلوشہ اور زینب کچن میں ناشتہ بنانے میں مصروف تھیں اور باقی سب ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے ناشتہ کرنے میں مصروف تھے، آسیہ بیگم سب کو اپنے ہاتھوں سے ناشتہ سرو کر رہی تھیں، وہ بھی خاموشی کے ساتھ سالک کے برابر والی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا، سب نے پل بھر کو حیران نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور پھر اپنی پلیٹوں کی جانب متوجہ ہو گئے۔

''بلال بیٹا! آپ کیا لو گے؟'' سعدیہ بیگم نے خاموشی سے بیٹھتے بلال کو متوجہ کیا۔

''صرف ایک کپ چائے دے دیں''۔ انہیں جواب دے کر دوبارہ سے سر جھکا گیا۔

''بیٹا! تھوڑا سا کچھ کھالو، خالی پیٹ چائے نہیں پیتے''۔ آسیہ بیگم دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر بے اختیاری میں کہہ بیٹھی تھیں، لمحہ بھر کو جھکی نظریں اٹھا کر ان کی جانب دیکھا تھا اور پھر سامنے رکھے سلائس میں سے ایک سلائس پر جیم لگا کر کھانے لگا، اتنے میں پلوشہ نے گرما گرم چائے کا کپ اس کے آگے لا کر رکھا تھا، وہ خاموشی سے گھونٹ گھونٹ کر کے چائے پینے لگا اور سب کے سینوں میں کب کی اٹکی سانس بحال ہوئی تھی، ورنہ بلال.....اور آسیہ بیگم کی بات رکھ لے ناممکن تھا، چائے ختم کر کے وہ بنا کسی کی جانب دیکھے خدا حافظ کہتا ہوا اپنی گاڑی کی چابیاں اور سیل اٹھا کر چلا گیا۔

''سعدیہ! آج نجانے کتنے عرصے بعد میرے بیٹے نے میری بات کا مان رکھا ہے، تم نہیں جان سکتیں میرے دل کی کیا حالت ہے''۔ آنکھوں میں آنسو لیے وہ کانپتی آواز سے کہہ رہی تھیں۔

''وہ تو ہمیں پتہ چل رہا ہے، آپ نے اپنی خوشی میں میرا اور سالک کا ناشتہ گول کر دیا ہے''۔ دلاور علی شاہ نے خوشدلی سے کہتے ان کی توجہ بانٹی تھی۔

''تو آپ خود ہاٹ پاٹ سے لے لیتے، بچے تھوڑی ہیں''۔ انہوں نے اپنی جھینپ مٹائی تھی۔

''او کے امی! میں چلتا ہوں''۔ سالک ہنستے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

''سالک بیٹا! ناشتہ کر کے جاؤ، خالی پیٹ گھر سے مت جاؤ''۔

''نہیں امی! آفس میں ہی کچھ کھالوں گا، مجھے دیر ہو رہی ہے''۔ دلاور علی شاہ بھی سالک کے ساتھ ہی اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور دونوں خدا حافظ کہتے آگے پیچھے چلے گئے۔

☆.....☆.....☆

آدھی سے زیادہ رات بیت چکی تھی، مگر اس کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی، اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی وہ صاف شفاف سیاہ آسمان پر چاندنی بکھیرتے چاند کو بڑی محویت سے دیکھ رہی تھی، ٹھنڈی ٹھنڈی سی ہوا اس کے نازک چہرے سے ٹکرا کر واپس پلٹ جاتی تھی۔

''کاش.....کہ آپ میری محبت، میری وفا پر یقین کر سکتے، آپ کی آنکھوں میں نفرت کی جگہ پیار نظر آتا، تلخی اور

کڑواہٹ کی جگہ نرم گرم سا محبت بھرا تاثر ہوتا، اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میری زندگی اس ایک غلط فہمی کے بے رحم شکنجے میں قید ہو کر اتنی مشکل ہو جائے گی، تو میں کبھی اس فنکشن کے کسی پلے میں کوئی حصہ نہیں لیتی، نجانے کب سے مجھے شدید خواہش تھی کہ کبھی آپ مجھ سے محبت کا اقرار کریں اور دیکھیں دعا قبول ہوئی بھی تو کیسے کہ جب محبت کا اقرار کیا، تو ساتھ نفرت کا اظہار بھی، زندگی پہلے تو کبھی اتنی مشکل نہیں لگی تھی، جتنی کہ اب لگنے لگی ہے، کیا محبت صرف درد کا نام ہے، محبت میں صرف درد ہی ملتا ہے، محبت کرنے والے اتنے سنگدل تو نہیں ہوتے، جتنے کے آپ ہیں''۔ یکا یک اس کی غزالی آنکھوں میں نمکین پانی بھرنے لگا تھا، دل میں درد کا احساس دوچند ہوا تھا، آنسو گالوں پر کسی بن بلائے مہمان کی طرح لڑھکتے چلے آئے تھے، وہ یوں ہی چاند پر نظریں جمائے کتنی ہی دیر کھڑی رہی تھی۔

''کاش.....کہ مجھے کبھی اس سنگدل انسان سے محبت نہ ہوتی''۔ پورچ میں گاڑی آکر رکی تھی اور اس کی خود ساختہ سوچوں کا سلسلہ بھی ٹوٹا تھا، اس نے مدھم سی روشنی میں نیچے پورچ میں دیکھا تو وہی سنگدل جسے وہ ابھی کچھ دیر پہلے یاد کر رہی تھی، گاڑی لاک کر کے اندر کی طرف جا رہا تھا، وہ کھڑکی پر پردے برابر کرتی کھڑکی سے ہٹ گئی اور لائٹ آف کر کے سونے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔

☆.....☆.....☆

وہ فریش ہو کر واش روم سے تولیے سے سر رگڑتا باہر نکلا تھا، گھڑی پر نظر پڑی تو وہ رات کے سوا تین بجا رہی تھی، وہ تولیہ ایک طرف پھیلاتا بیڈ پر آکر لیٹ گیا، تھکن سے اس کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا، آج سارا دن آفس میں بڑا مصروف گزرا تھا، اور پھر شام میں ایک فارن ڈیلی گیشن سے میٹنگ تھی، وہ میٹنگ بھگتا کر واپس آرہا تھا کہ راستے میں اسے ایک زخمی آدمی سڑک کے بیچ پڑا نظر آیا، وہ گاڑی روک کر گاڑی سے اترا تھا، اور اس اجنبی کی طرف آیا، تو دیکھا وہ کافی زیادہ زخمی تھا اور بری طرح کراہ رہا تھا، اس نے اسے سہارا دے کر گاڑی میں بٹھایا اور سیدھا ہاسپٹل لے کر آیا تھا، اس کو ایڈمٹ کروا کر اس کے گھر والوں کو اطلاع دے کر وہ اس وقت تک ہاسپٹل میں رکا تھا جب تک کہ اس کے گھر والے نہیں آگئے تھے، اسے ٹائم گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا، وہ تو شکر ہوا کہ دلاور علی شاہ کو کال کر کے اپنے دیر سے آنے کے متعلق انفارم کر دیا تھا، اس لیے سب کو تسلی تھی، اسے گھر پہنچتے پہنچتے تین بج گئے تھے، وہ گاڑی سے نکل رہا تھا کہ نظر اس دشمن جاں کے کمرے کی جانب اٹھ گئی اور بالکل مدھم روشنی میں بھی وہ اسے پہچان سکتا تھا اور دیکھ سکتا تھا، اس کی نظر پڑتے ہی وہ کھڑکی سے ہٹ گئی تھی۔

''آدھی رات بیت چکی ہے تو پھر وہ کیوں اس وقت جاگ رہی ہے؟'' اس کی ذہنی رو یک دم زینب کی طرف بھٹکی تھی، دل تھوڑا بے چین ہوا تھا مگر پھر وہ سر جھٹک کر منہ پر تکیہ رکھے آنکھیں بند کر گیا اور کچھ ہی دیر میں نیند کی دیوی اس پر مہربان ہو گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

صبح اس کی آنکھ دیر سے کھلی تھی، اس نے مندی مندی آنکھوں سے کلاک کی جانب دیکھا، جو صبح کے دس بجنے کا اعلان کر رہی تھی، وہ جلدی سے اٹھا اور فریش ہونے واش روم میں گھس گیا، دس سے پندرہ منٹ میں تیار ہو کر وہ نیچے آیا تو گھر میں خلاف توقع بڑی گھمبیر سی خاموشی چھائی ہوئی تھی، معمول کے مطابق آسیہ بیگم بھی اپنی جگہ پر موجود نہ تھیں، وہ

سیدھا کچن میں چلا آیا جہاں زینب خاموشی سے برتن دھونے میں مصروف تھی، اور پلوشہ چولہے پر رکھی دیگچی پر نظریں جمائے نجانے کون سی سوچوں میں غلطاں اردگرد سے بے خبر کھڑی تھی، اس نے ایک نظر دونوں پر ڈالی اور پھر پلوشہ کو آواز دی تھی وہ کچھ چونک کر اس کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔

''وشی! کیا بات ہے، اور تمہیں کیا ہوا ہے؟'' بلال نے اس کی سوجی اور سرخ آنکھوں کو دیکھ کر فکرمندی سے پوچھا، وہ یک دم آ کر اس کے ساتھ لگی، آنسو بہانے لگی تھی، وہ اس کے اس طرح ری ایکٹ کرنے پر تھوڑا سا گھبرایا۔

''وشی گڑیا! اس طرح کیوں رو رہی ہو، کیا ہوا ہے؟'' اسے خود سے الگ کرتا اس کے آنسو صاف کرتا وہ اسے اپنا وہی بچپن والا بہت زیادہ محبت اور خیال رکھنے والا بھائی لگا تھا، اس کی آنکھیں مزید تیزی سے بھیگنے لگی تھیں۔

''بھائی! امی جی کی بہت طبیعت خراب ہے''۔ بھیگی آنکھوں اور رندھی آواز کے ساتھ بولی۔

''انہیں کیا ہوا ہے؟'' بے ساختہ اس کے لبوں سے نکلا تھا اور دل یک دم بے چین ہونے لگا۔

''اچانک سے صبح کے وقت ان کی بہت طبیعت خراب ہوگئی تھی، ان کا سانس اچانک اکھڑنے لگا تھا، اور بی پی بھی شوٹ کر گیا تھا، ڈاکٹر نے کہا ہے کہ انہیں کوئی ذہنی ٹینشن ہے اور اگر یہ اسی طرح ٹینشن لیتی رہیں تو.....!'' آگے اس سے بولا نہیں گیا تھا تو وہ سر جھکا کر اپنے آنسو ضبط کرنے لگی تھی۔

''اتنا کچھ ہوا اور تم لوگوں نے مجھے کچھ بھی بتانے کی زحمت گوارا نہیں کی''۔ وہ ایک دم سے ہی بھڑک اٹھا، پلوشہ نے ایک ناراض سی نظر اپنے خود بروبھائی پر ڈالی اور پھر نگاہوں کا زاویہ بدل گئی۔

''بابا نے منع کیا تھا کہ آپ رات کو کافی لیٹ گھر آئے تھے اور آپ تھکے ہوئے ہیں، اس لیے آپ کو پریشان نہ کریں اور ویسے بھی بھائی! آپ کو کیا فرق پڑتا ہے، آپ تو ان سے نفرت کرتے ہیں تو پھر ہم لوگ آپ کو کیوں پریشان کرتے؟'' اس کے بھڑکنے پر پلوشہ کا ضبط بھی ٹوٹ گیا تھا۔ اس کے ہزاروں دفعہ کے کہے گئے الفاظ اس کے سامنے دہرائے تھے، اس کے اس طرح حقیقت بیان کرنے سے وہ یک دم چپ سا ہوگیا تھا، اور پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا کچن سے نکلتا چلا گیا، پلوشہ نے بھی ایک نظر ساکت کھڑی زینب پر ڈالی اور پھر وہ بھی کچن سے نکلتی چلی گئی۔

☆.....☆.....☆

کمرے کے دروازے پر لمحہ بھر کو اس کا ہاتھ لرزا تھا، پھر وہ ہینڈل گھما تا دروازہ کھول کر آہستہ سے کمرے کے اندر داخل ہوگیا، کمرے میں بھاری پردے پڑے ہوئے تھے، جس کی وجہ سے کمرے میں اندھیرا تھا، نیلے رنگ کی مدھم سی روشنی سارے کمرے میں پھیلی ہوئی تھی، وہ آج پہلی بار ان کے بیڈروم میں آیا تھا، وہ سیدھا بیڈ کی طرف چلا آیا جہاں وہ سینے تک نرم سا بلینکٹ اوڑھے سو رہی تھیں، وہ آہستہ سے بیڈ پر بیٹھ کر بے اختیار ان کے سوئے ہوئے چہرے کو دیکھے گیا، بے ساختہ اس کی خوبصورت براؤن آنکھوں میں آنسو تسبیح کے دانوں کی طرح جمع ہونے لگے، اور پھر گالوں پر سے پھسلتے ہوئے آسیہ بیگم کے ہاتھ کی پشت پر جمع ہونے لگے، بیٹے کی محبت ان کے ہاتھ پر نمکین پانی میں ڈھل کر جمع ہو رہی تھی، اس کا لرزتا ہوا ہاتھ بے اختیار ان کے چہرے تک گیا تھا اور شاید محبت کی تپش میں ڈوبے اس لمس سے پٹ سے ان کی آنکھیں کھلی تھیں، اور پھر سامنے جو چہرہ نظر آیا تھا، وہ لمحہ بھر کو ساکت رہ گئی تھیں، انہیں لگا شاید وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہیں، ان کے بالکل قریب آنسو سے بھیگا چہرہ لیے وہ بے شک بلال ہی تھا، ان کا وہ بیٹا جو ان سے بے انتہا

نفرت کرتا تھا، وہ آج ان کی بیماری پر ان کے سامنے بیٹھا آنسو بہا رہا تھا، وہ فوراً اٹھ کر بیٹھی تھیں اور اس کا چہرہ اپنے کانپتے لرزتے ہاتھوں میں لیا تھا، اور نجانے اس کے دل کو کیا ہوا تھا ان کے کندھے پر سر رکھے وہ ہچکیوں سے رونے لگا تھا۔

''آپ نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا، مجھے ہی اپنی ممتا سے محروم کیوں رکھا، اگر میں بدصورت تھا تو اس میں میرا کیا قصور، آپ نے میری بدصورتی کی سزا مجھے کیوں دی؟ امی جی!'' وہ ہچکیوں سے روتا اپنے 26 سال کے ہر لمحے کی اذیت کو بیان کر رہا تھا اور شاید نجانے کتنے عرصے بعد اس کے لبوں سے لفظ ماں نکلا تھا، آسیہ بیگم بنا کچھ کہے اسے خود میں بھینچے اسے محسوس کر رہی تھیں، آنسو بڑی خاموشی سے اس کے کندھے کو گیلا کر رہے تھے۔

''مجھے معاف کر دے بیٹا! اگر تم اپنی ماں کے لیے تڑپے ہو تو میں بھی تڑپی ہوں، تمہاری یہ گناہ گار ماں اپنی کی گئی ہر نادانی و زیادتی کے لیے تم سے معافی مانگتی ہے، تمہاری آنکھوں میں نظر آتی نفرت نے مجھے اندر سے کھوکھلا کر دیا ہے، اگر تمہاری ماں نے تمہارے ساتھ ناانصافی کی ہے، تمہیں ناکردہ گناہ کی سزا دی تھی تو تمہاری ماں نے بھی اپنے کیے کی سزا بھگتی ہے، مجھے معاف کر دو بلال!'' وہ کپکپاتی آواز سے اسے خود میں سموئے اپنے کیے گئے گناہ کی معافی مانگ رہی تھیں، واش روم کے دروازے پر کب سے سعدیہ ساکت کھڑی رہ گئی تھیں اور کمرے میں داخل ہوتی پلوشہ اور زینب بھی وہیں کسی پتھر کے مجسمے کی طرح کھڑی تھیں۔

''بس کرو بیٹا! ایسے نہیں روتے، اور پھر دیکھو بھابی کی طبیعت خراب ہو جائے گی''۔ سعدیہ بیگم نے دونوں کو الگ کرتے نرمی سے بلال کے آنسو صاف کرتے پیار سے کہا، آسیہ بیگم بھی آنسو صاف کرنے لگیں۔

''تم دونوں وہاں کیوں کھڑی ہو، یہاں آؤ میرے پاس''۔ آسیہ بیگم کی نظر بیڈروم کے دروازے پر پڑی جہاں وہ دونوں کھڑی تھیں، پلوشہ بھاگ کر آئی تھی اور شدت جذبات سے بلال کے گال پر بوسہ دیتی آسیہ بیگم کے گلے لگی، بھیگی آنکھوں سے مسکرائی تھی جبکہ زینب نظر جھکائے خاموشی سے بیٹھی ہاتھوں کو ایک دوسرے سے الجھائے بے چین تھی۔

☆.....☆.....☆

اگلی صبح شاہ پیلس میں بڑی پررونق اور ہنگامہ خیز تھی، ڈائننگ روم میں سب موجود بڑے خوشگوار موڈ میں ناشتہ کر رہے تھے، آسیہ بیگم کی ساری توجہ برابر میں بیٹھے بلال پر تھی جسے وہ اپنے ہاتھوں سے نوالے بنا بنا کر کھلا رہی تھیں، باقی سب کے چہروں پر دبی دبی سی مسکان رقصاں تھی، ان کے ہاتھ سے نوالہ لیتے بلال کی غیر ارادی نگاہ اٹھی تھی اور سب کو ہاتھ روکے اپنی جانب متوجہ دیکھ کر وہ ایک دم سے جھینپ گیا۔

''بس کریں امی جی! میرا پیٹ بھر گیا ہے، بالکل گنجائش نہیں ہے''۔ ان کے ہاتھ سے آخری نوالہ منہ میں رکھتے انہیں مزید نوالہ بنانے سے روکا تھا۔

''ابھی کھایا ہی کیا ہے، اور پیٹ بھر گیا؟'' انہوں نے محبت سے ڈپٹ کر کہا تھا۔

''ہاں، ہاں بلال! امی جی ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہیں، ابھی تو صرف تم نے دو پراٹھے کھائے ہیں، ابھی تو پورا ہاٹ پاٹ باقی ہے اور وہ سب تمہیں ہی تو کھانا ہے''۔ سالک نے سنجیدہ چہرے اور شرارت سے جگمگاتی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ اس کے کمنٹس پاس کرنے پر آسیہ بیگم نے بھی ایک نظر ڈائننگ ٹیبل پر موجود تمام افراد پر ڈالی اور پھر

خود ہی جھینپ سی گئیں، کیونکہ سب کی پلیٹیں خالی تھیں وہ کچھ شرمندہ سی رہ گئیں۔

''بیگم صاحبہ! یہ غلط بات ہے، بیٹے کی محبت میں آپ ہم سب کو تو بھول گئیں''۔ دلاور علی شاہ نے شکوہ کناں لہجے میں کہا تھا، اور آسیہ بیگم کے گھور کر دیکھنے پر سب ہی قہقہہ لگا کر ہنس پڑے تھے۔

☆.....☆.....☆

وہ گھر میں داخل ہوا تو ڈرائنگ روم سے ہنسنے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں، وہ سیدھا ڈرائنگ روم میں ہی چلا آیا، اور ایک طائرانہ نگاہ پورے ڈرائنگ روم پر ڈالی جہاں جواد اپنے پیرنٹس کے ساتھ بیٹھا خوش گپیوں میں مصروف تھا، سامنے ٹیبل پر کھانے پینے کے لوازمات موجود تھے اور ساتھ ہی بڑا سا مٹھائی کا ڈبہ بھی رکھا تھا، وہ بھی آ کر سب کو سلام کرتا جواد کے برابر میں بیٹھ گیا، جواد نے اسے خوشدلی کے ساتھ مسکرا کر دیکھا، مگر بلال کے خونخوار انداز میں گھور کر دیکھنے پر دوبارہ سے رخ سالک کی طرف موڑ دیا۔

''بھئی بلال! تم بڑے اچھے وقت پر آئے ہو، اس وقت تمہارا موجود ہونا بھی بہت ضروری تھا''۔ دلاور علی شاہ نے سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھا۔

''کیوں بابا جانی! خیریت؟'' اس نے ذرا متفکر سے انداز میں انہیں دیکھا۔

''یہ جواد کیسا لڑکا ہے؟'' انہوں نے ہاتھ سے جواد کی سمت اشارہ کرتے بلال کو از حد سنجیدگی سے دیکھا۔

''میں کچھ سمجھا نہیں بابا جانی!'' وہ ایک نظر جواد پر ڈالتا الجھے انداز میں دلاور علی شاہ کو دیکھتا ہوا بولا۔

''بھئی لڑکے کا چال چلن کیسا ہے، عادت واطوار میں کیسا ہے، کماؤ پوت ہے یا نہیں؟'' انہوں نے اسی سنجیدگی سے اپنی بات جاری رکھی تھی۔

''آپ ایسے کیوں بول رہے ہیں بابا جانی! جواد کیسا ہے اس کے بارے میں آپ مجھ سے زیادہ اچھی طرح جانتے ہیں''۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ جواد میرا داماد بن سکتا ہے؟'' دلاور علی شاہ نے بڑی سنجیدگی سے اس کے سر پر بم پھوڑا تھا، سب کے چہروں پر دبی دبی مسکراہٹ موجود تھی، بلال کو حقیقتاً جھٹکا لگا تھا۔

''بس کریں بہت ہو گیا مذاق''۔ اس سے پہلے کہ اسے مزید پریشان کیا جاتا آسیہ بیگم نے فوراً ٹوک دیا۔

''بلال! خلیل بھائی اور بھابی جواد کے لیے پلوشہ کا ہاتھ مانگنے آئے ہیں، اور اب تم فائنل کرو کہ جواب ہاں میں ہو یا نہ میں؟'' بیچ میں سالک نے ٹکڑا لگایا تھا۔

''تو پھر فوراً ہاں کر دیں''۔ بلال نے کہتے کے ساتھ ہی مٹھائی کے ڈبے سے ایک گلاب جامن جواد کے منہ میں ٹھونس دیا تھا، اور باقی سب آپس میں ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے تھے۔

''تُو ذرا میرے کمرے میں چل''۔ سب اپنی اپنی باتوں میں مصروف تھے جب سب کی نظر بچا کر بلال نے جواد کے کان میں سرگوشی کی تھی، مگر وہ سن کر بھی ان سنی کر گیا تھا، جانتا تھا شامت منتظر ہے، تین چار بار بولنے پر بھی جب جواد ٹس سے مس نہ ہوا تو اس کا ضبط جواب دے گیا، کھڑے ہو کر بآواز جواد کو مخاطب کیا تھا۔

''جواد! ذرا میرے کمرے میں چلو، کچھ ضروری کام ہے''۔ سب ان کی جانب متوجہ ہو چکے تھے اور ناچار جواد کو اس

کے پیچھے جانا پڑا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ جوں ہی کمرے میں گھسا پیچھے سے دروازہ لاک ہو گیا تھا، اس نے پیچھے گھوم کر دیکھا دروازے کو لاک کر کے وہ اسے بڑی خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا، وہ چھلانگ لگا کر بیڈ کے دوسرے کنارے پر پہنچ گیا۔

''دیکھ بلال! میری بات سن لے''۔ اسے گھورتے اور اپنی جانب بڑھتے دیکھ کر جواد نے حواس باختہ ہو کر کہا۔

''دیکھ بلال! میں تجھے بتانے ہی والا تھا''۔ اب وہ بیڈ سے کود کر ڈریسنگ ٹیبل کے پاس کھڑا تھا، لیکن کب تک بچاؤ کرتا، بالآخر بلال نے اسے گریبان سے پکڑ کر گھسیٹ کر اپنے سامنے کھڑا کیا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا ایک زوردار تھپڑ نے جواد کو ساکت کر دیا تھا۔

''خبیث انسان، تجھے میں ہی ملا تھا بے وقوف بنانے کے لیے، ابھی تو کوئی دل کو بھائی نہیں، جب کوئی ہو گی تو پہلے خبر تم تک پہنچ جائے گی، ایک نمبر کا جھوٹا اور دھوکے باز انسان ہے تُو، صبح سے نجانے کتنی کالز کر چکا ہوں، میسج کر کر کے میری انگلیاں ٹوٹ گئیں، ریپلائی کرتے انگلیاں گھس رہی تھیں؟ میں وہاں پریشان ہوتا رہا اور خود یہاں صاحبزادے اپنا پرپوزل لے کر میرے گھر میں بیٹھے دانت نکال رہے ہیں''۔ اس کے اس طرح لڑاکا عورتوں کی طرح لڑنے پر جواد کے منہ سے ہنسی کا فوارہ پھوٹ پڑا تھا۔

''ارے یار! ریپلائی یوں نہیں کیا کہ تجھے سرپرائز دینا چاہتا تھا، اور تجھے بے وقوف ہرگز نہیں بنایا تھا، حقیقتاً کوئی دل کو نہیں بھائی تھی، اور جب بھائی تو فوراً اپنے نام کروالیا اور خبر بھی پہلے تجھ تک ہی پہنچی''۔

''مائنڈ اٹ، تُو میری بہن کے بارے میں بات کر رہا ہے''۔ اس نے انگلی سے وارن کیا۔

''یو مائنڈ اٹ، میں تو اپنی فیانسی کے بارے میں بات کر رہا ہوں''۔ اور پھر دونوں ہنستے ہوئے بغلگیر ہو گئے تھے۔

''آئی ایم سو ہیپی جواد! کہ میری بہن کو تجھ جیسا ہمسفر ملے گا''۔ وہ اسے گلے لگائے بولا۔

''اور میں بھی کہ مجھے پلوشہ کا ساتھ نصیب ہو گا''۔

☆.....☆.....☆

شاہ پیلس میں آج کل پلوشہ کی شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں، کیونکہ جواد کی طرف سے منگنی وغیرہ کو چھوڑ کر ڈائریکٹ شادی کی ڈیٹ فکس ہونے پر زور دیا گیا تھا، خلیل واحدی اور ان کی بیگم کو اپنے گھر میں بہو لے کر جانے کی کچھ زیادہ ہی جلدی تھی، تو اس لیے دو مہینے بعد شادی کی ڈیٹ فکس کر دی گئی تھی اور اب تو روزانہ بازاروں کے چکر لگ رہے تھے اور ڈھیروں ڈھیر شاپنگ ہو رہی تھی، آسیہ بیگم تو پلوشہ کے ساتھ سالک کی بھی شادی کرنا چاہ رہی تھیں، مگر اس نے فی الحال منع کر دیا تھا کہ وہ فی الحال ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا، ہاں منگنی ضرور کی جا سکتی ہے اور ساتھ ہی اپنی پسند سے بھی آگاہ کر دیا تھا، جس پر آسیہ بیگم اور گھر کے باقی افراد کو ذرا بھی اعتراض نہ ہوا تھا۔

سامنے والے زاہد صاحب کی مریم کا نام سالک کے منہ سے سن کر سب کے چہروں پر مسکراہٹ رینگ گئی تھی کہ آسیہ بیگم سالک کے لیے زاہد صاحب کی مریم کو ہی سوچے ہوئے تھیں، مگر زبان سے اس لیے نہیں کہا کہ کہیں بلال کی طرح وہ سالک کے ساتھ بھی انجانے میں زیادتی نہ کر جائیں، اگلے دن سالک کا رشتہ زاہد صاحب کے گھر لے کر آسیہ

بیگم، سعدیہ بیگم دلاور علی شاہ موجود تھے اور ان سے ہاں کہلوا کر ہی وہاں سے اٹھے تھے۔

''سعدیہ! ہمارے سالک کے ساتھ مریم ماشاء اللہ سے بہت خوبصورت لگے گی''۔ انہوں نے تصور میں سالک اور مریم کو ساتھ کھڑے دیکھ کر کہا۔

''بالکل بھابی! ماشاء اللہ دونوں کی جوڑی چاند سورج کی جوڑی لگے گی''۔ سعدیہ بیگم نے دل سے کہا۔

☆.....☆.....☆

دلاور علی شاہ کمرے میں داخل ہوئے تو اپنی شریک حیات کو سوچوں میں گم پایا، وہ اپنی سوچوں میں اس حد تک گم تھیں کہ انہیں دلاور علی شاہ کے آنے کا بھی پتہ نہ چل سکا، وہ آہستہ سے چلتے ہوئے آ کر ان کے سامنے بیڈ پر بیٹھ گئے اور کھنگار کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا، وہ ان کے کھنگارنے پر اپنی سوچوں سے چونک کر ان کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔

''ایسا کیا سوچا جا رہا ہے بیگم صاحبہ! کہ اردگرد سے بالکل غافل ہیں آپ؟'' انہوں نے مسکراتے ہوئے ان کے پر سوچ چہرے کو دیکھا۔

''نہیں، کچھ خاص نہیں''۔ وہ ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گئیں۔

''بیگم! اتنے سالوں کی رفاقت کے بعد اتنا تو ہم آپ کو جانتے ہی ہیں کہ آپ کچھ بہت خاص سوچ رہی تھیں، مگر ہمیں بتانے سے گریز برت رہی ہیں''۔ دلاور علی شاہ نے پوری سنجیدگی سے انہیں دیکھا اور وہ ان کے درست اندازہ لگانے پر انہیں دیکھ کر چپ سی ہو گئیں۔

''مگر خیر، آپ بتانا نہیں چاہتیں تو کوئی بات نہیں''۔ وہ ہلکے پھلکے انداز میں کہتے ان کے پاس سے اٹھنے لگے کہ انہوں نے ان کا ہاتھ تھام کر انہیں اٹھنے سے روک دیا۔

''ایسی بات نہیں ہے، آپ کو نہیں بتاؤں گی تو کس کو بتاؤں گی؟ لیکن میری خود کی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ جو میں سوچ رہی ہوں وہ صحیح ہے یا غلط؟'' وہ خود اپنے آپ سے الجھی ہوئی تھیں۔

''آپ جو بھی سوچ رہی ہیں وہ مجھ سے شیئر کریں، پھر دیکھتے ہیں کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے''۔ انہوں نے ان کا حوصلہ بڑھایا تھا۔

''میں سوچ رہی تھی کہ پلوشہ کی شادی کے ساتھ ہی سالک کی بھی شادی کر دیں، لیکن اس نے منگنی پر ٹال دیا اور میں بھی اس معاملے میں اس کے ساتھ زبردستی کرنا نہیں چاہتی، کیونکہ جانتی ہوں اگر میں اسے کہوں گی تو وہ میرے کہنے پر شادی کر لے گا، مگر میں چاہتی ہوں شادی کا فیصلہ وہ خود سے جیسا اسے ٹھیک لگتا ہے، وہ ویسا کرے، اگر وہ سال دو سال بعد شادی کرنا چاہتا ہے تو یوں ہی سہی، لیکن میرے دل میں بلال کی طرف سے ایک خیال آیا ہے، مگر نجانے صحیح ہے یا غلط؟'' وہ اب بھی کہنے سے ہچکچا رہی تھیں۔

''اب بولیں تو سہی پھر فیصلہ ہوگا کہ آپ کا خیال صحیح ہے یا غلط''۔ وہ پوری سنجیدگی اور توجہ کے ساتھ ان کی بات سن رہے تھے۔

''شاہ جی! ہم پلوشہ کی شادی کے ساتھ بلال کی شادی کر دیتے ہیں، بلال بھی اب ماشاء اللہ شادی کے لائق ہے''۔ انہوں نے اپنے دل کی بات اپنے شوہر کو کہہ دی۔

''خیال تو بالکل ٹھیک ہے، مگر لڑکی کہاں سے آئے گی، وہ بھی ارجنٹ''۔ دلاور علی شاہ نے خوشدلی سے اپنی شریک حیات کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''لڑکی گھر میں موجود ہے، شاہ جی!'' انہوں نے لڑکی کا مسئلہ منٹوں میں حل کر دیا۔

''کون زینب؟'' دلاور علی شاہ کچھ چونک کر ان کی طرف دیکھنے لگے۔

''جی بالکل، میں زینب کی بات کر رہی ہوں، میں نہیں چاہتی کہ وہ کہیں باہر جائے، بچپن سے ساتھ رہی ہے، میں چاہتی ہوں وہ ہمیشہ ہمارے ساتھ رہے اور ایک بات اور بھی ہے''۔

''وہ بات بھی جلدی سے کہہ دیجئے''۔ دلاور علی شاہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

''مجھے لگتا ہے بلال اور زینب بھی ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں''۔

''اچھا تو پھر یوں کرتے ہیں، سعدیہ سے بات کر کے پلوشہ کے ساتھ بلال کی بھی شادی کر دیتے ہیں''۔

''مگر میں چاہتی ہوں سعدیہ سے بات کرنے سے پہلے آپ ایک مرتبہ بلال سے اس کی مرضی ضرور پوچھ لیں، اگر وہ راضی ہو تو ٹھیک ہے ورنہ جیسے اللہ کی مرضی''۔

''تو چلو ابھی چل کر پوچھ لیتے ہیں''۔ دلاور علی شاہ کھڑے ہوتے ہوئے بولے۔

''ابھی.... اس وقت؟'' انہوں نے ان کی توجہ گھڑی کی طرف مبذول کرائی جو رات کے سوا گیارہ بجنے کا اعلان کر رہی تھی۔

''ہاں بھئی! ابھی.... اور آپ فکر نہ کریں، آپ کے صاحبزادے جاگ رہے ہوں گے''۔

''میں نہیں، ہم دونوں چل کر بات کریں گے''۔ کہنے کے ساتھ ہی وہ ان کا ہاتھ تھام کر بلال کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

''یس!'' ایک نظر گھڑی پر ڈال کر اس نے دستک دینے والے کو اندر آنے کی اجازت دی تھی، مگر سامنے آسیہ بیگم اور دلاور علی شاہ کو دیکھ کر وہ کچھ حیران سا انہیں دیکھنے لگا۔

''کیا ہو رہا ہے برخوردار!'' انہوں نے اس کے برابر جگہ بناتے ہوئے مسکرا کر پوچھا۔

''کچھ خاص نہیں بابا جانی! مجھے نیند نہیں آ رہی تھی تو سوچا کچھ پڑھ لیا جائے''۔ بک کو سائیڈ ٹیبل پر رکھتے اس نے دونوں کو دیکھا تھا۔

''سب خیریت تو ہے ناں، آپ دونوں اس وقت میرے کمرے میں؟'' اس سے صبر نہیں ہوا تو پوچھ لیا۔

''کیوں بھئی! اس وقت ہم دونوں کیا آپ کے کمرے میں نہیں آ سکتے؟'' دلاور علی شاہ نے مصنوعی ناراضی سے بیٹے کو دیکھا۔

''نہیں، وہ میرا یہ مطلب نہیں تھا''۔ وہ گھبرا کر جلدی سے بول پڑا۔

''بلال بیٹا! آپ کی ماں آپ سے کچھ بات کرنا چاہتی ہیں''۔ انہوں نے بلاتمہید بات کا آغاز کیا، ان کی طوطا چشمی پر آسیہ جز بز ہوتی رخ پھیر گئی تھیں۔

''بولیے امی جی! کیا بات ہے؟'' وہ ان کی طرف پوری طرح متوجہ تھا۔

''بیٹا! میں چاہتی تھی کہ پلوشہ کے ساتھ سالک کی بھی شادی کر دیتی، مگر وہ ابھی راضی نہیں ہے، تو میں چاہتی ہوں کہ پلوشہ کے ساتھ آپ کی شادی کر دیں، لیکن اگر آپ کی مرضی ہو آپ راضی ہوں تو ہماری طرف سے کوئی زبردستی نہیں ہے، بس میرے دل میں ایک خیال آیا تو کہہ دیا''۔ انہوں نے وضاحت سے صفائی دی تھی، وہ ایک لمحے کو چپ سا ہو گیا اور آسیہ بیگم کی طرف دیکھا، ان کی آنکھوں میں آس وامید کے دیے بہت مدھم سے تھے۔

''میری شادی کے لیے ایک عدد لڑکی کی بھی چاہیے ہوگی امی جی!'' وہ ہنستے ہوئے ہلکے پھلکے لہجے میں بولا تھا۔

''اگر تمہیں کوئی پسند ہے تو بتا دو''۔ انہوں نے پہلے اس کی پسند کو جاننا چاہا۔

''نہیں میری کوئی پسند نہیں ہے''۔ کچھ پل کی خاموشی کے بعد وہ سپاٹ لہجے میں بولا تھا۔

''تو پھر تم اپنی ماں کی پسند کی ہوئی لڑکی سے شادی کر لو، زندگی بھر خوش رہو گے''۔ اس سے پہلے کہ آسیہ بیگم کچھ بولتیں، دلاور علی شاہ نے پرمزاح انداز میں بیٹے کو مشورے سے نوازا تھا۔

''آپ تو چپ رہیے''۔ انہوں نے اپنے مجازی خدا کو گھور کر دیکھا۔

''او کے ہم چپ ہو جاتے ہیں''۔ وہ منہ پر انگلی رکھتے ہوئے ہنسے تھے۔

''امی جی! بابا جانی بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں''۔

''پہلے یہ تو سن لو کہ میں نے جس لڑکی کو تمہارے لیے پسند کیا ہے وہ کون ہے کیسی ہے؟''

''اگر آپ نے پسند کیا ہے تو ٹھیک ہی ہوگی''۔ وہ کچھ بیزاری سے بولا تھا۔

''سن لو بلال! میں نے زینب کو تمہارے لیے پسند کیا ہے، مجھے شروع سے تمہارے لیے زینب پسند رہی ہے، مگر اس طرح کے حالات رہے کہ میں کبھی تم سے اپنے دل کی بات نہ کہہ سکی، لیکن آج جب قدرت کی طرف سے موقع ملا ہے تو میں نے سوچا ایک دفعہ ضرور تم سے بات کر کے دیکھوں، باقی جو میرے خدا کی مرضی، دیکھو بیٹا! اگر تم دل سے راضی ہو تو ٹھیک ہے، ورنہ ضروری نہیں ہے، میری خواہش ہے یہ سمجھ کر خود کو کسی سمجھوتے پر راضی مت کرنا''۔ انہوں نے پوری سنجیدگی سے بیٹے کو دیکھا تھا، اس نے ایک نظر آسیہ بیگم کے چہرے پر ڈالی تھی اور لمحے میں فیصلہ ہو گیا تھا۔

''امی جی! مجھے آپ کی پسند پر کوئی اعتراض نہیں ہے''۔ اس نے دل کو ڈپٹ کر خاموش کروایا تھا، اس کے اقرار پر آسیہ بیگم کے چہرے پر ڈھیروں گلاب کھل گئے تھے۔

''خوش رہو میرے بچے!'' وہ مسرت وخوشی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ اس کے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے بولیں۔

''او کے مائی سن! اب آپ آرام کرو، ہم بھی اب چلتے ہیں''۔ دلاور علی شاہ اٹھتے ہوئے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے بولے اور آگے پیچھے دونوں باہر نکل گئے تھے۔

''میری خوشی کا کیا ہے آپ نے آج پہلی بار مجھ سے اپنے لیے کوئی خوشی مانگی ہے، تو انکار کیسے کرتا؟'' وہ اپنے خالی ہوتے دل اور سن ہوتے دماغ کے ساتھ سوچتا بیڈ پر گر سا گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

زینب نے سنا تو کسی پتھر کے مجسمے کی مانند ہی ساکت اپنی جگہ پر بیٹھی رہ گئی، سعدیہ بیگم کے چہرے سے خوشی پھوٹی پڑ

رہی تھی۔

''آپ نہیں جان سکتیں بیٹا! مجھے کتنی خوشی ہو رہی ہے، میں اتنی خوش ہوں کہ لفظوں میں بیان ہی نہیں کر سکتی، بھائی اور بھابی نے بلال کے لیے تمہارا ہاتھ مانگا ہے، مجھے تو لمحہ بھر کو یقین ہی نہ ہو سکا، میرے دل میں نجانے کب سے پلتی خواہش کو ان لوگوں نے زبان دی ہے، میں تو بہت خوش ہوں اور میں نے تو اسی وقت ہاں کر دی''۔ ان کی خوبصورت آنکھوں میں نمی جھلملا رہی تھی۔

''کیا بات ہے زینب! آپ اتنی چپ اور الجھی ہوئی کیوں ہو؟'' بولتے بولتے اچانک انہیں احساس ہوا تھا کہ وہ بالکل خاموش سپاٹ چہرہ لیے انہیں تک رہی تھی۔

''نہیں کچھ نہیں''۔ گہری سانس لیتی نظروں کا زاویہ بدل گئی۔

''زینب! اگر تمہیں کوئی اعتراض ہے تو مجھے بتا دو بیٹا! میں منع کر دوں گی، بھائی بھابی کو برا نہیں لگے گا''۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے، میں صرف اتنا چاہتی ہوں آپ لوگ پہلے بلال بھائی سے تو پوچھ لیں''۔

''ارے پگلی، پہلے تو اس کی مرضی معلوم کی ہے اور اس کی مرضی سے ہی بات کی ہے، مجھ سے بھابی نے''۔ انہوں نے اس کی پیشانی سے بال سمیٹتے ہوئے پیار سے اسے دیکھا۔

''تم اپنی مرضی بتاؤ، تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں ہے ناں؟'' انہوں نے ایک مرتبہ پھر اس سے پوچھا تھا۔

''نہیں جیسے آپ کو ٹھیک لگتا ہے، ویسا ہی کریں''۔

''جیتی رہو میری بچی! خوش رہو''۔ وہ اس کی پیشانی پر بوسہ دیتیں کمرے سے چلی گئیں اور پیچھے وہ اپنی سوچوں میں الجھی رہ گئی کہ بلال نے کیسے اس کے ساتھ شادی کے لیے رضامندی دے دی، جبکہ وہ تو اس کی شکل دیکھنا پسند نہیں کرتا، نجانے کیسی گتھی تھی جو سلجھنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

جوں ہی یہ خبر جواد تک پہنچی وہ سیدھا بلال کے پاس اس کے آفس چلا آیا، اور آتے ہی بلال کو بھینچ کر گلے سے لگا لیا، مگر اس کے سپاٹ چہرے اور بے تاثر انداز اسے ٹھٹھکا گئے تھے،

''بلال! تُو نے جو بھی فیصلہ کیا ہے سوچ سمجھ کر دل کی رضامندی سے کر رہا ہے؟'' جواد نے بغور اس کے سپاٹ چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''تم کیا کہہ رہے ہو میں سمجھا نہیں؟'' اس نے براہ راست جواد کی آنکھوں میں دیکھا۔

''دیکھ بلال! تُو میری بات کے مفہوم سے انجان نہیں ہے، جو میں پوچھ رہا ہوں اسے تُو بہت اچھی طرح جانتا ہے''۔ جواد نے بھی اس کی آنکھوں میں دیکھتے یقین سے کہا تھا۔

''جواد! میں حقیقتاً تیری بات کا مطلب نہیں سمجھا''۔ اس نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

''زینب کے ساتھ شادی پر دل سے راضی ہو تم؟'' جواد نے بھی ڈائریکٹ دل میں اٹھتا سوال داغا۔

''تجھے کیا لگتا ہے جواد؟'' اس نے جواب دینے کے بجائے الٹا سوال کر دیا۔

''مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا ہے، اس لیے تجھ سے پوچھ رہا ہوں''۔ وہ جھنجھلا گیا۔

''تو سن لے جواد! میں صرف زینب سے اس لیے شادی پر راضی ہوا ہوں کہ یہ میرے ماں باپ کی خوشی ہے، مجھ سے میرے ماں باپ نے پہلی بار اپنے لیے کوئی خوشی مانگی تو میں انکار نہیں کر پایا''۔

''تو تم نے صرف ان کی خوشی کے لیے شادی کے لیے ہاں کی ہے؟'' جواد نے نہایت دکھ کے ساتھ بلال کے سپاٹ چہرے کو دیکھا۔

''ہاں، صرف اس لیے میں راضی ہوا ہوں''۔

''اور تجھے جو محبت کا دعویٰ تھا زینب سے، اس کا کیا؟''

''مجھے محبت کا دعویٰ تھا''۔ اس نے تھا پر زور دے کر کہا۔

''لیکن اب نہیں ہے، وہ محبت تو نجانے کب کی فنا ہوگئی، جب دل ہی برباد ہو جائے، تو محبت کیسے گھر کر سکتی ہے اس برباد ویران صحرا میں؟'' اس نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ جواد کو آج زندگی میں پہلی بار بلال پر شدید غصہ آیا تھا، وہ ایک ملامت بھری نگاہ بلال پر ڈالتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس کے آفس سے نکل گیا، بلال جانتا تھا کہ وہ ناراض ہو کر گیا ہے، مگر وہ خود سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ جو کر رہا ہے وہ صحیح ہے یا غلط؟ اس کا ذہن خود شدید الجھن کا شکار تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ نجانے کیا کچھ بول گیا تھا، اور ناراض ہو کر جاتے جواد کو روک نہیں پایا تھا، اسے اپنے آپ پر شدید غصہ آیا تھا۔

''ڈیم اٹ!'' اس نے شدید غصے کے عالم میں اپنا دایاں ہاتھ نازک سی کرسٹل کی ٹیبل پر مار دیا، ایک جھماکے سے شیشہ ٹوٹ کر باریک باریک ٹکڑوں میں بکھر گیا تھا اور ساتھ ساتھ اس کا ہاتھ بھی بری طرح زخمی کر گیا تھا، لیکن اسے کب اپنی پرواہ ہوتی تھی جو وہ اب اپنی پرواہ کرتا، گاڑی کی چابیاں اٹھاتا آفس سے نکل گیا۔

☆.....☆.....☆

گھر میں شادی کے ہنگامے شروع ہو چکے تھے، سارے مہمان گھر میں آ چکے تھے، آج مایوں کے فنکشن کے ساتھ سالک کی منگنی کی رسم بھی ادا کی جانی تھی، فنکشن کا ارینجمنٹ گھر میں ہی کیا گیا تھا، پورے لان کو برقی قمقموں سے سجایا گیا تھا، اسٹیج کو پیلے گیندے کے پھولوں اور بیلے کے پھولوں سے بڑی خوبصورتی سے سجایا گیا تھا، آج کا فنکشن بخیر و عافیت کے ساتھ انجام پایا تھا۔

☆.....☆.....☆

آج وہ دن بھی آ گیا تھا، جب ان دونوں کو پیا دیس سدھار جانا تھا، وہ دونوں پارلر سے تیار ہو کر آ چکی تھیں کچھ دیر بعد بارات آنے کا شور بھی اٹھا تھا اور بارات آ گئی تھی، جواد اور بلال دونوں دولہا کا روایتی لباس پہنے بہت خوبصورت لگ رہے تھے، نکاح کے فوراً بعد ان دونوں کو بھی اسٹیج پر لا کر بٹھایا گیا تھا، ریڈ کلر کے لہنگے میں میک اپ، گجروں اور زیورات پہنے پلوشہ حسین لگ رہی تھی، تو مہرون کلر کے لہنگے میں میک اپ، گجروں اور طلائی زیورات میں وہ بھی غضب ڈھا رہی تھی، رخصتی کے وقت سب کی آنکھیں گیلی ہوگئی تھیں، جواد سب سے مل کر جب بلال کی طرف آیا تو خاموشی سے اس کے گلے لگ گیا۔

''اب ناراضی ختم بھی کر دے یار!'' بلال نے اسے گلے سے بھینچ کر سرگوشی کے سے انداز میں کہا، وہ بنا کچھ بولے خاموشی سے ایک نظر اس پر ڈال کر باقی سب کی طرف متوجہ ہو گیا، پھر دونوں کو دعاؤں کے سائے تلے رخصت کیا گیا۔

☆.....☆.....☆

آج اس کی زندگی میں وہ دن بھی آ گیا تھا جس سے وہ بچتی آئی تھی، اس نے ایک بھرپور نگاہ پورے کمرے میں ڈالی، سارے کمرے کی سیٹنگ چینج تھی اور کمرے کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ ڈیکوریٹ کیا گیا تھا، وہ بیڈ سے اتر کر آہستگی کے ساتھ ڈریسنگ کے قد آدم آئینے کے سامنے آ کر کھڑی ہوگئی اور اپنے آپ کو شیشے میں دیکھ کر چونک گئی، وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی، اس پر دلہن کا بھرپور روپ آیا تھا، اس کے اوپر دلہن کے روایتی لباس اور طلائی زیورات میں وہ کوئی حسین مجسمہ لگ رہی تھی، ایک گہری سانس لیتی اس نے ڈریسنگ کے آگے کھڑے ہو کر ایک ایک کر کے تمام زیورات اتارنے شروع کر دیئے، وہ چوڑیاں اتار رہی تھی کہ اسے کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی، اس نے ذرا سی ترچھی نظر کر کے دیکھا تو وہ کمرے کا دروازہ لاک کر رہا تھا، اچانک اس کا دل بہت تیزی سے دھڑکا تھا، لہو کی گردش بھی دو چند ہوئی تھی، وہ دھڑکتے دل اور کانپتے ہاتھوں سے اپنے کام میں مصروف رہی، وہ اس کے پاس سے گزر کر وارڈ روب میں سے اپنا نائٹ ڈریس نکال کر واش روم میں گھس گیا، پندرہ منٹ بعد واش روم سے وہ بالوں کو تاول سے رگڑتا باہر نکلا تھا اور ایک مرتبہ پھر وارڈ روب میں نجانے کیا ڈھونڈ رہا تھا، وہ خاموشی سے واش روم میں چلی گئی اور جب فریش ہو کر آئی تو وہ شاید اسی کے انتظار میں جاگ رہا تھا، وہ بیڈ سے تکیہ اٹھانے آئی تو اس نے ریڈ کلر کا خوبصورت سا کیس اس کے آگے کر دیا، وہ ہاتھ میں تکیہ لیے اسے ناسمجھی کے عالم میں دیکھنے لگی۔

''رکھ لو گی تو صبح پوچھے جانے والے ہزاروں سوالات سے بچ جاؤ گی''۔ سپاٹ لہجے اور سرد تاثرات کے ساتھ اس پر ایک نگاہ غلط ڈالے بغیر بولا تھا، اس کی خوبصورت جھیل جیسی آنکھوں میں یکا یک نمی در آئی تھی، اس نے آنکھوں کے گوشے میں امڈ آنے والی نمی کو پلکیں جھپک جھپک کر اندر ہی دھکیلا تھا، وہ اب بھی کیس تھامے ہوئے تھا، اس نے کیس لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو ٹھٹھک سی گئی، اس کے ہاتھ سے ہلکا ہلکا سا خون رس رہا تھا۔

''کیا ہوا ہے آپ کے ہاتھ کو؟'' بے اختیار ہی وہ اس کا ہاتھ تھام گئی تھی۔

''یو ڈونٹ کیئر می، اپنی حد میں رہو تو بہتر ہے''۔ ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے کھینچ کر شعلے اگلتی نگاہوں سے اسے وارن کرتا وہ اسے اس کی اوقات یاد دلا گیا تھا، وہ ساکت کھڑی اس کی آنکھوں میں مچلتی نفرت کو دیکھتی رہ گئی، وہ اس کا ہاتھ جھٹکتا بیڈ سے تکیہ اٹھا کر صوفے پر لیٹ کر آنکھوں پر ہاتھ رکھ گیا، وہ اپنی سسکیاں دباتی لائٹ آف کر کے بیڈ پر آ کر لیٹ گئی اور ساری رات اس کا تکیہ آنسوؤں سے بھیگتا رہا اور نیند تو اس کی آنکھوں سے بھی کوسوں دور تھی، دونوں ہی اپنی اپنی سوچوں میں الجھے بے چین سے تھے۔

☆.....☆.....☆

ان کی شادی کو دو مہینے ہو گئے تھے، مگر وہ دونوں آج بھی ایک دوسرے سے اسی طرح اجنبی تھے، زینب نے بہت خاموشی کے ساتھ اس کے تمام کام اپنے ذمے لے لیے تھے اور یہ بھی غنیمت تھا کہ اس نے کوئی واویلا نہیں کیا تھا۔ وہ سارے کاموں سے فراغت پا کر اپنے بیڈ روم میں آئی تھی اور باتھ لینے کے ارادے سے سیدھی واش روم میں گھس گئی تھی، وہ فریش ہو کر آئی اور ڈریسنگ کے آگے کھڑے ہو کر بالوں کو تاول سے آزاد کیا تھا، لمبے گھنے کالے بال کسی آبشار کی طرح اس کی پوری کمر کو ڈھک گئے تھے اور ان میں سے پانی کی ننھی ننھی سی بوندیں سفید موتیوں کی طرح ٹپک رہی

تھیں، کچھ بال اس کے خوبصورت سے مکھڑے کا احاطہ کیے ہوئے تھے، وہ دروازہ کھول کر جوں ہی بیڈروم میں آیا، نگاہ سیدھی ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑی زینب پر پڑی تھی، پنک کلر کے کاٹن کے سوٹ میں اپنے لمبے گھنے بالوں کو کھلا چھوڑے بنا دوپٹے کے اپنے آپ میں مگن ہاتھوں میں چوڑیاں پہن رہی تھی، اس کی کھڑی ناک میں ہیرے کی لونگ الگ ہی بہار دکھا رہی تھی، جھیل جیسی آنکھوں پر گھنی سیاہ پلکوں کی جھالر جھکی ہوئی تھی، لمحے میں اس کے دل نے ایک بیٹ مس کی تھی، اس کی نظروں کی تپش تھی کہ اچانک اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تھا اور اسے بیڈروم کے دروازے پر ایستادہ دیکھ کر جھٹ سے بیڈ پر پڑا دوپٹہ اٹھا کر شانوں پر برابر کیا تھا، وہ بھی جیسے کسی ٹرانس کی سی کیفیت سے نکلا تھا اور بریف کیس صوفے پر پھینکنے کے سے انداز میں رکھ کر وہ سیدھا وارڈ روب کی طرف آیا تھا۔

''آپ کے کپڑے واش روم میں ہینگ کر دیئے ہیں''۔ اس کی مدھم سی آواز پر اس کے ہاتھ پل بھر کو رکے تھے پھر وہ وارڈ روب کو بند کر کے ایک سرسری سی نگاہ اس پر ڈالتا واش روم میں گھس گیا اور اس نے سینے میں اٹک جانے والی سانس بحال کی تھی، وہ کافی دیر باتھ لینے کے بعد جب نکھرا نکھرا سا واش روم سے باہر آیا تو وہ کمرے میں نہیں تھی، وہ آئینے کے آگے کھڑے ہو کر بال بنانے لگا، وہ ہیئر برش رکھ کر پلٹا تھا کہ وہ چائے اور اسنیکس لے کر آ گئی اور ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی اور صوفے پر بیٹھ کر اخبار پڑھنے لگی، وہ بیڈ پر بیٹھ کر اپنے ہاتھ پر بندھی بینڈ یج کو اتار رہا تھا، اس کے ہاتھ کا زخم کافی خراب ہو گیا تھا، اس کی اپنی لاپرواہی کی بدولت، وہ بظاہر اخبار پڑھ رہی تھی، مگر دھیان کے سارے دھاگے اسی دشمن جاں کی طرف تھے، اس نے پٹی اتار کر ایک طرف رکھی اور زخم کو ڈیٹول سے صاف کرنے کے بعد اس پر ٹیوب لگا کر پٹی کر رہا تھا جو کہ ظاہر ہے ایک ہاتھ سے ہونا ناممکن سی بات تھی وہ کچھ دیر یوں ہی دیکھتی رہی پھر جب برداشت نہیں ہوا تو اٹھ کر اس کے قریب آ گئی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر پٹی کرنے لگی، حالانکہ وہ ایک مرتبہ پہلے اسے بری طرح ڈانٹ چکا تھا، مگر وہ پھر بھی باز نہیں آئی تھی، وہ اس کی اتنی جرأت پر حیران سا اسے دیکھے گیا، وہ اس کے ہاتھ کی بینڈ یج مکمل کر کے جوں ہی اٹھی ہاتھ اس کی مضبوط گرفت میں آ گیا، اس کا دل بہت زور سے دھڑکا تھا، اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھتی اس نے ایک جھٹکے سے اسے واپس اپنے مقابل بٹھایا تھا۔

''آج کے بعد مجھ سے اپنی یہ دکھاوے کی محبت اور ہمدردی دونوں کو خود تک ہی محدود رکھنا، اور مجھے یا میری چیزوں کو آئندہ ہاتھ بھی مت لگانا''۔ وہ دھیمی مگر حد سے زیادہ سرد اور سلگتی آواز کے ساتھ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا تھا، اور آج اس کا ضبط بھی جواب دے گیا تھا۔

''کیوں، میں آپ کو یا آپ کی چیزوں کو ہاتھ کیوں نہیں لگا سکتی؟ بیوی ہوں آپ کی، آپ پر اور آپ کی ہر چیز پر میرا آپ سے زیادہ حق ہے، اور اس طرح ہر لحہ آپ مجھ سے نفرت کا اظہار کر کے ثابت کیا کرنا چاہتے ہیں، آپ مجھے برداشت نہیں کر پا رہے یا پھر یہ کہ میں آپ کے سر پر زبردستی مسلط کر دی گئی ہوں، اگر اتنی ہی نفرت ہے ناں مجھ سے تو ایک کام کریں، کم از کم آپ کی ہر پل کی اذیت تو ختم ہو جائے گی، چھوڑ دیں مجھے، طلاق دے دیں''۔

''چٹاخ.....!'' گال پر بھرپور شدت سے پڑنے والے تھپڑ نے اسے خاموش کروا دیا تھا، وہ بہتی آنکھوں سے گال پر ہاتھ رکھے اسے یک ٹک دیکھنے لگی۔

''آج کے بعد اگر دوبارہ میرے ساتھ زبان درازی کی یا کوئی اور بکواس کی تو جان سے مار دوں گا''۔ لمحے میں اس

کی آنکھیں سرخ ہوئی تھیں، سرخ آنکھوں سے اسے دیکھتا شہادت کی انگلی سے وارن کرتا وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے نکلتا چلا گیا، اور وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، وہ تو غنیمت تھی کہ گھر میں کوئی موجود نہیں تھا، دلاور علی شاہ کے عزیزوں میں کسی کا انتقال ہو گیا تھا، تو آسیہ بیگم، دلاور علی شاہ کے ساتھ کل ہی حیدر آباد کے لیے روانہ ہو گئی تھیں، اور سالک بھی بزنس کے سلسلے میں آؤٹ آف کنٹری گیا ہوا تھا۔

☆.....☆.....☆

اس کی آنکھ کھلی تو اچھا خاصا دن نکل آیا تھا، اس نے گھڑی کی طرف نظر ڈالی تو احساس ہوا کہ وہ کافی دیر تک سوتی رہی ہے، اس کا سر بہت بھاری ہو رہا تھا، رات وہ نجانے کب تک روتی رہی تھی اور روتے روتے کب اس کی آنکھ لگی، اسے پتہ ہی نہ چل سکا، اسے تو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ رات کے جھگڑے کے بعد وہ واپس گھر آیا بھی تھا کہ نہیں، وہ اپنے بھاری ہوتے سر کو دونوں ہاتھوں سے دباتی بیڈروم سے باہر آئی اور فریش ہونے کے بعد سیدھی کچن میں آ گئی، ناشتہ کرنے کا دل نہ چاہا تو ایک کپ چائے بنا کر وہ کچن میں پڑی چیئر پر بیٹھ کر چائے پینے لگی، سارا گھر بھائیں بھائیں کر رہا تھا، وہ کچھ دیر یوں ہی بیٹھی رہی، پھر بے دلی سے صفائی کرنے کے ارادے سے اٹھ گئی، گھر کے کام سے فارغ ہوئی تو اسے ایک دم سے پلوشہ کی یاد آئی، پلوشہ اور جواد سیر کے ارادے سے شمالی علاقہ جات کی طرف نکلے ہوئے تھے، وہ بددلی سے صوفے پر پڑا رسالہ اٹھا کر اس کی ورق گردانی کرنے لگی۔

☆.....☆.....☆

شام کے سات بج رہے تھے، مگر کل رات کے بعد سے اس نے بلال کو گھر میں نہیں دیکھا تھا، وہ صبح سے بے چین پھر رہی تھی، اس نے اکیلے پن سے اور الٹی سیدھی سوچوں سے پیچھا چھڑانے کے لیے یوں ہی ٹی وی آن کر لیا، مگر ٹی وی آن کرتے ہی اس کے ہاتھ ایک ہی زاویے پر ساکت رہ گئے۔

پیار ہے یا سزا اے میرے دل بتا
ٹوٹتا کیوں نہیں درد کا سلسلہ
اس پیار میں ہوں کیسے کیسے امتحاں

بے ساختہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے،، اس کے دل کی حالت بالکل گلوکار کے منہ سے نکلے لفظوں کے جیسی تھی، وہ یوں ہی ایک ہی زاویے پر بیٹھی تھی، ہر طرف سے بے نیاز بس ٹی وی پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔ وہ ڈپلیکیٹ چابی سے لاک کھول کر اندر آیا تھا، ٹی وی لاؤنج میں آتے ہی اس کی نظر ہر طرف سے بے نیاز ٹی وی کی اسکرین پر نظریں جما کر بیٹھی زینب پر تھیں، گالوں پر آنسو اب بھی بہہ رہے تھے، ریڈ کلر کے لباس میں ایک کندھے پر دوپٹہ ڈالے اس کا چہرہ بھی ریڈ ریڈ ہو رہا تھا، اسے اس طرح دیکھ کر اس کے دل کو کچھ ہوا تھا، دل چاہا ساری ناراضی، سارا غصہ بھول بھال کر اس کے آنسو اپنے ہاتھوں سے صاف کر کے اسے اپنے سینے سے لگا کر بتائے کہ وہ اس سے کتنا پیار کرتا ہے، اس کے آنسو اسے کتنی تکلیف دیتے ہیں، مگر پھر وہ سر جھٹکتا اپنے بیڈروم کی طرف بڑھ گیا، کچھ دیر بعد وہ کمرے میں آئی تو ٹھٹک گئی، وہ بیڈ سے ٹیک لگائے کسی کتاب کے مطالعے میں مشغول تھا، وہ اس پر ایک سرسری سی نظر ڈال کر واش روم میں چلی گئی، بس پندرہ منٹ ٹھنڈے پانی سے اچھی طرح جلتی آنکھوں پر پانی ڈالنے کے بعد ٹاول سے منہ صاف کرتی

وہ باہر نکلی تھی، ڈریسنگ کے پاس کھڑے ہوکر ہاتھوں میں پڑی چوڑیاں اتار کر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی تھیں اور پھر بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھے خالی جگ کو اٹھا کر وہ پانی لانے کے ارادے سے پلٹی تھی کہ اچانک بہت زور کا چکر آیا تھا، اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھانے لگا، وہ صبح سے صرف ایک کپ چائے پیے ہوئے تھی، اس کے ہاتھ سے جگ چھوٹ کر فرش پر گر گیا اور ایک جھماکے سے ٹوٹ گیا، اس سے پہلے کہ وہ خود بھی گرتی بلال نے اسے اپنے مضبوط بازوؤں کے حلقے میں سمیٹ لیا تھا، مگر اسے بازوؤں میں لیتے ہی ٹھٹھک گیا، اس کا بدن آگ کی طرح جل رہا تھا، وہ اسے اسی طرح بازوؤں کے گھیرے میں لیے بیڈ تک آیا تھا، اور اسے بیڈ پر بٹھا کر ہاتھ اس کی پیشانی پر رکھا تھا، جو آگ کی طرح دہک رہی تھی، اس کی نظر اس کے گال پر پڑی جہاں ابھی بھی اس کی انگلیوں کے نشان ثبت تھے، وہ دل ہی دل میں شرمندہ ہوا تھا، نجانے کیسے اس کا ہاتھ اٹھ گیا تھا۔

''تمہیں اتنا تیز بخار ہے، تو بتا نہیں سکتی تھیں؟'' وہ اس کا ہاتھ تھامے نرمی سے بولا، جواباً اس نے ایک بڑی شکوہ کناں سی نگاہ اس پر ڈالی اور واپس جھکالی اور وہ بھی پل بھر کو چپ کا چپ رہ گیا، پھر اسے بیڈ سے نہ اٹھنے کی تاکید کرتا بیڈ روم سے نکل گیا، اور تھوڑی دیر بعد واپس آیا تو ہاتھ میں ٹرے موجود تھی، اس نے ٹرے بیڈ پر رکھی جس میں گرم دودھ کے ساتھ سلائس موجود تھے اور ساتھ میں ٹیبلٹ بھی، وہ یک ٹک اسے دیکھے گئی۔

''چلو یہ کھا کر دودھ پی لو، پھر ٹیبلٹ کھا لینا، بخار کم ہو جائے گا''۔ وہ اس وقت کہیں سے بھی وہ بلال نہیں لگ رہا تھا، جو ہر لمحہ اس سے نفرت کرتا تھا، اور نفرت کا اظہار بھی کرتا رہتا تھا۔

''میرا دل نہیں چاہ رہا''۔ بمشکل آواز کی نمی کو چھپاتی وہ بول پائی تھی، اس کی اتنی محبت پر اس کا دل بھر آیا تھا۔

''چپ کر کے کھاؤ اور یہ پورا گلاس ختم کرو''۔ وہ کچھ ڈپٹ کر بولا تھا اور اپنے ہاتھ سے سلائس اس کی جانب بڑھایا تھا، اس نے بنا کوئی مزاحمت کیے سلائس اس کے ہاتھ سے کھا کر دودھ بھی ختم کر لیا تھا اور پھر ٹیبلٹ بھی کھالی تھی۔

''کہاں جا رہی ہو؟'' وہ اسے بیڈ سے تکیہ اٹھاتے دیکھ کر پوچھنے لگا۔

''مجھے نیند آ رہی ہے، اپنی جگہ پر جا رہی ہوں''۔ اس نے اس کی طرف دیکھے بنا کہا تھا۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے، تم یہاں سو جاؤ آرام سے، میں وہاں سو جاؤں گا''۔ تکیہ واپس اس کے ہاتھ سے لیتا اس کا ہاتھ پکڑ کر واپس بیڈ پر بٹھایا تھا۔

''مگر.....!''

''اگر مگر کچھ نہیں، خاموشی سے سو جاؤ''۔ اسے کچھ بھی بولنے سے باز رکھتے اسے بیڈ پر لٹا کر اس پر کمبل اوڑھاتا لائٹ آف کرتا وہ صوفے پر لیٹ کر آنکھوں پر ہاتھ رکھ گیا۔

''کاش.... بلال! آپ ہمیشہ کے لیے ایسے ہی ہو جائیں، مجھ سے اتنی ہی محبت کریں''۔ بے اختیار ہی اس کے دل سے دعا نکلی تھی۔

☆.....☆.....☆

دن یوں ہی بے کیف و بوریت سے بھرپور اپنی رفتار سے گزر رہے تھے، سعدیہ بیگم، آسیہ بیگم اور دلاور علی شاہ کا ارادہ چالیسویں کے بعد آنے کا تھا، سالک کی بھی ابھی تک واپسی نہیں ہوئی تھی، بلال صبح کا گیا رات گئے گھر میں آتا،

اس دن کے بعد ان کے درمیان پھر وہی لاتعلقی در آئی تھی، وہ سارے گھر میں بولائی بولائی سی پھرتی، ایسے میں کبھی مریم آجاتی تو کچھ دیر اس کا دل بہل جاتا، وہ بھی ایک عام سا دن تھا، وہ سارے گھر کا کام نمٹا کر صوفے پر بیٹھی بے دلی سے چینل سرچنگ میں مصروف تھی کہ اچانک پلوشہ کی کال آ گئی، اس کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہ رہا، جواد سے خیر خیریت پوچھنے کے بعد وہ پلوشہ کے ساتھ مصروف ہو گئی، پلوشہ سے اس نے ڈھیروں باتیں کی تھیں، پلوشہ جواد کی ہمراہی میں بہت خوش تھی، لیکن جب پلوشہ نے بلال کے متعلق بات کی تو اس کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا، وہ چپ کی چپ رہ گئی اور اس کی خاموشی نے پلوشہ کو سب کچھ سمجھا دیا تھا۔

''زینب! اگر بھائی تم سے ناراض ہیں، تو تم انہیں مناؤ، ان کی ناراضی دور کرنے کی کوشش کرو، نہ کہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو، اور انہیں مزید خود سے دور کر دو''۔

''تو میں کیا کروں وشی! وہ تو میری طرف نظر ڈالنا گوارہ نہیں کرتے''۔ وہ بے بسی سے ہونٹ چباتے بولی۔

''کیا مطلب کیا کرو گی؟ بھئی! اپنے مجازی خدا کی ناراضی دور کرو''۔ وہ شوخی سے بولی تھی۔

''بات صرف ناراضی تک محدود رہتی تو بھی ٹھیک تھا، مگر انہیں تو مجھ سے نفرت ہو گئی ہے، ناراضی دور کی جا سکتی ہے، مگر نفرت نہیں''۔ اس کی آواز میں آنسوؤں کی آمیزش صاف محسوس کی جا سکتی تھی۔

''پاگل ہو زینب! ایسا کبھی ہو نہیں سکتا، بھائی تم سے کبھی نفرت نہیں کر سکتے، ہاں محبت ضرور کر سکتے ہیں سمجھیں؟ وہ صرف ناراضی کے باعث ایسا بولتے ہیں، اب جلدی سے بھائی کو منانے کی تیاری کرو، اور یہ بات دل سے نکال دو کہ وہ تم سے نفرت کرتے ہیں، میں پھر بات کروں گی انشاء اللہ''۔ اس کے کچھ بولنے سے پہلے پلوشہ نے کال ڈسکنیکٹ کر دی تھی اس نے ٹوں ٹوں کرتے موبائل کو ایسے گھورا جیسے وہ موبائل نہیں پلوشہ ہو۔

☆.....☆.....☆

پلوشہ سے بات کر کے اس کے دل پر دھرا بوجھ کسی حد تک کم ہو گیا تھا، بہت سوچنے کے بعد کہ وہ بلال کی ناراضی کیسے دور کرے، اس نے کچن میں جا کر رات کے کھانے پر خاصا اہتمام کیا تھا، اور ساری چیزیں بلال کی پسند کو مدنظر رکھتے ہوئے بنائی تھیں، کچن سے فارغ ہو کر وہ وارڈ روب سے بلیک کلر کا سوٹ نکال کر سیدھی واش روم میں گھس گئی تھی، آدھے گھنٹے بعد وہ نکھری نکھری سی ٹاول سے بال رگڑتی نکلی تھی، ٹاول سے بالوں کو آزاد کر کے بالوں کو یوں ہی کھلا چھوڑ دیا اور ٹاول کو سائیڈ میں لگے اسٹینڈ پر پھیلا کر ڈریسنگ سے ہیئر برش اٹھا کر بالوں کو سلجھایا تھا، اور یوں ہی اس کی نظر سامنے رکھے اس باکس پر چلی گئی، جو اسے شادی کی رات بلال نے دیا تھا، جسے اس نے بنا دیکھے ہی بددلی سے ڈریسنگ پر ڈال دیا تھا، جو آج بھی یوں ہی اس جگہ پر رکھا تھا، اس نے کیس اٹھا کر کھولا تو اس میں بہت خوبصورت نفیس سے دو طلائی کنگن موجود تھے، اس کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ دوڑ گئی، اسے طلائی کنگن بہت پسند تھے اور ایک مرتبہ یوں ہی باتوں باتوں میں اس نے اپنی پسندیدگی کا اظہار کر دیا تھا۔

''نجانے کیسے آپ خود کو سب سے چھپا لیتے ہیں بلال!'' وہ کنگن ہاتھوں میں پہنتے سوچ رہی تھی، پھر اس نے بالوں کو کیچر لگایا تھا، جھیل جیسی آنکھوں میں کاجل ڈالا تھا، اتنا سا سنگھار کرنے پر وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی، پنک چہرے پر ناک میں دمکتی لونگ الگ للکارے مار رہی تھی، داہنے طرف اس کے لب کے ذرا سا اوپر موجود سیاہ تل.....

واقعی میں بہت خوبصورت تھی، وہ ایک نظر گھڑی پر ڈالتی صوفے پر آ کر بیٹھ گئی، ابھی تو صرف آٹھ بجے ہیں، وہ بیزاری سے سوچتی پاس پڑے میگزین کی ورق گردانی کرنے لگی، کچھ دیر بعد میگزین سائیڈ پر رکھ کر وہ اپنے بیڈروم سے باہر آئی تھی، ڈائننگ ٹیبل کو سیٹ کر کے وہ ٹی وی لاؤنج میں آ گئی اور ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کر لیا، کافی دیر چینل سرچنگ کرنے کے بعد اس نے گھڑی دیکھی تو چونک گئی، ساڑھے نو بج رہے تھے۔

''یہ ابھی تک آئے کیوں نہیں؟'' ریموٹ صوفے پر پھینک کر وہ واپس اپنے بیڈروم میں آئی تھی، موبائل اٹھا کر بلال کے سیل پر کال کی تھی، مگر نمبر بند جا رہا تھا، اس نے جھنجھلا کر موبائل بیڈ پر واپس ڈالا تھا، اور بیڈروم سے باہر نکل آئی، ٹی وی لاؤنج میں ٹہلتے ٹہلتے اس کی ٹانگیں شل ہونے لگی تھیں، تو وہ ایک مرتبہ پھر صوفے پر بے چینی کے عالم میں بیٹھ گئی، گھڑی ساڑھے گیارہ بجا رہی تھی، اس کا دل انجانے وسوسوں سے بھرنے لگا۔

''یا اللہ! یہ ابھی تک آئے کیوں نہیں ہیں، نمبر بھی بند جا رہا ہے، یا اللہ! بلال کی حفاظت کرنا، انہیں اپنے حفظ و امان میں رکھنا''۔ کھڑکی سے نظر آتے تاروں سے سجے آسمان پر نگاہ ڈالتے اس نے اپنے ربّ سے دعا مانگی تھی، ایک مرتبہ پھر اس نے اس کے سیل پر ٹرائی کیا تھا، مگر نمبر اب بھی بند جا رہا تھا، وہ موبائل صوفے پر پٹخ کر خود بھی صوفے پر بیٹھ گئی۔

''یا اللہ! کیا کروں میں، آپ کہاں ہیں بلال؟'' اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے، عموماً بلال ساڑھے آٹھ بجے تک گھر آ جاتا تھا، اور کہیں جانا ہوتا تو گھر میں بتا کر جاتا تھا، لیکن وہ کچھ بتا کر بھی نہیں گیا تھا، اور اس وقت ساڑھے بارہ سے بھی اوپر ہو رہے تھے، وہ یوں ہی کچھ دیر سارے گھر میں چکراتی رہی، پھر تھک ہار کر صوفے پر بیٹھ گئی، بے بسی کے عالم میں وہ گھٹنوں پر ٹھوڑی ٹکائے مسلسل بہتے آنسوؤں کو صاف کرتی اس کی خیریت کی دعائیں مانگ رہی تھی کہ اچانک لائٹ چلی گئی، سارا گھر اندھیرے میں ڈوب گیا تھا، اس میں اتنی سکت بھی نہیں تھی کہ وہ کینڈل جلا لیتی، اسے شروع سے اندھیرے سے ڈر لگتا تھا، اس پر متضاد اسٹینڈ پر رکھے فون کی گھنٹی چیخنے لگی تھی، گھر کے سناٹے میں فون کی بجتی گھنٹی نے ایک بھیانک سا شور پیدا کر دیا تھا، وہ آنکھیں بند کیے فون کی بجتی گھنٹی کو سن رہی تھی، اندھیرے میں اس کی چنگھاڑتی آواز نے اسے مزید بدحواس کر دیا تھا، اس نے اپنے کانوں پر سختی سے دونوں ہاتھ جما لیے تھے، اور سر کو گھٹنوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی، نجانے اسے کتنی دیر اسی طرح بیٹھے بیت گئی تھی کہ پورچ میں گاڑی رکنے کی آواز آئی تھی، اور اس کی رہی سہی ہمت بھی جواب دے گئی تھی، وہ اسی طرح کانوں پر ہاتھ رکھے سر کو گھٹنوں پر رکھے بیٹھی رہی۔ اس نے جوں ہی لاؤنج میں قدم رکھا نظر سیدھی صوفے پر گھٹنوں میں سر چھپائے زینب پر پڑی تھی، اس کی چھٹی حس نے کچھ غلط ہونے کا اعلان کیا تھا، وہ سیدھا صوفے کی طرف آیا تھا، اس کے برابر بیٹھ کر ایک نظر اس پر ڈال کر اسے آواز دی تھی۔

''زینب! کیا ہوا، ایسے کیوں بیٹھی ہو؟'' اس کی سماعتوں میں جیسے بلال کی آواز نے بجلی سی بھر دی تھی، اس نے ایک جھٹکے سے گھٹنوں سے سر اٹھایا تھا اور اپنے برابر اس دشمن جاں کو دیکھ کر نجانے اسے کیا ہوا تھا کہ ایک دم سے اس کے سینے پر سر رکھ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی، وہ اس کے اس عمل پر بھونچکا سا اسے دیکھتا رہ گیا، پھر دھیرے سے اس کے گرد اپنے ہاتھ رکھ دیئے تھے، وہ اسی طرح اس کے سینے پر سر رکھ کر روتی رہی اور اس کی شرٹ اس کے آنسوؤں سے بھیگتی رہی۔

''چپ ہو جاؤ زینب! مجھے تکلیف ہو رہی ہے تمہارے رونے سے''۔ ایک ہاتھ اس کے گرد پھیلائے دوسرے ہاتھ سے اس کا سر سہلاتے اس نے نرمی سے کہا تھا، اس کے کہنے پر اس نے ایک جھٹکے سے اس کے سینے سے سر اٹھایا تھا۔

''جھوٹ بولتے ہیں آپ کہ آپ کو میرے رونے سے تکلیف ہوتی ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کو میری کسی بھی بات یا تکلیف سے کوئی فرق نہیں پڑتا، نہ میری تکلیف پر آپ کو تکلیف ہوتی ہے، اگر میرا اتنا سا بھی خیال ہوتا تو آپ آج تک میرے ساتھ جو سلوک کرتے آئے ہیں، وہ ہرگز بھی نہ کرتے، میں نے آپ سے کتنی دفعہ معافی مانگی، مگر آپ نے ہر بار مجھے جھٹک دیا، مجھے اتنا برا بھلا کہا، شادی تو کر لی مجھ سے، مگر گھر میں کسی بے کار شے کی طرح مجھے چھوڑ دیا، اتنا کچھ کرتے آپ کو تکلیف نہیں ہوئی، اور وہ سب تو ایک طرف آج آپ نے میرے ساتھ جو کچھ بھی کیا، اس کے باوجود آپ کو لگتا ہے کہ آپ کو میری تکلیف پر تکلیف ہو سکتی ہے، اگر آپ کو دیر سے آنا تھا تو مجھے ایک کال کر دیتے، چلیں اگر مجھ سے بات کرنا گوارا نہیں تھا تو ایک میسج ہی کر دیتے، مگر آپ کو کیوں میرا احساس ہونے لگا، نفرت جو کرتے ہیں آپ مجھ سے، آپ کو اس سے کیا مطلب کہ میں آپ کے لیے کس قدر پریشان ہوتی رہی، نجانے کتنی دفعہ آپ کو کال کی ہے، میرے دل میں نجانے کیسے الٹے سیدھے خیالات آتے رہے، ان چند گھنٹوں میں آپ کی سلامتی کی دعائیں کرتے کرتے میرے ہونٹ خشک ہو گئے، ایک ایک لمحہ میں نے کسی پل صراط کی سی اذیت میں گزارا ہے کہ اگر آپ کو اللہ نہ کرے کچھ ہو گیا تو میں کیسے آپ کے بغیر زندہ رہ پاؤں گی؟ میری آنکھیں گھڑی دیکھ دیکھ کر تھک گئیں، بہت مزہ آتا ہے ناں آپ کو مجھے اذیت دے کر، روز روز کی اذیت سے بہتر ہے کہ ایک دفعہ ہی مجھے جان سے مار دیں، اور زیادہ سکت نہیں ہے مجھ میں آپ کی نفرت سہنے کی''۔ سرخ چہرے اور بہتی آنکھوں سے وہ ایک تواتر سے بولتی اسے ساکت کر گئی تھی، شادی کے بعد آج وہ پہلی دفعہ اس کے سامنے اس طرح بولی تھی۔ دل میں جمع غبار نکلا تو آنسو خود بخود تھم سے گئے تھے، ایک نظر خاموشی سے اپنی جانب تکتے بلال پر ڈال کر وہ ایک جھٹکے سے اٹھی تھی، اس سے پہلے کہ وہ وہاں سے جاتی، اس کی موی کلائی بلال کی مضبوط گرفت میں قید ہو گئی تھی، اس نے غصے سے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا تھا، اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی، بلال نے ہلکا سا جھٹکا دے کر اسے دوبارہ اپنے برابر میں بٹھایا تھا، اس کا دوپٹہ صرف ایک سائیڈ پر ہو کر رہ گیا تھا، بلال کے اس عمل سے تو گویا زینب کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔

''کیا بدتمیزی ہے؟'' اس نے غصے سے گھور کر بلال کو دیکھا تھا کہ اس نے اس کے نازک لبوں پر انگلی رکھ کر اس کی بولتی بند کر دی تھی، لمحے میں اس کی نگاہیں جھک کر اس کے سرخ ہوتے عارضوں پر لرزی تھیں، وہ خاموشی سے اس کے سرخ عارضوں پر گھنی لرزتی پلکوں کی کپکپاہٹ کی خوبصورتی کو دیکھے گیا۔

''پ.... پلیز مجھے جانے دیں''۔ جھکی نگاہوں سے بے بسی کے عالم میں کہا تھا اور اپنا ہاتھ چھڑوانا چاہا تھا جو ابھی تک بلال کی مضبوط گرفت میں قید تھا۔

''ایسے کیسے جانے دوں، ابھی صرف تم نے اپنے دل کا حال سنایا ہے، مجھے بھی تو کچھ کہنے کا موقع دو، مجھے بھی تو تم سے بہت کچھ کہنا ہے، پھر بے شک چلی جانا''۔ اس نے دھیمی آواز میں کہتے ہوئے اس کا دوسرا ہاتھ بھی اپنی گرفت میں قید کیا تھا، وہ نگاہیں جھکائے خاموش بیٹھی رہی۔

''تمہیں اتنا یقین کیوں ہے کہ میں تم سے نفرت کرتا ہوں؟'' اس نے اچانک اس سے سوال کیا، وہ اس اچانک

سوال پر سٹپٹا سی گئی تھی، لیکن ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھی، اس لیے جلدی سے بولی تھی۔

''آپ نے خود مجھ سے اپنی نفرت کا بارہا اظہار کیا ہے، کیا یہ کافی نہیں ہے میرے یقین کرنے کے لیے؟'' ایک نظر اسے دیکھ کر دوبارہ سے وہ پلکیں جھکا گئی تھی، وہ کچھ دیر اسے یوں ہی دیکھتا رہا، پھر بڑی سنجیدگی سے بولا تھا۔

''پتہ ہے زینب! خلیل جبران کہتا ہے آسمانوں سے محبت ہمارے دل پر اترتی ہے، اور سب کچھ بدل کر رکھ دیتی ہے، ہمارے لیے ہر منظر، ہر موسم اور کیفیت کے معنی بدل کر رکھ دیتی ہے، ایک نیا احساس جگاتی ہے، ساون کی رُت کی ٹھنڈی پون اور جھومتی گھٹا جذبات میں آگ لگا دیتی ہے، اور پھر بارش بالکل پاگل کر دیتی ہے، خوش گمانی کی حسین پریاں ہمیں اپنی نرم گرم گداز بانہوں میں سمیٹ لیتی ہیں، کسی کا چہرہ ایک نظر میں عمر بھر کے لیے زندگی بن جاتا ہے اور اسی کا نام محبت ہے، بہت بے وقوف ہو تم زینی!'' پہلی دفعہ اس نے اسے اس نام سے بلایا تھا اور اسے اس کا اس طرح بلانا بہت اچھا لگا تھا، اور وہ جو اس کی گھمبیر آواز میں کھوسی گئی تھی وہ کچھ چونک سی گئی۔

''اگر میں نے کہا کہ میں تم سے نفرت کرتا ہوں، تو تم نے یقین کر لیا، بچپن کا ساتھ ہے ہمارا، اور آج تک تم مجھے سمجھ نہ سکیں، میں تم سے نفرت کر سکتا ہوں بھلا؟ میرے دل میں تو صرف تمہارے لیے محبت ہی محبت ہے، آج تک میرا رویہ تمہارے ساتھ جو بھی رہا ہے، وہ صرف میرا غصہ تھا، تمہارے ان الفاظوں نے میرے جسم سے جان نکال دی تھی، خوش گمانی کی حسین پریوں نے اپنی نرم گداز بانہوں سے مجھے دھڑ سے اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا تھا، میرے جسم سے لہو کا ایک ایک قطرہ نچوڑ لیا تھا، تمہاری آواز نے''۔

''لیکن میں نے بعد میں آپ کو تمام حقیقت بتا دی تھی، اور آپ سے نجانے کتنی دفعہ معافی بھی مانگی تھی، مگر آپ تو میری کوئی بات سمجھنے کو تیار ہی نہیں تھے''۔ اس نے بھی دل میں کھٹکتی بات کو زبان دی تھی۔

''ہاں جانتا ہوں، لیکن اس وقت تمہیں دیکھتے ہی مجھے اتنا غصہ آتا تھا کہ میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا، تمہیں دیکھتے ہی وہ سب کسی فلم کی طرح میرے دماغ میں ریوائنڈ ہونے لگتا تھا، اور تم پر مزید غصہ آنے لگتا، میری اذیت میں کئی گنا اضافہ ہونے لگتا''۔ وہ سچائی سے اعتراف کرتے ہوئے بولا۔

''اور آج جو کچھ بھی ہوا کیا وہ بھی آپ کا غصہ تھا؟'' وہ دل میں مچلتا سوال زبان پر لے آئی، اس کے شکوہ کناں سوال پر اس کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی، اور زینب نے اسی وقت نگاہ اٹھائی تھی اور بلال کی شامت آ گئی تھی۔

''ہنس لیں دل کھول کر ہنس لیں، مجھے تنگ کر کے آپ کو ہمیشہ سکون ملتا ہے''۔ اس کی آنکھیں لبالب پانیوں سے بھرنے لگیں، نجانے اس کا دل اس وقت اتنا حساس کیوں ہو رہا تھا۔

''پاگل ہو تم زینی!'' اس نے اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو صاف کیے تھے، پھر دوبارہ سے اپنی بات شروع کرتے ہوئے بولا تھا۔

''تمہیں تکلیف پہنچا کر کیا میں سکون سے رہ سکتا ہوں؟ آج جو کچھ بھی ہوا وہ صرف اتفاق تھا، اچانک سے فارن وفد کے ساتھ میٹنگ ارینج ہو گئی تھی، تو مجھے میٹنگ اٹینڈ کرنے جانا پڑا، میٹنگ میں وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا، میٹنگ سے فارغ ہو کر مجھے پہلا خیال تمہارا ہی آیا تھا، موبائل دیکھا تو چار جنگ بالکل ختم ہو چکی تھی، اور قریب میں کوئی پی سی او بھی موجود نہیں تھا، کہ وہاں سے کال کر لیتا، تم گھر میں اکیلی ہو گی مجھے اس بات کی ٹینشن تھی کہ ایک نئی مصیبت

گلے پڑ گئی، گاڑی کا ٹائر پنکچر ہو گیا، وہ تو صد شکر کہ گاڑی میں ایکسٹرا ٹائر موجود تھا، ٹائر چینج کر کے راستے میں جو بھی پہلا پی سی او نظر آیا میں نے وہاں سے تمہیں کتنی کالز کیں، مگر تم نے ریسو نہیں کیں، میرے دل میں ہول اٹھنے لگے تھے، آج سے پہلے میں نے کبھی اتنی رش ڈرائیونگ نہیں کی ہو گی جتنی رش ڈرائیونگ میں آج کر کے گھر پہنچا ہوں، اور گھر آیا تو میرے کچھ سنے بنا ہی تم نے مجھ پر اٹیک کر دیا''۔ اینڈ میں وہ معصوم سی صورت بنا کر بولا۔

''زینب! آج تک میں نے تمہارے ساتھ جو کچھ بھی غلط کیا، میں اس کے لیے معافی مانگتا ہوں''۔

''پلیز ایسے تو مت بولیے، آپ کے لیے میرے دل میں جو بدگمانی تھی، وہ اب ختم ہو گئی ہے''۔

''اچھا تو پھر کیا ہے؟'' اس نے فوراً اس کا جملہ پکڑا تھا۔

''ہاتھ چھوڑیں میرا''۔ وہ فوراً سٹپٹائی تھی اور دھیان بٹانے کو بات بدلنا چاہی تھی۔

''پہلے میرے سوال کا جواب دو، پھر کوئی اور بات کرنا''۔ اس نے اس کے ہاتھ پر اپنی گرفت مزید سخت کی تھی اور شرارت سے بولا تھا۔

''پلیز بلال! ایسے تو مت کریں''۔ وہ بڑی لجاجت سے اسے دیکھ کر بولی تھی۔

''مگر میں نے تو ابھی تک کچھ کیا ہی نہیں ہے''۔ وہ بھی انجان بنتے معنی خیزی سے بولا تھا۔

''آپ بہت برے ہیں''۔ اس سے کچھ بن نہ پڑا تو سرخ چہرے کے ساتھ بے بسی سے بولی تھی۔

''لیکن تم بہت اچھی ہو''۔ وہ ایک دم ٹون بدل کر بولا تھا، وہ چپ کی چپ رہ گئی۔

''اچھا چلو ایک بات بتاؤ''۔ اس نے اس کے ہاتھوں میں سجے کنگن پر انگلی پھیرتے ہوئے اس کی سوالیہ نگاہوں میں جھانکا۔

''اب پوچھیں بھی''۔ اس کی کچھ دیر کی خاموشی پر وہ کچھ جھنجھلا کر بولی تھی۔

''کیا تم اس شادی سے خوش ہو؟''

''ہاں، میں پورے دل سے آپ کے ساتھ شادی پر خوش ہوں''۔

''اور مجھ سے تمام تر شدت کے ساتھ محبت کرتی ہو؟''

''ہاں، میں آپ سے.....!'' بے دھیانی میں بولتے ایک دم اس نے زبان دانتوں تلے دبائی تھی، بلال جو اسے ہی غور سے دیکھ رہا تھا، مسکرائے بنا نہ رہ سکا تھا۔

''یہ چیٹنگ ہے اور ویسے بھی میں آپ سے ناراض ہوں، تو اپنے دل کی بات کیوں بتاؤں آپ کو؟''

''تم مجھ سے کیوں ناراض ہو؟'' وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

''آپ نے مجھے کتنی زور کا تھپڑ مارا تھا، مجھے کتنا درد ہوا تھا''۔ وہ اپنے نازک سے گال پر ہاتھ رکھ کر بولی تھی۔

''ایسا کرو تم بھی مجھے زور سے تھپڑ مار لو، حساب برابر ہو جائے گا''۔ وہ اس کے قریب اپنا گال کرتے بڑی فراخدلی سے بولا تھا۔

''جی نہیں، میں آپ کی طرح سنگدل نہیں ہوں''۔

''تو کیا میں سنگدل ہوں؟'' اس نے اپنی طرف اشارہ کر کے استعجابیہ انداز میں پوچھا۔

''جی ہاں''۔

''کوئی نہیں، میں تو بڑا نرم دل بلکہ محبت بھرا دل رکھنے والا انسان ہوں''۔

''اُف.... کتنا جھوٹ بولنے لگے ہیں آپ''۔ وہ اسے آنکھوں میں استعجاب لیے دیکھنے لگی۔

''اچھا چلو آئندہ میں تم پر کبھی ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا، لیکن تم بھی کبھی کوئی فضول بات نہیں کرو گی، جو میرا ضبط ختم کردے''۔ وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔

''مگر میں نے تو کوئی بھی فضول بات نہیں کی آپ سے''۔ وہ نگاہیں چراتے انجان بنتے بولی تھی، حالانکہ اچھی طرح جانتی تھی وہ کس بارے میں بات کر رہا ہے۔

''طلاق کی بات جو تم نے کی تھی وہ تو بڑے کام کی بات تھی؟'' وہ اسے تھوڑے غصے سے گھورتے ہوئے بولا، وہ چپ کی چپ بیٹھی رہ گئی، جب وہ بولا تھا۔

''زینب! میں تمہارے بغیر جی نہیں سکتا، کیونکہ میں تم سے جنون کی حد تک محبت کرتا ہوں، اگر تمہیں کبھی میری محبت کی گہرائی کا اندازہ ہو جائے تو تم میری محبت کی انتہا پر حیران رہ جاؤ گی''۔ وہ اپنے دل پر ہاتھ رکھے پوری سنجیدگی سے اسے دیکھتے ہوئے بول رہا تھا، اس کے اتنے کھلے اظہار محبت پر وہ سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ نگاہیں جھکا گئی تھی۔

''او کے، چلو تم کھانا لگاؤ، بہت بھوک لگ رہی ہے، میں فریش ہو کر آتا ہوں''۔ اسے شرمایا جھینپا سا دیکھ کر وہ خود ہی بات بدل کر بولا۔

''اور پھر صبح تمہارے چہیتے بھائی جواد واحدی کو بھی منانا ہے کہ محترم مجھ سے کافی دنوں سے ناراض ہیں''۔

''کیوں.... وہ کیوں آپ سے ناراض ہیں؟'' زینب کو شدید حیرت نے آگھیرا تھا، آج تک کسی کو علم ہی نہ ہو سکا تھا کہ ان دونوں کے بیچ ناراضی چل رہی ہے۔

''تم اپنے نازک دماغ پر زور مت ڈالو اور فٹافٹ کھانا لگاؤ''۔ وہ اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگاتا اٹھ کھڑا ہوا کہ ہاتھ اس کی نازک سی گرفت میں مقید ہو گیا، اس نے پلٹ کر سوالیہ نگاہیں اس کی جانب کی تھیں کہ وہ خود بھی اس کے مدمقابل اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں آپ سے اپنے دل کی تمام تر شدتوں سے محبت کرتی ہوں، اور اپنی زندگی کا ہر لمحہ آپ کی ہمراہی میں آپ کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر جینا چاہتی ہوں''۔ سرخ چہرہ لیے نگاہیں جھکائے بلیک کلر کے فٹنگ والے سوٹ میں ایک کندھے پر دوپٹہ ڈالے اپنی محبت کا اظہار کرتی وہ اسے بہت خوبصورت اور دنیا کی تمام تر لڑکیوں سے منفرد اور بہت پیاری لگی تھی۔

''تھینکس.... اتنی زیادہ اور اتنی شدت سے محبت کرنے کے لیے، اینڈ آئی لو یو زینی!'' شدت جذبات سے اس نے اس کی روشن پیشانی پر بوسہ دیا تھا اور وہ جھینپ کر مزید نگاہوں کے ساتھ سر کو بھی جھکا گئی تھی، ان کے اتنے حسین ملن پر تاروں کے جھرمٹ میں گھرا چاند بھی دل سے مسکرایا تھا۔

☆.....☆.....☆

سیدہ فرزانہ حبیب فرزین

ناولٹ

لوٹ آیا اعتبار کا موسم

اسے اپنی ماں کی اس تنہا زندگی کو دیکھ کر بہت افسوس اور غصہ آتا تھا کہ جنہوں نے ایک ایسے شخص کے لیے جو نہ وفادار شوہر بنا اور نہ ہی اپنی بیٹی کو باپ کا شفیق سایہ عطا کیا، اس بزدل شخص کے لیے اپنی

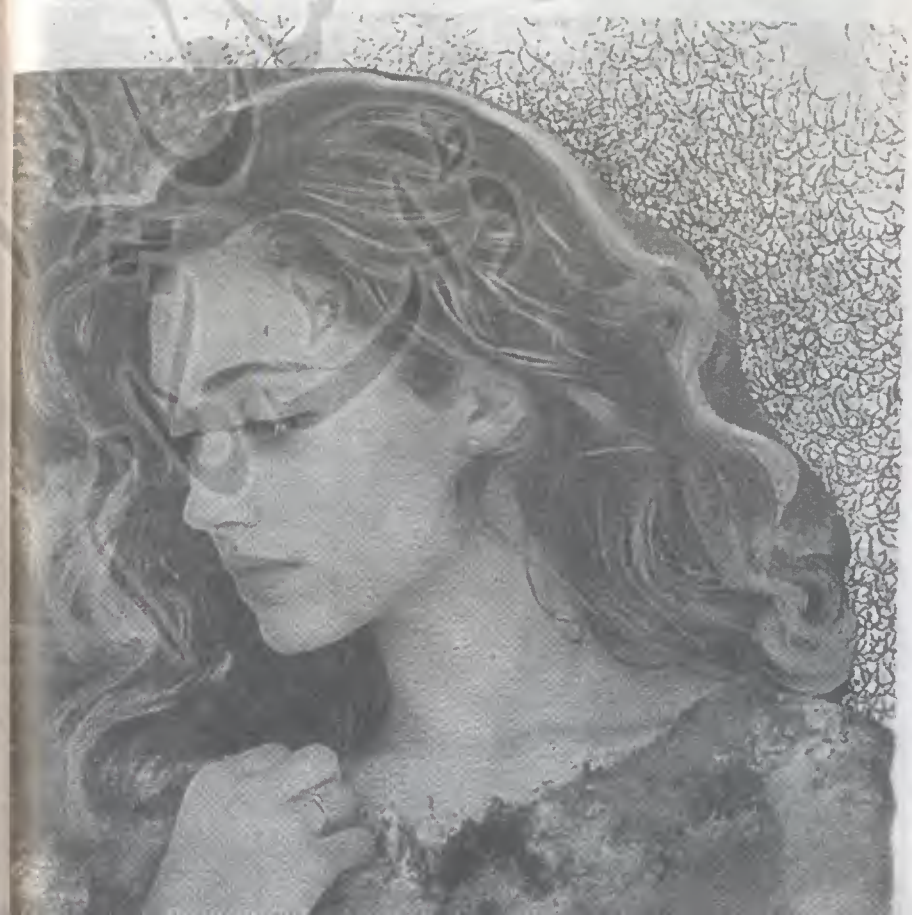

ساری زندگی ماضی کی تلخ یادوں اور اس شخص کی بے وفائی کے ساتھ گزار دی مگر اب اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ اپنی ماں کو مزید تنہائی اور دکھ کا عذاب سہنے نہیں دے گی، وہ اپنی ماں کو اس کی قربانیوں اور وفاؤں کا صلا ضرور دے گی، وہ اس شخص کو ایک بار ضرور ڈھونڈ کر اپنی ماں کے سامنے لائے گی اور اس سے اس کی وفاؤں کا، قربانیوں کا قصور پوچھے گی، یہی سب سوچتے ہوئے وہ نہ جانے کب اس پرشکوہ اور بلند قامت عمارت کے سامنے کھڑی ہوگئی جس کے اوپر ''شاہ بلڈرز'' کا نام پوری شان وشوکت سے جگمگا رہا تھا، وہ ایک گہری سانس لے کر عمارت کے آہنی گیٹ کے اندر داخل ہوگئی، اسے پورا یقین تھا اس کا ربّ اسے کبھی مایوس نہیں کرے گا اور اپنی صلاحیتوں پر اس کو پورا بھروسہ تھا کہ اسے یہاں ضرور اس کی خواہش اور تعلیمی قابلیت کے مطابق ملازمت ضرور ملے گی، یہی سب سوچتے ہوئے وہ "Waitng Room" میں اپنی باری کا انتظار کر رہی تھی کہ ایک دم Peon نے اس کا نام پکارا تو وہ چونکتے ہوئے اٹھی اور کمرے کے اندر داخل ہوگئی، جہاں ''انٹرویو پینل'' میں چار افراد موجود تھے۔

''May i come in sir!'' اس نے اندر داخل ہو کر اعتماد سے کہا تو وہاں موجود اس شخص کے چہرے پر ناگوار تاثر آیا، جو شاید وہاں کا M.D تھا۔

''مس! آپ اندر داخل ہو چکی ہیں تو پھر اجازت کا مطلب؟'' اس نے اس سے سوالیہ انداز میں ناگواری سے پوچھا۔

''کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ مجھے اندر آنے کی اجازت مل جائے گی، اس لیے کہ یہاں آپ ہی نے مجھے انٹرویو کے لیے بلایا تو پھر اجازت کی فارمیلٹی میں پڑنے کا فائدہ..... کیوں ٹھیک کہا ناں میں نے؟'' اس نے پرسکون انداز میں نہ صرف اپنی بات کی وضاحت کی بلکہ وہاں موجود پینیل کے دوسرے افراد سے رائے بھی مانگی، اس سے پہلے کوئی اس کی طرف متوجہ ہوتا، شاذل نے اسے با دل نخواستہ بیٹھنے کے لیے کہا اور اس سے اس کی Qualification وغیرہ پوچھنے لگا۔

''سر! یہ میری C.V موجود ہے، جس میں سب کچھ درج ہے، آپ بجائے مجھ سے پوچھ کر اپنا قیمتی وقت ضائع کریں اس کو دیکھ لیں تو زیادہ بہتر ہے''۔ اس نے خود اعتمادی کے ساتھ جواب دیا۔ جس پر شاذل نے چونک کر پہلی بار اسے غور سے دیکھا اس کی بات پر وہاں موجود باقی تین افراد کے چہروں پر بھی حیرانگی اور بے یقینی کے تاثرات تھے۔ انہوں نے پہلی بار ایسا دیکھا تھا کہ کوئی لڑکی جو کہ انٹرویو کے لیے آئی ہو بجائے Confuse ہونے کے اتنے اعتماد کے ساتھ بات کرے جیسے اسے اپنی صلاحیتوں پر یقین ہو کہ یہ ملازمت اسے ضرور مل جائے گی۔ شاذل نے سر جھٹکتے ہوئے اس کی C.V پر ایک نظر ڈال کر اپنے برابر بیٹھے ایک شخص کے حوالے کر دی، جس کے لبوں پر اب دبی دبی مسکراہٹ تھی۔

''حمزہ! ان کی C.V دیکھو اور انہیں بتا دو کہ یہ اب جا سکتی ہیں ہم جلد ہی انہیں مطلع کر دیں گے''۔ اس سے پہلے وہ مزید اپنی بات مکمل کرتا اس نے کھڑے ہونے کے بجائے حمزہ سے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''OK سر! مجھے آپ کی Call کا انتظار رہے گا، اور مجھے یقین ہے کہ یہ انتظار زیادہ طویل نہیں ہوگا، اس یقین کے ساتھ کہ جلد ہی آپ سے ملاقات ہوگی، اس فرم کی ایک "honorable post" کے appointment کے ساتھ''۔ یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل گئی، اس کے چہرے پر ایک خاص اطمینان اور لبوں پر مسکراہٹ تھی اسے پتہ تھا کہ اس کے پیچھے نہ صرف باقی افراد بلکہ وہ شخص بھی یقیناً حیرانگی اور بے یقینی کی کیفیت میں ہوگا۔

''Ok! منیجر صاحب! آپ دونوں اب جا سکتے ہیں، میرا خیال ہے اب Interview کا ٹائم ختم ہو چکا ہے، باقی ہم کل decide کریں گے''۔ شاذل نے اپنی اندرونی کیفیت کو دباتے ہوئے interview pannel میں شامل ان دونوں افراد سے کہا۔

''مگر سر....!''

''میں نے کہا ناں منیجر صاحب! ہم کل بات کریں گے''۔ اس نے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''Alright سر! جیسے آپ کی مرضی''۔ وہ دونوں افراد شاید اس کا موڈ سمجھ گئے تھے اس لیے خدا حافظ کہہ کر باہر چلے گئے، حمزہ جو نہ صرف اس فرم کا

G.M بلکہ اس کا جگری دوست بھی تھا، اس وقت اس کی کیفیت کو سمجھ رہا تھا، شاذل جو کہ امریکہ سے حال ہی میں M.BA کی ڈگری لے کر لوٹا تھا اور اب اپنے چچا اور والد کے بزنس کو سنبھال رہا تھا، وہ اپنی فرم کو موڈریٹ کرنا چاہتا تھا یہ انٹرویو بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی، آج تک اس کی غیر معمولی شخصیت اور ذہانت کے آگے کسی کو اتنے اعتماد سے بات کرنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی اور آج ایک معمولی ملازمت کے لیے آنے والی اس لڑکی نے جس اعتماد کے ساتھ اس سے بات کی وہ اس کے مزاج کے خلاف تھا۔

''کول ڈاؤن یار! وہ ایک Candidate تھی اور بس۔ تم کیوں اتنی ٹینشن لے رہے ہو؟ ویسے ایک بات ہے وہ لڑکی نہ صرف اپنی باتوں سے بلکہ اپنی شخصیت سے بھی پُراعتماد لگتی ہے اور تم اس کا C.V ریکارڈ دیکھو Metric سے M.BA تک فرسٹ پوزیشن لی ہے، لیکن اگر تم نہیں چاہتے تو کوئی بات نہیں''۔ حمزہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''ہاں کہو''۔ حمزہ کو اس کے لہجے کے غیر معمولی پن کا اندازہ ہوا۔

''تم اسے کل صبح ہی Appointmnet Letter بھیجو C.V میں موجود اس کے Demand Salary Package کے ساتھ، بلکہ اسے آفس کی طرف سے Pick & Drop کی سہولت بھی مہیا کرو''۔ اس نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''مگر شاذل....!'' حمزہ نے کچھ کہنا چاہا۔

''میں نے کہا ناں میں کل ہی اس لڑکی کو اس آفس میں اپنے سامنے اکاؤنٹ منیجر کی Post کے ساتھ دیکھنا چاہتا ہوں، یہی کہا تھا ناں اس لڑکی نے؟'' اس نے حمزہ کی طرف تھوڑا جھکتے ہوئے پراسرار انداز میں کہا، حمزہ کو اس کا لہجہ کچھ عجیب سا لگا، مگر اسے معلوم تھا اسے کچھ کہنا بلکہ سمجھانا بے کار تھا، آج ایک لڑکی نے اس کے سامنے اتنی جرأت مندی کا مظاہرہ کیا، جس سے اس کی انا پر کاری ضرب لگی تھی، ورنہ آج تک شاذل جیسے بارعب اور Handsome Personality رکھنے والے کروڑوں کے بزنس کے تنہا وارث کے ساتھ ہر لڑکی ایک لمحے کی قربت کو باعث فخر سمجھتی تھی، حمزہ کو اس اجنبی لڑکی پر ترس آیا، پتہ نہیں اس کی یہ خود اعتمادی اور اپنی ذات کا غرور کیا خراج دے گا، اس نے ایک گہری سانس لی اور کمپیوٹر پر اس کا Appointment Letter ٹائپ کرنے لگا۔

☆............☆............☆

''ایمان... ایمان!'' وہ گہری نیند میں تھی جب اسے اپنی ماں کی آواز سنائی دی۔

''کیا ہوا امی!'' اس نے کسلمندی سے آنکھ کھولی اور اپنی ماں کی طرف دیکھا جن کے ہاتھ میں ایک سفید لفافہ تھا۔

''یہ کیا ہے امی؟'' اس نے امی سے پوچھا۔

''پتہ نہیں بیٹے! ابھی ابھی Postman دے کر گیا ہے، اللہ خیر کرے، دیکھنا بیٹے! کیا ہے؟'' اس کی ماں نے پریشان ہوتے ہوئے اسے وہ لفافہ دیا۔ ایمان نے جلدی سے کھول کر دیکھا، اس کی توقع کے عین مطابق ''شاہ بلڈرز'' کی طرف سے Appointmnet Letter تھا، اس کے لبوں پر ایک خوبصورت مسکراہٹ آ گئی۔

''ارے امی! ڈرنے کی کوئی بات نہیں یہ میرا Letter ہے، مجھے Job مل گئی ہے، اب ہمارے

تکلیفوں کے دن ختم''۔اس نے خوشی سے اپنی ماں کے ہاتھوں کو چومتے ہوئے کہا، یہ سن کر اس کی ماں کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو نکل گئے۔

''اے اللہ! تیرا شکر ہے، تُو نے میری بچی کو اس کی ریاضتوں کا صلہ عطا کیا''۔کہہ کر انہوں نے اسے اپنے گلے لگالیا۔

''میں شکرانے کے نفل ادا کرلوں، پھر مٹھائی لاکر سارے محلے میں تقسیم کرتی ہوں، جب تک تم بھی جلدی سے تیار ہوجاؤ، آج پہلا دن ہے وقت پر جانا چاہیے، اس سے اچھا اثر پڑے گا''۔اس کی ماں نے اس کا ماتھا چومتے ہوئے خوشی سے کہا۔

''ok امی! جیسا Boss کا حکم، کیونکہ میری تو اصل Boss آپ ہیں، جس نے قدم قدم پر میری رہنمائی کی، ابو کی بے وفائی کے بعد اکیلے میرے لیے ہر تکلیف اٹھائی''۔اس نے اداس ہوتے ہوئے کہا۔

''اچھا بس بس....میری بیٹی خود بہت اچھی اور بہادر ہے، جب ہی تو اس کو انعام میں اتنی اچھی ملازمت ملی، چلو اب تیار ہوجاؤ''۔اس کی ماں نفل ادا کرنے اندر بڑھ گئیں جبکہ وہ خود تیار ہونے لگی، ایک نئے ارادے اور عزم کے ساتھ یہ اس کی پہلی کامیابی تھی، ابھی اسے اپنی منزل تک پہنچنا تھا، جس کے لیے ہمت اور صبر کی ضرورت تھی۔

☆.....☆.....☆

''چچا جان! آپ اٹھ گئے؟'' شاذل نے ڈائننگ ٹیبل پر شاہنواز صاحب کو دیکھا تو جلدی سے آگے بڑھ آیا۔

''ہاں برخوردار! تم نے تو سب کچھ سنبھال کر ہمیں تو کسی قابل نہیں چھوڑا، بس ٹی وی اور کتابوں سے دل بہلاتے ہیں، آج سوچا کیوں نہ جاگنگ کی جائے اور پھر تمہارے ساتھ زبردست سا ناشتہ کیا جائے''۔شاہنواز صاحب نے اپنے خوبرو بھتیجے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہوں....گڈ آئیڈیا! ویسے آپ اب بھی اتنے ہی Young اور Active ہیں کہ میرے چچا کم دوست زیادہ لگتے ہیں''۔شاذل نے سلائس پر جیم لگاتے ہوئے کہا تو شاہنواز صاحب ہنسنے لگے۔

''ویسے تمہارا بزنس کیسا جارہا ہے؟''

''اے ون، اور میں نے باہر سے کچھ جدید مشینیں بھی منگوائی ہیں، جلد ہی ایک نئے پروجیکٹ پر کام شروع ہونے والا ہے، آپ دیکھیے گا جلد ہی آپ اور بابا کا لگایا ہوا یہ ''شاہ بلڈرز'' ترقی کی بلندی تک پہنچ جائے گا''۔شاذل نے ایک نئے عزم کے ساتھ کہا، اس کے ساتھ ہی وہ لڑکی اسے یاد آگئی جسے اس نے صرف اور صرف اپنی انا پر چوٹ لگنے سے ملازمت دی تھی، اگرچہ وہ بھی اس کی ذہانت اور صلاحیتوں سے متاثر تھا مگر.....!

''ارے برخوردار! کہاں کھو گئے، چائے پیو ٹھنڈی ہورہی ہے''۔

''ہوں....ہاں!'' شاذل نے چونکتے ہوئے اپنے چچا کی طرف دیکھا۔

''چچا جان! میں نے کچھ نیا اسٹاف بھی رکھا ہے کل بڑی عجیب بات ہوئی، ایک لڑکی ملازمت کے سلسلے میں انٹرویو کے لیے آئی، مگر نہ تو اس نے کوئی سوال کرنے دیا نہ ہی ملازمت کے لیے کوئی ریکویسٹ کی، وہ تو ایسے بات کررہی تھی جیسے جاب لینے نہیں بلکہ دینے آئی ہے''۔شاذل نے اپنے دوست جیسے چچا سے اپنی کیفیت شیئر کی۔

''اچھا....!'' شاہنواز صاحب نے اس کی طرف شرارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''لڑکی بہت خوبصورت بھی ہوگی، کہیں ہمارے بیٹے نے Job کے ساتھ دل وِل تو نہیں دے دیا؟''

''اوہ....کم آن چچا جان! آپ مجھے اتنا دل پھینک سمجھتے ہیں، ملازمت تو میں نے اسے دے دی، لیکن وجہ دل وِل نہیں بلکہ کچھ اور ہے، خیر مجھے دیر ہورہی ہے، میں اب چلتا ہوں آپ بھی دوا لے کر آرام کریں شام میں ملاقات ہوگی Ok take care''۔یہ کہہ کر وہ شاہنواز صاحب کو کچھ مزید کہے بغیر اپنا بریف کیس اور لیپ ٹاپ لے کر باہر نکل گیا۔

''یہ لڑکا بھی ناں، بالکل موڈی ہے، ایک منٹ میں اپنی ذات کے خول میں بند ہوجانے والا، اللہ میرے بچے کی حفاظت کرنا، میرا اب اس کے علاوہ کوئی نہیں ہے، یہی میرے مرحوم بھائی کی آخری نشانی ہے''۔اپنے بھائی اور اس کے ساتھ کسی اور کو بھی یاد کرکے ان کی آنکھیں آبدیدہ ہوگئیں۔

''Hello Every Body!'' شاذل جیسے ہی آفس میں داخل ہوا حسب عادت سب اسٹاف کو سلام کیا یہ اس کی ہمیشہ کی عادت تھی، اس کے اخلاق اور شاندار پرسنالٹی کی وجہ سے اس کا پورا اسٹاف اسے نہ صرف پسند کرتا تھا، بلکہ اس کا دل سے احترام بھی کرتا تھا، شاذل بھی اپنے اسٹاف کا ان کی رائے کا ہمیشہ خیال رکھتا تھا، اس نے اپنے اردگرد نظر دوڑائی تو اسے اپنی فرم ایک اور نئے چہرے کا اضافہ نظر آیا، وہ آگے بڑھ کر اس کی Table تک آیا۔

''Hello Miss Eman! کیسا لگا آپ کو آفس کا پہلا دن اور اسٹاف؟'' اس نے خوش گواری سے پوچھا۔

''Better سر! اسٹاف تو بہت اچھا ہے، مگر آفس میں خاص کر Account Section میں کچھ تبدیلی کی ضرورت ہے، میرا مطلب کچھ نئے اور جدید پروسیس کی جس کے ذریعے ہمارا رابطہ Foreign Country سے اپ ٹو ڈیٹ رہے''۔ایمان نے اسی اعتماد کے ساتھ جواب دیا جو اس کا خاصہ تھا، مگر شاذل کے لیے یہ جواب اس کی توقع کے برخلاف تھا، وہ چونکے بنا نہیں رہ سکا، مگر جلد ہی اس نے اپنے چہرے کو نارمل کیا اور کہا۔

''ok مس ایمان! آپ کو رکھنے کا مقصد بھی یہی ہے، اب دیکھنا ہے کہ آپ باتوں کے علاوہ عملی طور پر اس فرم کے لیے کیا کچھ کرسکتی ہیں؟'' شاذل نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''او کے فائن! آپ مجھے ہمیشہ بہتر پائیں گے انشاء اللہ! میں اس فرم کے لیے وہ کچھ کروں گی جو آپ کی سوچ سے بڑھ کر ہوگا''۔ایمان نے عزم کے ساتھ اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔شاذل نے چونک کر اس لڑکی کی طرف دیکھا بھی تھا، مگر اس کے چہرے پر اپنی خوبصورتی کا احساس نہیں بلکہ اپنی ذات کا غرور تھا، شاذل نے آج غور سے دیکھا اس کے چہرے پر پاکیزگی اور معصومیت تھی جو اس کی باتوں اور لہجے کے برعکس تھی، نہ جانے شاذل کو یہ چہرہ کچھ جانا پہچانا لگا، پھر سر جھٹکتے ہوئے وہ اس سے مخاطب ہوا۔

''او کے، بیسٹ آف لک! آپ جب چاہیں حمزہ یا مجھ سے مدد لے سکتی ہیں، حمزہ یہاں کے G.M ہیں وہ آپ کو گائیڈ کریں گے''۔یہ کہہ کر وہ اپنے روم میں بڑھ گیا، جہاں حمزہ اس کا انتظار کررہا

تھا۔

''Good Morning!'' حمزہ نے خوشدلی سے کہا۔

''مس ایمان سے ملاقات ہوئی تیری؟'' حمزہ نے اس سے پوچھا۔

''ہاں ہوگئی ہے، i think she is perfect for this post''۔ شاذل نے کہا تو حمزہ حیران ہوئے بغیر نہیں رہا۔

''یعنی شاذل شاہ اور کسی لڑکی سے پہلے دن ہی اتنے متاثر..... خیریت تو ہے بھائی! کہیں کوئی اور معاملہ تو نہیں؟ ویسے مس ایمان ہے بہت خوبصورت''۔ حمزہ نے اسے تپاتے ہوئے کہا۔

''Shut up! حمزہ! کبھی اپنی بے تکی باتوں کے علاوہ کوئی کام کی بات بھی کرلیا کرو، جاؤ وہ جاپان کی کمپنی کی فائل لے کر آؤ، اسے آج ہی مکمل کرنا ہے''۔

''Yes Boss!'' حمزہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور خلاف معمول مزید کچھ کہے بغیر وہاں سے چلا بھی گیا۔

''یہ مجھے کیا ہو رہا ہے، یہ لڑکی جسے میں نے ایک چیلنج سمجھ کر ملازمت دی، وہ میرے حواسوں پر اس قدر کیوں چھا رہی ہے، اس کے چہرے کی پاکیزگی اس کے کردار کی مضبوطی مجھے کچھ غلط کرنے سے کیوں روک رہی ہے؟ کیا مجھے ایسی ہی لڑکی کی تلاش تھی؟ جو اپنے کردار اور ذات میں ایسا غرور رکھتی ہو کہ کوئی اس کو فتح نہ کرسکے، ہاں! مجھے ایسی ہی لڑکی کی تلاش تھی، حمزہ! تم نے ٹھیک اندازہ لگایا، میں کل سے خود اپنی سوچ سے بھاگتے بھاگتے تھک گیا ہوں، اعتراف کرتا ہوں میں اور میرا دل دونوں، ایمان جیسی مضبوط کردار کی لڑکی پر ایمان لے آیا، میں اس کے ساتھ کوئی بے ایمانی کر بھی نہیں سکتا''۔ اپنی دلی کیفیات پر وہ خود حیران تھا، مگر اسے یہ شکست بھی اپنی جیت لگ رہی تھی، اسی بے خودی میں اس نے ایمان کو اپنے آفس میں طلب کرلیا۔

''جی سر! آپ نے مجھے بلایا، اس بے وقت کال کی وجہ پوچھ سکتی ہوں؟'' ایمان کا لہجہ ویسا ہی پرغرور اور بارعب تھا، مگر اب شاذل کے دل کی حالت بدل چکی تھی، اسے اب اس کا انداز برا نہیں لگا، اسے یعنی شاذل شاہ کو ایمان جیسی مضبوط لڑکی ہی شکست دے سکتی تھی، آج شاذل ہار گیا، اس معمولی لڑکی کے آگے ہار گیا، مگر اپنے جذبوں کو اس نے سنبھال کر مناسب وقت کے لیے رکھا خود کو کمپوز کرکے کہا۔

''بیٹھیے مس ایمان!'' ایمان نے چونکتے ہوئے اس کے نرم لہجے پر غور کیا ورنہ ہمیشہ اسے یہ مغرور شخص اپنی ہی ذات میں گم اور انا پرست لگا تھا۔

''جی سر! کہیے کیا کہنا ہے، مجھے حمزہ صاحب کے ساتھ فائل آج ہی مکمل کرنی ہے''۔ اسے کچھ جتلاتے ہوئے کہا تو شاذل کو بھی بروقت اس سے بات کرنے کا بہانہ مل گیا۔

''ہاں مس ایمان! میں آپ سے اسی سلسلے میں بات کرنا چاہ رہا تھا، یہ فائل ہمارے بزنس کے لیے بہت اہم ہے، یوں سمجھ لیں یہ آپ کے لیے پہلا چیلنج ہے، اپنی صلاحیتوں کو ثابت کرنے کا''۔ شاذل نے اپنے پرانے انداز میں لوٹتے ہوئے کہا کیونکہ ابھی اسے اس کا اعتماد بحال کرنا تھا خود پر، جب تک وہ اپنے جذبوں کو آشکار نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''او کے شاذل صاحب! آپ مطمئن رہیں میں نے کہا ناں آپ مجھے اپنی توقعات سے بڑھ کر

بہتر پائیں گے''۔ اس نے شاذل کو سر کی بجائے صاحب کہا تو اسے حیرانگی نہیں ہوئی، اس جیسی ارادوں میں پختہ عزم رکھنے والی لڑکی سے کچھ بھی توقع کی جاسکتی تھی، وہ مسکرانے لگا۔

''ٹھیک ہے مس ایمان! آپ جائیں اور اپنا کام کریں، آپ کو ڈسٹرب کرنے پر سوری!'' شاذل نے نرمی سے نارمل لہجے میں جواب دیا تو اس بار ایمان چونکے بنا نہیں رہ سکی، پھر اپنے سر کو جھٹک کر باہر آگئی، اس کے خیال میں یہ بھی اپنی طرف متوجہ کرنے کا کوئی ارادہ تھا، اس نے چونکہ شروع سے اس کو زیادہ اہمیت نہیں دی، اپنے کام سے کام رکھا، اس لیے شاید یہ راغب کرنے کا کوئی دوسرا طریقہ تھا۔

''ہونہہ..... go to hell، میں کیوں اس کے بارے میں اتنا سوچ رہی ہوں، یہ سارے مرد ہوتے ہی ایسے ہیں، دل پھینک، انا پرست، عورت کے جذبات سے کھیلنے والے اور پھر انہیں تنہائی میں زمانے کے رحم و کرم پر چھوڑنے والے''۔ اسے اپنی ماں کے کرب اور اپنے بے وفا باپ کا خیال آیا تو اس نے دکھ سے سوچا۔

''مگر میں شاذل شاہ! تمہیں کوئی ایسا کھیل نہیں کھیلنے دوں گی، میں اپنی ماں کی طرح سیدھی اور معصوم نہیں جسے کوئی بھی بیوقوف بنا کر چلا جائے''۔ یہ کہہ کر وہ سر جھٹک کر کمپیوٹر کی طرف متوجہ ہوگئی جہاں ڈھیروں فائل اس کی توجہ کی منتظر تھیں، اور پھر وقت گزرنے کا اندازہ ہی نہیں ہوا۔

☆.....☆.....☆

''السلام علیکم امی جان!'' وہ خوشی سے ڈھیروں شاپر لے کر اندر داخل ہوئی۔

''آ گئی میری بہادر بیٹی! اوہو..... آج تو میری بیٹی بہت خوش دکھائی دے رہی ہے، اتنی ڈھیر ساری شاپنگ!'' اس کی ماں نے کمرے میں آتے ہوئے کہا۔

''وہ امی جی! آج مجھے سیلری ملی ہے ناں، بس اس لیے دل چاہا کہ آپ کے لیے کچھ خریدا جائے، یہ دیکھیں یہ براؤن شال.... کتنی خوبصورت ہے، میری سونیٹ امی پر خوب جچے گی''۔ اس نے انہیں اوڑھاتے ہوئے کہا تو وہ ہنس دیں۔

''اور یہ دیکھیں لان کے یہ دونوں سوٹ.... گرمیاں شروع ہو رہی ہیں ناں تو آپ کے لیے''۔

''ارے، ارے.... اپنے لیے بھی کچھ لیا ہے یا نہیں؟'' انہوں نے پیار سے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

''جی جناب! یہ میرے لیے دو لان کے سوٹ اور وصی شاہ کی نئی شاعری کی کتاب''۔ اس نے ماں کے سامنے بیگ کھولتے ہوئے کہا۔

''بس دو سوٹ.... ارے بیٹا! تم میں تو لڑکیوں والے کوئی شوق ہی نہیں، اتنی سادگی؟ یہی تو عمر ہے تمہارے پہننے اوڑھنے کی بیٹا! اپنے اوپر بھی توجہ دیا کرو، بس اب کوئی اچھا شریف لڑکا دیکھ کر تمہاری شادی کردوں گی''۔

''نہیں امی جان! مجھے کوئی شادی وادی نہیں کرنی، پھر کوئی میرے باپ جیسا مرد ہماری زندگی میں آئے مجھے یہ گوارہ نہیں''۔ اس نے ناگواری سے کہا۔

''مگر بیٹا.....!''

''بس امی جان! اب اس موضوع پر کوئی بات

نہیں ہوگی، جلدی سے بتائیں کیا پکایا ہے؟ بہت زوروں کی بھوک لگی ہے، ہم دونوں ماں بیٹی اپنی اس چھوٹی سی جنت میں بہت خوش ہیں، ہمیں کسی اور کی ضرورت نہیں، بس میں ابھی چینج کر کے آتی ہوں، پھر ہم ماں بیٹی مل کر کھانا کھائیں گے''۔ اس نے بات ختم کرتے ہوئے کہا تو انہوں نے بھی مزید یہ سوچ کر کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر دیا کہ وہ اسے باتوں باتوں میں طریقے سے سمجھائیں گی تو وہ سمجھ جائے گی۔

''بس کوئی اچھا، شریف لڑکا میری بیٹی کے نصیب کے ساتھ جڑ جائے جو اس کی ساری محرومیاں دور کر دے، تو خود بخود اعتبار کرنے لگے گی''۔ یہی خیال کرتے ہوئے وہ اندر کچن میں کھانا لینے چلی گئیں۔

صبح جب وہ سو کر فریش ہو کر کمرے میں آئی تو اپنی ماں کو کمرے میں دیکھ کر چونک گئی۔

''ارے امی! اتنی صبح میرے کمرے میں، اگر کوئی کام تھا تو بتا تیں؟''

''ہاں بہت ضروری اور اہم کام تھا''۔ امی نے اس کا ماتھا چومتے ہوئے کہا۔

''میری بیٹی کو اس کی سالگرہ بہت بہت مبارک ہو، اللہ تمہیں لمبی عمر اور ڈھیروں خوشیاں اور کامیابیاں دے (آمین!)''۔ تو اسے یاد آیا آج اس کی سالگرہ ہے، پھر اپنی ماں پر پیار آیا۔

''I love you مائی سوئیٹ امی! آپ دنیا کی سب سے اچھی امی ہیں''۔

''بس، بس میری بیٹی بھی کسی سے کم نہیں اور یہ رہا تمہارا گفٹ''۔ انہوں نے ایک پیکٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا، جسے اس نے محبت سے تھام لیا۔

''ویسے اس میں ہے کیا، اگر مادام! آپ کی اجازت ہو تو کھول کر دیکھ لوں؟''

''بالکل، نہ صرف دیکھنا ہے بلکہ آج تم یہ سوٹ پہن کر آفس جاؤ گی''۔ اس نے پیکٹ کھولا تو اس میں پنک اور سفید کلر کا بہت خوبصورت لانگ شرٹ اور ٹراؤزر تھا اور اس کے ساتھ میچنگ جیولری بھی تھی۔

''واؤ.....!''

''پسند آیا میری بیٹی کو؟''

''بہت زیادہ، میری امی کی چوائس تو ہے ہی اعلیٰ، میں ابھی تیار ہو کر آتی ہوں''۔ اس نے انہیں پیار کرتے ہوئے کہا۔

''بالکل، پھر میں اور میری بیٹی مل کر کیک کاٹیں گے''۔ یہ کہہ کر وہ اپنے روم میں چلی گئیں، آج اس کا بھی بہت دنوں بعد اپنی ماں کی خوشی کے لیے تیار ہونے کا دل چاہ رہا تھا، اس نے تیار ہو کر آئینے میں دیکھا تو خود بھی اپنا یہ نیا روپ دیکھ کر حیران رہ گئی، میک اپ کی تو اس کے بے داغ حسن کو ضرورت نہیں تھی، جب باہر آئی تو اس نے اپنی ماں کو کیک اور دیگر لوازمات کے ساتھ منتظر پایا۔

''اوہو..... آج تو میری عید ہوگئی''۔ ابھی وہ یہ کہہ ہی رہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوگئی۔

''اتنی صبح صبح کون.....؟ رکیں امی جان! میں دیکھتی ہوں، شاید دودھ والا ہو''۔ یہ کہہ کر وہ دروازے پر گئی تو وہاں کوریئر سروس والے کو دیکھ کر حیران رہ گئی، جہاں وہ تازہ پھولوں کا بکے لیے اس کا منتظر تھا۔ اس نے الجھن کے ساتھ وصول کیا اور یہ سوچتے ہوئے اندر آ گئی۔

''یہ کس نے بھیجا ہے؟'' جبکہ اس کا تو کوئی دوست بھی نہیں۔

''ارے ..... یہ کس نے بھیجا ہے؟'' امی بھی حیران ہو کر پوچھنے لگیں۔

''پتہ نہیں امی! کارڈ پر تو کوئی نام بھی نہیں''۔ اس نے الجھن کے ساتھ کارڈ کھولا تو اس کی نظر ان خوبصورت الفاظ پر پھسل گئی۔

''دنیا کی سب سے اچھی لڑکی کو جنم دن مبارک! دعا گو''۔ مگر بھیجنے والے کا نام ندارد۔ اسی الجھن میں اس نے کیک کاٹا اور جلدی جلدی ناشتہ کر کے اپنی ماں کی دعائیں لے کر آفس کی طرف روانہ ہوگئی۔

☆.....☆.....☆

''صبح بخیر چچا جان!'' شاذل نک سک سے تیار ہو کر نیچے آیا تو چچا اس کو دیکھ کر مسکرائے۔

''اوہو..... آج تو خاص تیاری ہے، کون ہے بھئی! وہ جس کے لیے صاحبزادے خوشبو میں نہائے آفس میں جا رہے ہیں؟''

''وہ چچا جان! آج ایمان کی سالگرہ ہے''۔

''اوہو..... تو یہ بات ہے، ہم نے تو پہلے ہی دن کہا تھا، مگر برخوردار ماننے کو تیار ہی نہیں تھے''۔ شاذل کی بات کو انہوں نے پکڑتے ہوئے اس کے کان پکڑ کر کہا، تو شاذل سر کھجا کر رہ گیا کیونکہ بے خیالی میں اس کے منہ سے سچ نکل گیا تھا، مگر اب ان سے کچھ بھی چھپانا بے سود تھا، لہٰذا اس نے ان کے سامنے اپنے دلی جذبات کا اظہار کر دیا۔

''چچا جان! آج اس کی سالگرہ ہے، اسے میں نے TCS کے ذریعے Wish بھی کیا ہے''۔

''کیا اسے معلوم ہے؟''

''ارے نہیں چچا جان! وہ لڑکی نہیں ماؤنٹ ایورسٹ ہے، اگر اسے میرے ارادوں کا پتہ چل گیا ناں تو دوسرے دن ہی Resign دے کر چلی جائے گی اور میں اس کے فراق میں کنوارہ ہی رہ جاؤں گا''۔ اس نے مصنوعی آہ بھرتے ہوئے کہا تھا، تو وہ بھی ہنس دیئے۔

''ارے برخوردار! ابھی سے تھک گئے، ہماری دعائیں تو تمہارے ساتھ ہیں، انشاء اللہ تم ایک دن یہ ایورسٹ سر کر لو گے، بس دعا ہے کہ تمہاری محبت ہماری طرح نہ بچھڑے''۔ وہ اپنی وفادار بیوی اور بیٹی کو یاد کر کے اداس ہو گئے۔

''تمہیں پتہ ہے شاذل! آج ہماری شادی کی بھی سالگرہ ہے، آج وہ پورے 22 برس کی ہوگئی ہوگی، پتہ نہیں وہ دونوں کہاں اور کس حال میں ہوں گی، ایک بار، بس ایک بار مل جائیں تو ہم اپنے جرم کی معافی مانگ لیں، اور سکون سے مر سکیں''۔ انہوں نے حسرت سے کہا تو شاذل پریشان ہو گیا۔

''ارے چچا! آپ تو اتنے بہادر ہیں، آپ نے جو کچھ کیا دادا جان کے فیصلے سے مجبور ہو کر اور ان کی زندگی بچانے کے لیے کیا، انشاء اللہ وہ ضرور ملیں گی اور پھر ساری غلط فہمی دور ہو جائے گی''۔ اس نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''آمین..... بیٹے! بس تمہارا ہی سہارا ہے، اللہ تمہیں لمبی عمر دے، چلو اب ناشتہ کر کے آفس جاؤ، وہاں ایمان کو wish بھی تو کرنا ہے''۔ انہوں نے خود پر قابو پاتے ہوئے شرارت سے کہا تو وہ بھی ہنس دیا اور پھر ان کی دعائیں اور پیار لے کر آفس روانہ ہوا، جیسے ہی وہ آفس پہنچا تو وہاں اس دشمن جاں کو ایک نئے روپ میں سجے سنورے دیکھ کر خوشی سے

حیران رہ گیا، اس نے اس کا فیورٹ کلر پہنا تھا اسے لگا کہ آج سے پہلے شاید Pink کلر اتنا خوبصورت نہیں تھا، جتنا کہ آج لگ رہا تھا۔ حمزہ بھی اس کی اس حالت کو دیکھ کر چونک گیا اور پھر گلا کھنکھار کر اسے متوجہ کیا۔ وہ اپنے خیال سے چونکا اور جھینپ کر اپنے روم میں روانہ ہوا، پیچھے حمزہ بھی اس کے ساتھ آیا اور فوراً اس کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

''چل اب بتا دے، کیا ہے یہ سب؟ اتنی نری سے بات کرنا، اس کی سالگرہ پر اسے wish کرنا''۔ شاذل جو اسے نظر انداز کر رہا تھا اس کی یہ بات سن کر چونک کر رہ گیا اور حیران ہوتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''ابھی چچا جان کا فون آیا تھا، انہوں نے مجھے سب بتا دیا ہے، وہ اس لڑکی سے ملنا چاہتے ہیں''۔ حمزہ نے ناراض ہوتے ہوئے کہا، اسے اس بات کا دکھ تھا کہ شاذل نے اس سے چھپایا جبکہ ان دونوں کے درمیان کوئی بات کبھی راز نہیں رہی۔

''ارے یار! ناراض کیوں ہوتا ہے، مجھے خود اپنی دلی کیفیت کا اندازہ صحیح سے نہیں تھا تو تجھے کیا بتاتا؟ اب تجھے سب پتہ چل گیا ہے ناں؟''

''کیا....؟'' حمزہ نے برجستہ پوچھا تو شاذل اس کی شرارت سمجھ کر مسکرانے لگا۔

''ویسے ایمان ایک اچھی اور سلجھی ہوئی لڑکی ہے، ذرا خیال رکھنا کہ اس کا اعتبار نہ ٹوٹے''۔

''ارے یار! تُو نے اپنے دوست کو ایسا ویسا سمجھا ہوا ہے، مجھے اس کا اعتبار ہی تو بحال کرنا ہے، ایسا لگتا ہے اسے مردوں سے سخت چڑ ہے، جب ہی اس کا رویہ ہمارے ساتھ خاص کر میرے ساتھ لیا دیا رہتا ہے، خیر! ہم بھی کسی سے کم نہیں، اپنا نام نہ جوڑا اس کے نام کے ساتھ تو شاذل شاہ کسی کام کا نہیں''۔ حمزہ اس کی بات سن کر ہنسنے لگا۔

''چل میری نیک تمنائیں تیرے ساتھ ہیں، ویسے آج ایک خوش خبری اور بھی ہے''۔

''وہ کیا؟'' شاذل نے بھی برجستہ پوچھا تو حمزہ ہنسنے لگا۔

''وہ ہماری جاپان والی Deal فائنل ہوگئی ہے اور یہ سارا کریڈٹ ایمان بھابی کو جاتا ہے''۔ شاذل اس کے بھابی کہنے پر ہنس پڑا۔

''مروامت دینا یار! کہیں اس کے سامنے غلطی سے بھی نہ کہہ دینا''

''تُو بے فکر رہ، مجھے اپنی عزت تجھ سے زیادہ پیاری ہے''۔

''میں اندر آ سکتی ہوں، اگر آپ لوگ Busy نہ ہوں تو؟'' اور ہمیشہ کی طرح اندر آ کر ان کے جواب کا انتظار کیے بغیر کرسی پر بیٹھ گئی تو حمزہ، شاذل کو دیکھ کر مسکرانے لگا، وہ بھی مسکرا دیا۔

''جی مس ایمان! مبارک ہو، ہماری جاپان والی ڈیل پکی ہوگئی ہے، آپ نہیں جانتیں اس سے ہماری کمپنی کو کتنا فائدہ ہوگا''۔

''میں جانتی ہوں سر! آپ وہ بات کہیں جو کہنا ہے، مجھے ابھی کمپیوٹر پر ڈیٹا بھی Feed کرنا ہے''۔ اس کی بات کاٹتے ہوئے اس نے کہا تو حمزہ کو اپنی ہنسی روکنا دشوار ہوگئی، اور شاذل.... وہ تو یہ جواب سن کر وہ بھی حمزہ کے سامنے .... ٹپ کر رہ گیا، مگر نارمل ہوتے ہوئے اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''جی تو فرم آپ کو اس خوشی میں گاڑی اور پروموشن دیتی ہے''۔ یہ کہہ کر اس نے اس کی طرف

دیکھا کہ شاید وہ اتنی بڑی آفر سن کر حیران رہ جائے گی، مگر اس نے کہا تو صرف اتنا۔

''یہ پروموشن میرا حق تھا، پھر بھی آپ کا شکریہ!'' یہ کہہ کر وہ اسی خود اعتمادی کے ساتھ اٹھی اور باہر چلی گئی، حمزہ جو کب سے ہنسی دبائے بیٹھا تھا ایک دم ہنس دیا تو شاذل مزید تپ گیا، مگر پھر وہ بھی ہنسنے لگا۔

''دیکھا میری پسند کوئی غیر معمولی لڑکی نہیں''۔

''واقعی بیٹا جی! یہ تو وقت بتائے گا، اللہ تجھ پر اور تیرے مستقبل پر رحم کرے''۔ یہ کہہ کر وہ پھر ہنسنے لگا تو شاذل بھی مسکرانے لگا۔ اتنے میں ایمان حواس باختہ سی پھر آفس میں داخل ہوئی اور حمزہ سے مخاطب ہو کر کہنے لگی۔

''سر! ابھی ابھی میرے پڑوس سے فون آیا ہے، میری والدہ کی طبیعت ٹھیک نہیں، مجھے ابھی گھر جانا ہے''۔

''ارے، ارے مس ایمان! ریلیکس کچھ نہیں ہوگا آپ کی والدہ کو''۔ حمزہ نے اسے تسلی دی تو شاذل بھی چونک کر آگے بڑھا، اس نے پہلی بار اتنی مضبوط قوت ارادی کی مالک لڑکی کو روتے ہوئے دیکھا تھا، یقیناً ماں جیسی عظیم ہستی خوش نصیبوں کے پاس ہوتی ہے۔

''سر پلیز! مجھے ڈرائیور سے گھر چھڑوا دیں، میرا اپنی والدہ کے علاوہ کوئی اس دنیا میں نہیں، وہی میرا واحد سہارا ہیں، پلیز اگر انہیں کچھ ہوگیا تو....!'' اس سے آگے وہ کچھ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

''ارے مس ایمان! آپ حوصلہ رکھیں، انہیں کچھ نہیں ہوگا، چلیں میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں''۔ شاذل سے اس کی تکلیف دیکھی نہیں گئی، اس وقت ایمان بھی اپنی ساری انا بھول کر اس کے ساتھ چل دی، گھر پہنچی تو اس کی والدہ بے ہوش تھیں، ان کی پڑوسن ان کے ساتھ تھی۔

''کیا ہوا ہے امی کو؟'' اس نے آگے بڑھ کر پوچھا تو ان کی پڑوسن نے تسلی دی۔

''شاید کچھ بد پرہیزی ہوگئی تھی، جس کی وجہ سے ان کا شوگر ہائی ہوگیا ہے، مگر اب کچھ بہتر ہیں''۔ تو اسے یاد آیا کہ صبح اس کی سالگرہ کی خوشی میں اس کے منع کرنے کے باوجود انہوں نے کیک اور کچھ دیگر میٹھی چیزیں کھائی تھیں یہ اسی بے احتیاطی کا نتیجہ تھا۔

''امی جان! پلیز آنکھیں کھولیں، پلیز میں مر جاؤں گی آپ کے بغیر''۔ اس کے آنسوؤں کا لمس تھا کہ انہوں نے آنکھیں کھول دیں اور اسے دیکھنے لگیں۔

''ارے بیٹا! میں بالکل ٹھیک ہوں، بس ایسے ہی تھوڑا شوگر ہائی ہوگیا تھا، مگر اب میں بہتر ہوں''۔ پھر ان کی نظر شاذل پر پڑی تو اس سے پوچھنے لگیں۔

''یہ کون ہیں؟'' ایمان کو بھی شاذل کا خیال آیا جو دروازے پر ہی کھڑا تھا اور ان کی طرف بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔

''ارے شاذل صاحب! اندر آجائیں''۔ ایمان نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا تو شاذل بھی چونک کر اندر آیا۔

''اب کیسی طبیعت ہے آنٹی!''

''میں ٹھیک ہوں بیٹا! مگر تم کون ہو؟''

''میں ایمان کا M.D یعنی Boss ہوں، بس آپ کی طبیعت کا سن کر یہ پریشان ہوگئی تھیں تو ان کو اکیلے بھیجنا مناسب نہیں سمجھا''۔ اس نے اپنا تعارف کرواتے ہوئے کہا تو انہوں نے کہا۔

''ارے بیٹا! یہ تو ایسے ہی گھبرا جاتی ہے، اصل میں میرے علاوہ اس کا کوئی ہے نہیں اس لیے''۔

''کیوں ایمان کے والد نہیں ہیں کیا؟ میرا مطلب وہ کہاں ہوتے ہیں؟'' اس نے کچھ پرسوچ انداز میں پوچھا تو ایمان کا وہاں اس ذکر پر کھڑا ہونا محال ہوگیا، وہ چائے بنانے کے بہانے باہر آ گئی۔ وہ بھی خاموش ہوگئیں، تو شاذل نے جلدی سے پوچھا۔

''میرا مطلب تھا ایمان کے والد کا کیا نام ہے؟ اگر آپ برا نہ منائیں تو بتا سکتی ہیں؟'' اس نے بہت احتیاط کے ساتھ پوچھا۔

''شاہنواز علی شاہ''۔ جواب ان کی بجائے اندر آتی ایمان نے دیا۔

''بس اور کچھ....؟ آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے ہماری مدد کی، مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ ہماری ذاتیات میں دخل دیں''۔

''ایمان! یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ یہ ہے میری تربیت....؟ گھر آئے مہمان وہ بھی جو ہمارے محسن ہیں ان کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہیں؟''

''سوری امی! مگر انہیں ہماری ذاتی باتیں جاننے کا کوئی حق نہیں ہے''۔

''Yes مس ایمان! آپ ٹھیک کہتی ہیں، آنٹی! آپ انہیں کچھ نہ کہیں، واقعی غلطی میری تھی، میرا ایسا کوئی حق نہیں''۔ اس نے برا نہیں مانا تھا اس کی بات کا کیونکہ اسے لگا کہ وہ اپنی بات میں حق بجانب تھی، بہرحال وہ اس کا باس ضرور تھا مگر ایک اجنبی شخص تھا، جو اس کے دل کی کیفیت سے بالکل بے خبر تھی۔

''او کے آنٹی! اپنا خیال رکھیئے گا، میں کل پھر آپ سے ملنے آؤں گا، اور مس ایمان! آنٹی کی طبیعت ٹھیک نہیں، کل آپ بھی چھٹی پر ہیں، آنٹی کا اور اپنا خیال رکھیئے گا''۔

''جیتے رہو بیٹا! اس کی بات کا برا نہیں منانا، تم مجھے کسی نیک ماں باپ کی اولاد لگتے ہو، اللہ تمہیں بہت ترقی دے''۔ انہوں نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا، جبکہ ایمان وہاں سے جا چکی تھی۔

''والدین تو میرے حیات نہیں، میری تربیت میرے چچا نے کی وہ بہت ہی نرم مزاج اور ہمدرد انسان ہیں، اپنا خیال رکھیئے گا، اب اجازت!'' یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

وہ دیر تک اس کے بارے میں سوچنے لگیں، ایمان کو بھی رات بھر نیند نہیں آئی، اسے بھی اپنے غلط رویے کا اندازہ تھا، اس نے سوچا کہ وہ کل اس سے اپنے رویے کی معافی مانگ لے گی، اس نے ہمیشہ اس کے ساتھ بدتمیزی کی، مگر اس کا رویہ ہمیشہ دوستانہ اور مخلص رہا، اگر اسے ملازمت نہ ملتی تو آج اس کا گزارا کیسے ہوتا، اور آج کیسے اس نے اس کی ماں کی بیماری کا سن کر نہ صرف تسلی دی بلکہ اس کے ساتھ گھر بھی آیا، یہی سب سوچتے سوچتے اس کا ذہن آج پھول بھیجنے والے کی طرف چلا گیا نہ جانے اسے ایسا لگا کہ یہ ''wishing فلاورز'' شاذل نے بھیجے تھے، یہی سب سوچتے سوچتے وہ کب نیند کی وادیوں میں کھو گئی اسے پتہ نہیں چلا۔ صبح اس کی آنکھ فجر کی اذان سے کھل گئی، اس نے وضو کر کے نماز ادا کی اپنی والدہ کی صحت یابی کی دعا مانگی اور پھر باہر چہل قدمی کرنے لگی، صبح کی ٹھنڈی ہوا اور پرندوں کی چہکار بہت بھلی لگ رہی تھی، پھر اس نے اپنے لیے ناشتہ تیار کیا اور امی کو پرہیزی کھانا کھلایا اور دوا دی۔

ان سے بھی اس نے اپنے کل کے رویے کی معافی مانگی تو وہ خوش ہوگئیں، چونکہ آج اس کو آفس نہیں جانا تھا لہٰذا گھر کی صفائی میں لگ گئی، مگر لاشعوری طور پر اسے شاذل کی آمد کا انتظار تھا۔ وہ خود بھی اپنی اس تبدیلی کی وجہ جاننے سے قاصر تھی، شاید اپنے گزشتہ رویے کا احساس تھا یا پھر کچھ اور....! شام میں وہ اپنی ماں کے پاس بیٹھے ہوئے ہلکی پھلکی باتیں کر رہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی، اس کا دل بڑی زور سے دھڑکا، اس نے نظریں چراتے ہوئے ماں کی طرف دیکھا اور پھر دروازہ کھولنے چلی گئی، جہاں وہ اپنی مکمل وجاہت کے ساتھ کھڑا تھا، مگر ان کے ساتھ کوئی اور ہستی بھی تھی، جسے دیکھ کر وہ چونک گئی۔

''اندر آنے کے لیے نہیں کہیں گی؟''

''ارے نہیں، اندر آ جائیں''۔ اس نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا اور دونوں کو لے کر ڈرائنگ روم میں چلی گئی، اندر جا کر شاذل کی آمد کا بتایا اتنے میں شاذل خود ان کے پاس آ گیا، اس کے ہاتھ میں ڈھیروں پھل کے شاپرز تھے۔

''السلام علیکم آنٹی! اب کیسی ہیں آپ؟''

''میں ٹھیک ہوں بیٹا! مگر اس تکلف کی کیا ضرورت تھی؟''

''ارے آنٹی! بیٹا بھی کہتی ہیں اور غیریت بھی، کیا آپ بھی مس ایمان کی طرح مجھے غیر سمجھتی ہیں؟'' اس نے کن اکھیوں سے ایمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، جو نظریں جھکائے شرمندہ سی کھڑی تھی، اسے یہ لڑکی اور بھی اپنے دل کے قریب لگی، اسے اس کی ذہنی حالت کا اندازہ تھا، جن حالات سے وہ گزری باپ کے ہوتے ہوئے بھی محرومی کی زندگی، اس کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو ایسا ہی کرتا، اسے پہلے بھی اس سے کوئی شکوہ نہیں تھا، اب تو اور بھی اپنی اپنی لگ رہی تھی، وہ اپنے خیال سے چونکا۔

''آنٹی! اگر آپ برا نہ مانیں تو مجھے کسی سے آپ کو ملوانا ہے، اپنے چچا سے''۔

''ارے بیٹا! اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے''۔ پھر وہ انہیں سہارا دے کر ڈرائنگ روم میں لے آیا اندر موجود ہستی کو دیکھ کر جیسے وہ پتھر کی ہوگئیں، سامنے والے کا بھی حال کچھ کم نہیں تھا، بالآخر شاہنواز صاحب کا سکتہ ٹوٹا۔

''زینب.... میری زینب! تم کہاں کھو گئی تھیں؟''

''چھوڑ کر تو آپ ہمیں چلے گئے تھے، اب یہاں کیا لینے آئے ہیں؟ شاذل بیٹے! انہیں کہہ دو کہ یہاں سے چلے جائیں''۔ انہوں نے روتے ہوئے کہا تو شاہنواز صاحب اسے دیکھ کر رہ گئے۔

''آنٹی.... آنٹی! پلیز مجھ پر اعتبار کریں، چچا جان کو میں یہاں لایا ہوں، پلیز یہ بے قصور ہیں، یہ پوری زندگی آپ لوگوں کے لیے تڑپے ہیں، آپ ایک بار مجھ پر اعتبار کر کے ان کی بات سن لیں پھر کوئی فیصلہ کریں، آنٹی! آپ نے مجھے بیٹا کہا ہے ناں، پلیز مجھ پر اعتبار کریں''۔ اس کی بات سن کر وہ نہ چاہتے ہوئے بھی وہاں رکنے پر مجبور ہوگئیں تو شاہنواز صاحب نے ہمت جمع کرتے ہوئے کہنا شروع کیا، ایمان بھی وہاں آ چکی تھی، مگر شاذل نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا، تو نہ جانے وہ آج پہلی بار اس کی بات پر اختلاف نہیں کر سکی، اور نہ چاہتے ہوئے بھی وہاں رکنے پر مجبور ہوگئی، شاہنواز صاحب نے کہنا شروع کیا۔

''زینب! تمہیں معلوم ہے کہ ہم شاہ خاندان میں برادری سے باہر شادی کا رواج نہیں، مگر تم سے

میں نے گھر والوں سے بغاوت کر کے شادی کی، ہم کتنے خوش تھے، پھر ایک سال بعد شانزے پیدا ہوئی تو تم نے مجھے زبردستی بابا جان کے پاس معافی مانگنے بھیجا، مگر بابا جان نے تمہیں اور شانزے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو میں غصے سے واپس آنے لگا، مگر انہوں نے مجھے حویلی سے نکلنے نہیں دیا اور یہ شرط رکھی کہ اگر میں تم دونوں سے دوبارہ کبھی نہیں ملا تو، تو وہ تمہیں زندہ رہنے دیں گے، ورنہ تم دونوں کو قتل کروا دیا جائے گا''۔ یہ سن کر جہاں زینب چونکی وہاں ایمان بھی حیران رہ گئی، مگر ان کے چہرے کے دکھ سے ان کی سچائی کا اندازہ ہو رہا تھا، انہوں نے آگے کہا۔

''زینب! تم نہیں جانتیں، بابا جان کا اثر و رسوخ بہت تھا، وہ صرف دھمکی نہیں تھی، لہٰذا میں تم لوگوں کی محبت کے آگے ہار گیا اور تمہاری سلامتی کے لیے ان کی بات مان لی، مگر ان کے لاکھ اصرار پر دوسری شادی نہیں کی، بالآخر بابا جان اس دنیا سے چلے گئے، پھر دلاور شاہ میرے بھائی، شاذل کے والد نے مجھے سہارا دیا، میں نے تم لوگوں کو بہت ڈھونڈا، بہت تلاش کیا، مگر تم لوگ نہ ملے، اس دن سے میری کوئی رات سکون کی نیند میں نہیں گزری، اب تم بتاؤ میں کیا کرتا؟ ایک طرف بابا کا فیصلہ، دوسری طرف تم لوگوں کی زندگی۔ پلیز زینب! مجھے معاف کر دو''۔ انہوں نے ان کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔

''ہاں چچی جان! معاف کر دیں انہیں، یہ بالکل بے قصور ہیں، میں نے ان کو آپ دونوں کی یاد میں تڑپتے بلکتے دیکھا ہے، ان کے پاس میں نے آپ کی تصویر دیکھی تھی، جب ہی کل میں آپ کو دیکھ کر چونک گیا تھا، اور چچا کو آج یہ سرپرائز دیا، پلیز میری بات پر اعتبار کر کے انہیں معاف کر دیں''۔ تو زینب جو پہلے ہی انہیں دیکھ کر کمزور پڑ گئی تھی، اب یہ معلوم ہونے پر کہ وہ بالکل بے قصور ہیں انہیں کوئی شکوہ نہ رہا۔

''نہیں آپ مجھے گنہگار نہ کریں، مجھے آپ کی صداقت کا یقین ہے''۔ تو شاہنواز صاحب نے ان کا ہاتھ تھام لیا، ان کی نظر ایمان پر پڑی۔

''یہ.... یہ میری شانزے ہے ناں؟ کتنی بڑی ہو گئی ہے، آؤ بیٹا! اپنے باپ کے گلے لگ جاؤ''۔ انہوں نے اپنی بانہیں پھیلا دیں، تو شاذل نے بھی اس کی طرف دیکھا اور ایمان جو پہلے ہی ان کی بات سن کر حقیقت جان چکی تھی، مزید لاتعلق نہیں رہ سکی۔

''بابا جان!'' یہ کہہ کر ان کے گلے لگ کر خوب روئی۔

''بابا! اب تو آپ کہیں نہیں جائیں گے، آپ کی یہ بیٹی آپ کی شفقت کے لیے ترسی ہے، اب تو اس سائبان سے محروم نہیں کریں گے؟'' تو شاہنواز صاحب اس کی بات سن کر تڑپ کر رہ گئے۔

''نہیں بیٹا! اب تمہارا باپ تم لوگوں کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا''۔ شاذل خاموشی سے باہر نکل آیا، وہ انہیں کھل کر گلے شکوے دور کرنے دینا چاہتا تھا، پھر شاہنواز صاحب کو ہی اس کا خیال آیا۔

''بیٹا! جہاں آپ نے مجھے معاف کر دیا وہیں شاذل کو بھی معاف کر دو، وہ تم سے بہت محبت کرتا ہے، مگر تمہاری بارعب شخصیت کی وجہ سے کچھ کہنے کی ہمت نہیں کرتا، جانتی ہو ایمان! وہ صرف تمہاری باتیں کرتا ہے، میں بھی سوچتا تھا کہ وہ لڑکی کیسی ہو گی؟ جس نے شاذل جیسی چٹان کو پاش پاش کر دیا، ورنہ وہ کسی لڑکی سے اتنی جلدی متاثر

نہیں ہوتا، مگر اب سوچتا ہوں میری بیٹی ہے ہی اتنی پیاری، اتنی خاص کہ ہر کوئی اسے چاہے، زینب! تم واقعی ایک اچھی بیوی اور ماں ہو، جس نے اتنی اچھی تربیت کی میری بیٹی کی، مجھے تم دونوں پر فخر ہے''۔ یہ کہہ کر انہوں نے ایمان کو گلے لگا لیا تو زینب بھی اپنے ربّ کا شکر ادا کرنے لگیں کہ آج انہیں اپنی کھوئی ہوئی جنت اور بیٹی کو باپ کا اعتبار مل گیا تھا۔

''جاؤ بیٹا! شاذل کو بلا کر لاؤ''۔ تو ایمان خود بھی اس سے جلد از جلد معافی مانگنا چاہتی تھی، باہر آ گئی تو اسے پورے چاند کو تکتے ہوئے دیکھا۔

''وہ میں آپ سے معافی مانگنا چاہتی ہوں''۔ شاذل اپنے خیال سے چونکا اور اس کی طرف پورے استحقاق سے دیکھا۔

''کس بات کی؟''

''اپنے گزشتہ رویوں کی، اور آپ کا شکریہ مجھے میرے سائبان سے ملوانے کا''۔ تو شاذل اسے دیکھ کر رہ گیا۔

''کاش.... حمزہ یہاں ہوتا تو ایمان کا یہ شرمندہ شرمندہ رویہ دیکھ کر بے ہوش ہو جاتا''۔

''شکریہ! اور شانزے ایمان شاہ!'' وہ خود ہی اپنی بات سے محظوظ ہوا، مگر اس کی طرف سنجیدہ ہوتے ہوئے دیکھا اور کہا۔

''ٹھیک ہے مگر اس کے لیے ایک شرط ہے''۔

''کیا....؟'' اس نے برجستہ کہا پھر خود ہی جھینپ گئی تو شاذل اس کا یہ روپ دیکھ کر بے قابو ہونے لگا، مگر اس نے اپنے جذبات کو آنے والے خوبصورت دن کے لیے سنبھالا، اور اس سے کہا۔

''اب آپ مجھے غیر نہیں سمجھیں گی، مجھ پر اعتبار کریں گی اور....!'' اور اس نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''اور یہ کہ ایمان! آپ کو میرا ساتھ عمر بھر کے لیے قبول ہے؟'' اس نے جذب سے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر شانزے کا ہاتھ تھام کر کہا تو شانزے تو اس کی اس اچانک بے تکلفی سے گھبرا گئی، مگر جلد ہی اپنے پرانے انداز میں لوٹتے ہوئے بولی۔

''شاذل صاحب! آپ بہت زیادہ فری ہو رہے ہیں، مانا آپ میرے کزن بھی ہیں، مگر ایک حد میں رہیں''۔ اس کی بات سن کر شاذل اداس ہو گیا۔

''سوری مس ایمان!'' یہ کہہ کر وہ جانے لگا تو پیچھے سے شانزے کی آواز آئی۔

''ویسے آپ کا ساتھ اتنا برا بھی نہیں اور پھول بھیجنے کا شکریہ!'' تو شاذل اس کی بات سن کر ایک دم چونکا اور بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا، جہاں چہرے پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں اس کی محبت کے رنگ تھے۔

''اوہ.... تھینک یُو ایمان! تم نہیں جانتیں تم نے مجھے کتنی بڑی خوشی دی ہے، ابھی میں حمزہ کو یہ خوش خبری سناتا ہوں کہ چچا کی شانزے، میری ایمان مان گئی ہے''۔ تو ایمان اس کے پاگل پن پر ہنسنے لگی، اسے یقین تھا بے اعتباری کا موسم گزر گیا، اب اسے باپ کے سائے کے ساتھ ایک محبت کرنے والا جیون ساتھی بھی مل گیا تھا۔ زینب اور شاہنواز صاحب بھی انہیں دیکھ کر ہنسنے لگے اور اپنے آنگن کی دائمی خوشیوں کی دعا مانگنے لگے۔

☆.....☆.....☆

تبسم فیاض

افسانہ

بہن کو اک بس کچھ

زبیر نے جیسے ہی بائیک کا رخ گلی میں موڑا، اسے اپنے دروازے سے ہرا آنچل اندر جاتا نظر آیا۔

''اماں! آج پھر یہ دروازے پر کھڑی تھی؟'' زبیر، طوبیٰ کو [illegible] دیکھ کر چیخا۔

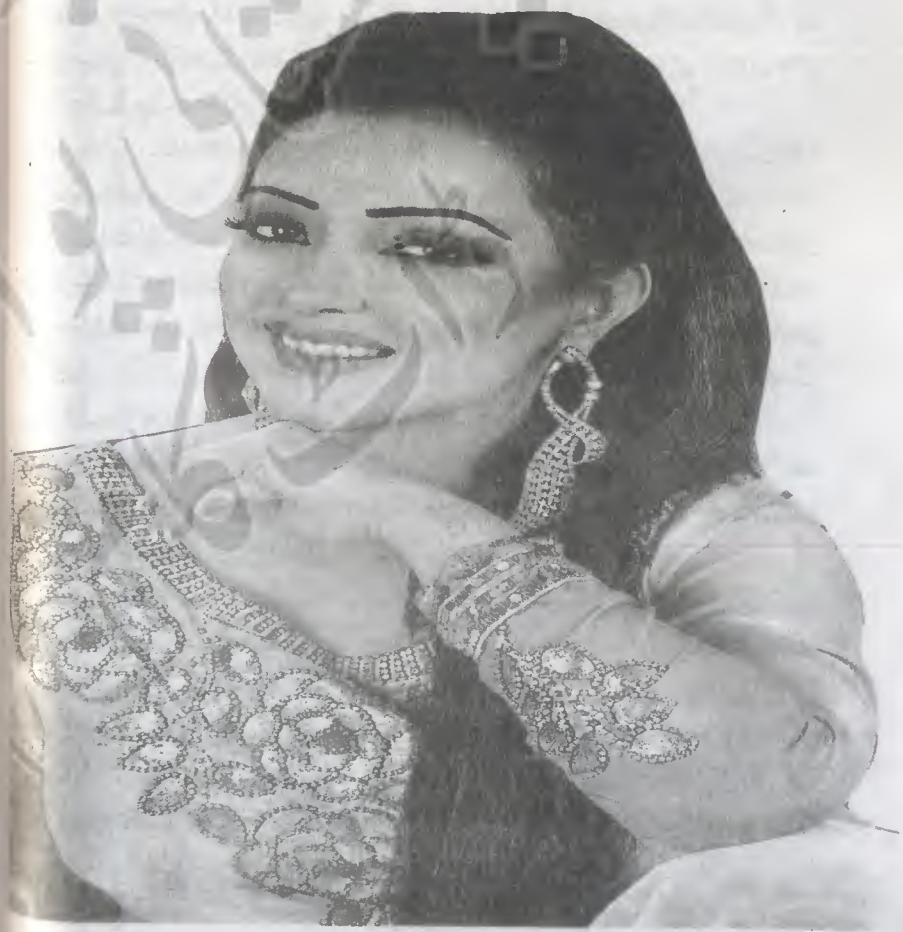

''ارے نہیں بیٹا! میں نے ہی کہا تھا اسے کہ دیکھ باہر کہیں سبزی والے کی آواز آرہی ہے''۔ فاطمہ بیگم بیٹے کے غصے کو دیکھتے ہوئے ذرا پیار سے بولیں، وہ جانتی تھیں کہ زبیر کو گھر سے باہر نکلنے والی لڑکیاں یا پھر دروازے پر کھڑی ہونے والی لڑکیاں بالکل پسند نہیں، ادھر طوبیٰ ہر وقت بھائی کے عتاب کا نشانہ بنتے بنتے تھکنے لگی تھی، ہر وقت غصے میں رہنے والے زبیر کے گھر آنے سے گھر کا ماحول کھنچا کھنچا سا رہتا۔

طوبیٰ نے میٹرک بھی بڑی مشکل سے کیا تھا، آئے دن زبیر کی چیخ و پکار سے طوبیٰ کسی گھر میں ٹیوشن بھی نہ لے پائی تھی، لڑکیوں کے معاملات میں بھائی کی تنگ نظری اسے ذرا بھی پسند نہیں تھی اور وہ اس کا اظہار اکثر اماں سے کیا کرتی تھی، وہ اسے پیار سے سمجھا دیتی تھیں۔

''تیرا بھائی تجھے زمانے کے سرد گرم سے بچانا چاہتا ہے، اسے پتہ ہے کہ باہر کیا ہو رہا ہے''۔

''لیکن اماں! سب ایک جیسے نہیں ہوتے''۔ طوبیٰ ان کی ان باتوں سے چڑ جاتی۔

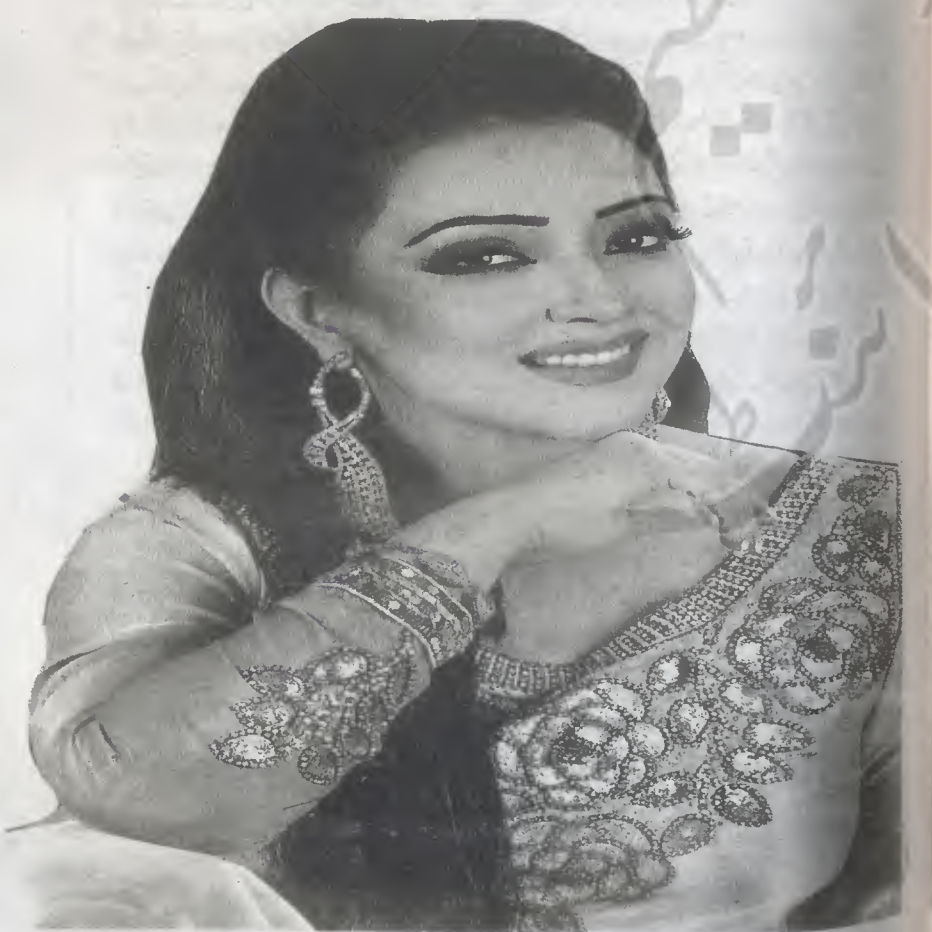

فاطمہ بیگم ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں، ان کے شوہر جاوید اپنی شادی کے 5 سال بعد فاطمہ بیگم کو بیوگی کی چادر اوڑھائے زبیر اور طوبیٰ کی ذمہ داری ان کے اوپر چھوڑ کر ملک عدم سدھار گئے، فاطمہ بیگم نے بہت محنت سے سلائی کر کر کے اپنے بچوں کو پالا تھا، جوں جوں زبیر بڑا ہوتا گیا اس کے محلے پڑوس اور ارد گرد کے تنگ نظر لوگوں اور گندے ماحول نے زبیر کی سوچ بھی عورتوں کے معاملے میں سطحی کر دی تھی، اس کی شکی اور تنگ سوچ کا محور طوبیٰ ہوگئی تھی، جسے وہ چلتے پھرتے بات بے بات پر ٹوکنا اپنی ڈیوٹی سمجھتا، طوبیٰ نے اپنی ذہانت کے پیش نظر بذریعہ ڈاک کافی کورس کر لیے تھے، گھر بیٹھے وہ دنیا کو سمجھ گئی تھی، کچھ مہینوں بعد طوبیٰ کا ایک اچھی فیملی سے رشتہ آیا، ان لوگوں نے طوبیٰ کو فاطمہ بیگم کے دور کے بھانجے کی شادی میں پسند کیا تھا، اچھے کھاتے پیتے لوگ تھے اور طلحہٰ ایک اچھے عہدے پر فائز تھا۔ بس پھر کیا تھا فاطمہ بیگم نے چٹ منگنی اور پٹ بیاہ کر ڈالا، طوبیٰ کی سلجھی ہوئی شخصیت کے طلحہٰ سمیت سسرال والے بھی گرویدہ ہوگئے تھے۔ طوبیٰ کی دو نندیں اور ایک دیور تھا، بڑی نند شادی شدہ تھی، پھر طلحہٰ تھا، اس کے بعد دیور جو لندن میں رہتا تھا، اور سب سے آخر میں نند اقراء تھی۔

طوبیٰ کئی دنوں سے محسوس کر رہی تھی کہ اقراء کچھ پریشان ہے، اس نے اقراء سے معلوم کیا تو اقراء چونکہ عمر میں چھوٹی تھی، اس کے اس طرح پوچھنے پر رونے لگی اور بتایا کہ کوئی اسے فون پر اور میسجز پر تنگ کرتا ہے، وہ اسے جانتا ہے پر اقراء اسے نہیں جانتی۔ طوبیٰ نے اسے تسلی دی اور کہا۔

''تم فکر نہ کرو، میں خود پتہ لگالوں گی کہ یہ کون ہے، جو تمہیں پریشان کر رہا ہے''۔ پھر طوبیٰ نے وہ میسجز پڑھے جو اس شخص نے اقراء کو کیے تھے، بڑے بے باک قسم کے میسجز تھے کہ کوئی لڑکی یہ میسجز پڑھے تو خوف زدہ ہوجائے۔ طوبیٰ نے اقراء کے خوف کے پیش نظر وہ موبائل اپنے پاس رکھ لیا تھا، ایک دو دن کے بعد طوبیٰ اپنے میکے رہنے کی غرض سے آگئی، اب زبیر کا رویہ طوبیٰ سے قدرے بہتر ہوگیا تھا، لیکن اسے آج بھی اعتراض تھا کہ طلحہٰ نے طوبیٰ کو برقعہ کیوں نہیں اوڑھایا، کیوں اسے اتنی آزادی سے بے پردہ رکھا ہوا ہے؟

رات کھانے کے بعد طوبیٰ زبیر کے کمرے میں گئی تو زبیر موبائل میں مصروف تھا، طوبیٰ، زبیر کا دھیان چائے کی طرف دلا کر واپس چلی گئی۔

طلحہٰ سے بات کرنے کا موڈ بنا کر طوبیٰ نے غلطی سے اپنے موبائل کی بجائے اقراء کا دیا ہوا موبائل نکالا تو میسجز کا ایک ڈھیر جمع تھا، طوبیٰ میسجز پڑھتی چلی گئی اور ساتھ ساتھ آنے والے میسجز کا سلسلہ بھی جاری رہا، ایک لمحے میں طوبیٰ کے ذہن نے کام کیا۔ زبیر کو وہ پہلے بھی موبائل میں بزی دیکھتی تھی، لیکن آج اس نے بجلی کی سی پھرتی سے اپنے ذہن سے ایک کام لیا، وہ موبائل لے جا کر زبیر کے کمرے کی دوسری کھڑکی کے پاس کھڑی ہوگئی اور اقراء کے موبائل سے مس بیل دی، اسی نمبر پر ریپلائی کرنے سے طوبیٰ شاکڈ ہوگئی۔ وہ بیل زبیر کے موبائل پر جا رہی تھی، جس سے اس کے چہرے پر بڑی مکروہ مسکراہٹ آگئی تھی، طوبیٰ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس کا بھائی یہ کام بھی کر سکتا ہے جبکہ یہ نمبر تو خود طوبیٰ کے پاس بھی نہیں تھا۔ غم و غصے میں طوبیٰ زبیر کے سر پر جا کھڑی ہوئی اور بولی۔

''تو یہ ہے آپ کا اصل چہرہ بھائی! اپنی بہن کو سات پردے میں چھپا کر رکھنے والا گھر بیٹھے دوسری لڑکیوں کو اپنی ذات سے اتنا خوفزدہ کر رہا ہے، اور خود

مزے لے رہا ہے، خبردار بھائی! وہ میرا گھر ہے، اگر میں نے کسی کو بھی اس گھر کا چین و سکون غارت کرتے دیکھا تو میں اسے چھوڑوں گی نہیں''۔

''کیا بکواس کر رہی ہو؟'' زبیر گھبرا گیا، دل میں جو چور تھا۔

''یہ دیکھیے!'' کہہ کر طوبیٰ نے اسے ایک مس بیل دی اور اس کے میسجز اس کے آگے کر دیے۔

''یہ.... تمہارے پاس کیسے آگئے؟ یہ تو اقراء کا نمبر تھا''۔ زبیر بہن کے پاس اپنے اتنے بے باک میسجز دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔

''ہاں، یہ اقراء کا ہی موبائل ہے، لیکن یہی پتہ چلانے کے لیے یہ میرے پاس ہے اور حیرت ہے دین و مذہب کا دائرہ صرف آپ کی نظر میں اپنی ماں اور بہن کے لیے تھا؟ اقراء بھی کسی کی بیٹی اور بہن ہے، سب سے بڑھ کر آپ کی بہن کے گھر کی عزت ہے۔ پردہ، برقعہ پہننے یا گھر میں بیٹھنے سے نہیں ہوتا، پردہ انسان کی آنکھ میں ہوتا ہے، جس سے آپ محروم ہیں، جبھی تو میں کہوں کہ آپ ہر وقت پردے اور عزتوں کو لے کر خوفزدہ کیوں رہتے تھے، آج پتہ چلا، یہ اس لیے نہیں تھا کہ آپ اپنی بہن کو زمانے سے بچا کر رکھنا چاہتے تھے بلکہ اس لیے تھا کہ کہیں میری طرح کوئی اور میری بہن سے ٹائم پاس نہ کرلے، یا جیسا میں دوسری بہن بیٹی کے لیے سوچتا ہوں، ایسا کوئی میری بہن کے لیے نہ سوچ لے، مجھے شرم آرہی ہے آپ کو دیکھ کر کہ آپ کا اصل باہر والوں کے لیے یہ ہے۔ آپ سے اچھے تو طلحہٰ ہیں کہ برقعہ پہناتے نہیں اور نہ ہی مجھے سات پردوں میں چھپاتے ہیں، لیکن وہ دوسری بہن بیٹیوں کو اپنے گھر کی بہن بیٹیوں کی طرح عزت سے دیکھتے ہیں۔ آپ کی تنگ نظری اور شکی طبیعت کی وجہ سے آج میں تعلیم سے محروم رہ گئی، مجھے نہیں معلوم کہ یہ لبادہ آپ نے صرف میرے لیے اوڑھا تھا، آپ باہر انہی لوگوں کی طرح ہیں جو سارا سارا دن چوراہے پر کھڑے ہو کر دوسروں کی بہن بیٹیوں سے اپنی آنکھوں اور زبان کی پیاس بجھاتے ہیں''۔

''بس کرو، بس کرو، مجھے معاف کر دو کہ میں نے اتنا سب کچھ کیا، میں توبہ کرتا ہوں جو آئندہ اب کبھی کسی کو میسجز یا رانگ کال کر کے تنگ کیا، لیکن طوبیٰ میری بہن! تم اماں، طلحہٰ اور اقراء کے سامنے میری اس بات کا پردہ رکھنا، میں کبھی اب ایسا کام نہیں کروں گا جس سے کسی کی عصمت کو ٹھیس پہنچے''۔

اپنے بھائی کو راہ راست پر آتا دیکھ کر طوبیٰ نے آسودہ مسکراہٹ کے ساتھ وعدے کے لیے تصدیق میں گردن ہلا دی۔

☆.....☆.....☆

ادارہ ردّا ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول

تم میرے ہو کے رہو
صالحہ محمود

قیمت -/500 روپے

ملنے کا پتہ:
ویل کم بک پورٹ اُردو بازار کراچی

نوٹ: ردّا کی کوئی ویب سائٹ نہیں ہے، جو بھی ردّا کو بلا اجازت کسی بھی ویب سائٹ پر اپ لوڈ کرے گا ادارہ اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی اور ایسے لوگوں کے خلاف کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت ایف۔ آئی۔ آر۔ درج کروانے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

شازیہ مصطفےٰ عمران

قسط نمبر 24۔

سلسلے وار ناول

کبھی عشق ہو تو پتہ چلے

''شادی بھی میں جلدی ہی کراؤں گی''۔

''آج ہی نکاح پڑھوا کے ساتھ ہی لے کے آیئے''۔

''ارے شہران! کیا ضدیں باندھتے ہو''۔ ذیشان نے سنا تو وہ بھی وہیں آیا۔

''بھائی! میں تو امی کی فضول خرچی پر کہہ رہا ہوں''۔ اس نے اپنی جھینپ مٹائی۔

''تمہاری شادی اس وقت تک نہیں ہوگی جب تک تم اور لیل ماہ خوشی خوشی ایک دوسرے کو قبول نہیں کر لیتے ہو''۔ حمیرا بیگم کے جانے کے بعد اس نے شہران کے کان میں سرگوشی کی۔

''کیا....؟'' وہ ناگواری سے بولا۔

''یہ میں نے کہا ہے کیونکہ تم دونوں کے درمیان جو چل رہا ہے اس سے ہم سب واقف ہیں اور یہ سب سوچ سمجھ کے کیا جا رہا ہے''۔ ذیشان نے حیران پریشان شہران کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

''یہ تو بہت مشکل ہے میرے اور اس کے درمیان جو چل رہا ہے، وہ سب ختم ہو''۔ اڑیل گھوڑا تو بہت تھا اس سے ذیشان خوب واقف تھا جب ضد پر آ جائے تو مجال ہے جو کسی کی مان لے۔

''تمہارا تو دماغ خراب ہو گیا ہے''۔

''میرا دماغ خراب ہے آپ کی سالی محترمہ کا دماغ کیا بہت ٹھیک ہے خود کو جانے کیا سمجھتی ہے''۔ دانت پیسنے لگا۔

''اتفاق سے وہ بھی تمہارے متعلق یہی کہتی ہے''۔ ذیشان کو ہنسی آنے لگی۔ حرما سامنے ہی لاؤنج میں تھی اسے اشارے سے منع کرنے لگی، مگر ذیشان پھر بھی اس سے باتوں میں لگا ہوا تھا۔

''دیکھو شہران! سنجیدہ ہو کر سوچو یہ جو رشتہ سب نے جوڑا ہے، اسے تم دل سے قبول کرو اور ایک دوسرے کے لیے گنجائش نکالو''۔ وہ اسے مدبرانہ انداز میں سمجھانے لگا۔

''راضی ہو تو گیا ہوں اور کتنی گنجائش نکالوں؟'' چہرے پر جھنجلاہٹ اور بے زاری کے آثار واضح ہو رہے تھے۔

''زبردستی تم اس سے نبھاؤ گے''۔

''کچھ بھی سمجھ لیں مگر میں اس لڑکی کے سامنے خود کو جھکاؤں گا بالکل نہیں، میں جیسا ہوں ایسا ہی رہوں گا اگر بدلنا ہوگا تو اسے خود کو بدل کے آنا ہوگا''۔ شہران کے لب و لہجے میں لیل ماہ کے معاملے میں ذرا بھی لچک نہیں تھی۔

''زندگی کو تم لگتا ہے بے کار چیز سمجھتے ہو''۔

''دیکھئے بھائی! آپ کو اگر اس کی وکالت کرنی ہے تو پلیز مجھ سے اس ٹاپک پر بالکل بھی بات نہیں کریں''۔ وہ چڑ گیا۔

''ارے پاگل میں کیوں اس کی وکالت کروں گا، تمہیں عقل کے ناخن دے رہا ہوں کہ فضول کی ضد اور اکڑ چھوڑ کے خوشی خوشی اس رشتے پر راضی ہو جاؤ''۔ وہ بھی کھسیا ہی گیا کیونکہ شہران کی موٹی عقل میں جو کوئی بات آ ہی نہیں رہی تھی کس طرح اسے وہ واضح الفاظ میں سمجھائے۔

''مجھے عقل کے ناخن دینے کا کوئی فائدہ نہیں، بلکہ اپنی سالی کو دیجئے''۔ وہ نخوت سے گویا ہوا۔ ذیشان نے تو سر ہی پیٹ لیا تھا وہ کسی طرح بھی نہیں مان رہا تھا فریج پر سے اپنا موبائل اٹھایا اور باہر نکل گیا، جمعہ کی نماز کا وقت ہو گیا تھا اور وہ

جمعہ کی نماز کے لیے ایک گھنٹہ پہلے ہی جا کر مسجد میں بیٹھتا تھا، وہاں کے سارے خطبے اور واعظ وہ شروع سے سنتا تھا، اکثر اسد مرزا سے بھی اس کا ٹاکرا ہو جاتا تھا، مگر جب سے ان کا بائی پاس ہوا تھا وہ مسجد میں ہی نہیں آ رہے تھے اس نے نماز وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد جو اطراف میں نگاہ دوڑائی حیرت کی انتہا نہ رہی، اسد مرزا اس کی ساتھ والی نشست پر ہی تھے، وہ کسی کی مدد سے نیچے سے اٹھ رہے تھے، شہران بھی کھڑا ہو گیا اسی لمحے ان کی نگاہ بھی پڑ گئی۔

''السلام علیکم!'' شہران نے مودب لب و لہجے میں ان سے سلام دعا کی۔ اسد مرزا نے جواب میں ڈھیروں دعاؤں سے نوازا وہ کچھ شرمندگی سی شہران کے سامنے فیل کر رہے تھے اور پھر جب سے انہیں یہ پتہ چلا تھا، وہ ابھی بھی ان سے کچھ خائف ہے تو خود کو اور ندامت میں گھرا ہوا محسوس کرنے لگے تھے۔

''آپ کی طبیعت کیسی ہے؟'' وہ چاہ کے بھی ان سے روڈ ہو کر بات نہیں کر سکا تھا کیونکہ جب بھی وہ اسے مسجد میں دیکھتے تھے اسد مرزا کی نگاہوں میں تمسخر ہی ہوتا تھا۔

''بہتر محسوس کی تو سوچا آج جمعے کی نماز مسجد میں ہی ادا کر لوں، ورنہ میں تو اتنا گناہ گار بندہ ہوں مجھے اللہ تعالیٰ نے پھر بھی نئے سرے سے ہمت و طاقت عطا کر دی ہے''۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کے چھڑی کے سہارے سے مسجد سے باہر نکلنے لگے۔

''یہ تو اللہ کو پتہ ہے کون گناہ گار ہے؟'' شہران نے گلی میں چلتے پھرتے لوگوں پر نگاہ ڈالی۔

''ہوں....!'' وہ اتنا ہی کہہ سکے۔

''بیٹا! مجھے آپ سے چند ضروری باتیں کرنی ہیں، آپ کو فرصت ہو تو کسی دن گھر آ جاؤ''۔ ان کے لہجے میں کچھ عاجزی سی تھی۔

''جی ضرور، کوشش کروں گا''۔ انہیں دروازے تک چھوڑ کے وہ آگے بڑھ گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

''ڈیڈی! حمدان کا شو روم بہت خوبصورت اور اسٹائلش ہے''۔ اریشماء خوش ہو کر انہیں بتا رہی تھی۔

''ہوں، میں نے بھی دیکھا تھا''۔ رویل سکندر کا ذہن تو کہیں اور ہی گھوم رہا تھا، وہ کئی دنوں سے اریشماء سے بات کرنا چاہ رہے تھے، مگر ان کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی کیونکہ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ کل تک وہ خود حمدان کو اہمیت اس طرح سے نہیں دے رہے تھے، جیسے آج وہ ان کے دل میں اپنی قدر و منزلت جگا گیا تھا، نہایت ایمانداری اور خودداری سے ان کے انڈر میں رہ کر کام کر رہا تھا اور آج وہ بھی اپنی پرانی حیثیت میں واپس آ چکا تھا تو انہیں جانے کیوں ایسا بھی لگ رہا تھا کہ حمدان کی مالی پوزیشن جیسے ہی بہتر ہوئی، وہ بھی خود غرض سے باپ بن کے سوچ رہے تھے، کہ ان کی بیٹی کے لیے اس سے اچھا جیون ساتھی کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا، مگر انہوں نے اگر ایسا سوچا بھی تھا تو کچھ غلط بھی نہیں تھا، ان کی بیٹی آسائشوں میں پلی بڑھی تھی اگر بعد میں حمدان اس کی ضرورتیں بھی پوری نہ کر سکتا تو جھگڑا تو لازمی ہی ہونا تھا۔

''اریشماء! اگر میں تم سے کہوں حمدان کے بارے میں سوچو تو کیا سوچو گی؟''

''جی....؟'' وہ ان کے غیر متوقع سوال پر چونک گئی۔

''مجھے حمدان تمہارے لیے بہتر لگتا ہے''۔

''ڈیڈی! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' وہ تو حیران رہ گئی۔

''بیٹا! پہلے میں نے تمہاری پسند کو جان بوجھ کے اگنور کرتے ہوئے تیمور سے منگنی کر دی''۔

''ڈیڈی! آپ حمدان سے متعلق ایسا کچھ بھی نہیں سوچیے کیونکہ میں اب ایسا بالکل نہیں چاہتی''۔ اس نے سیدھی اور صاف بات کی۔

''وہ تو تمہاری پسند رہا ہے''۔

''مگر اب نہیں کیونکہ ڈیڈی! میں اپنا آپ نہیں گرانا چاہتی، حمدان کو پھر یہی لگے گا کہ وہ مالی لحاظ سے ٹھیک ہو گیا ہے تو آپ نے اسے اہمیت دینی شروع کر دی ہے''۔ اسے ڈیڈی کی بات پر افسوس بھی ہوا انہوں نے بھی جب سوچا جواب ممکن نہیں تھا، کل تک اسے کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔

''میں اسے بہت دنوں سے تمہارے حوالے سے ہی سوچنے لگا تھا، جب تیمور کے تیور میں نے دیکھ لیے تھے، جبکہ حمدان بھی تیمور کے متعلق سب جانتا تھا مگر اس نے کبھی مجھ پر واضح نہیں کیا''۔ روحیل سکندر سر جھکائے ہوئے گویا تھے۔ اریشماء کو دوسرا حیرانگی کا جھٹکا لگا، حمدان کو تیمور کی ساری حقیقت معلوم تھی۔

''آپ نے حمدان سے پوچھا کہ اس نے بتایا کیوں نہیں؟''

''میں جانتا ہوں اس نے کیوں نہیں بتایا''۔ وہ گہری سوچ کے ساتھ گویا ہوئے، ان کے رویے سے حمدان نے بھی اندازہ کر لیا تھا کہ اگر وہ تیمور کے متعلق سچ بتائے گا تو وہ یہی سمجھیں گے کہ اس کی اریشماء پر نگاہ ہے۔

''ڈیڈی! یہ تو غلط بات ہے حمدان کو سب پتہ تھا اور اس نے ہمیں کچھ نہیں بتایا''۔ اسے حمدان پر غصہ آنے لگا جو اتنا غیر اہم اسے سمجھتا تھا کہ اتنی سنجیدہ بات تک چھپائے رکھی۔

''حمدان کو کچھ نہیں کہو، اس نے بالکل ٹھیک کیا''۔ روحیل سکندر، حمدان کی خوبیوں کے پہلے ہی معترف ہو گئے تھے، اس نے اپنی انا اور وقار کو گرنے نہیں دیا تھا۔

''میں حمدان سے خود تمہارے لیے بات کروں گا''۔

''ڈیڈی! بالکل نہیں، آپ مجھے پلیز اس کے آگے نہیں گرنے دیں گے اور میں آپ کو بھی اس کے آگے نہیں گرنے دوں گی''۔

''مجھے اس میں بھی کوئی قباحت نہیں''۔

''نہیں ڈیڈی! حمدان مجھے ذرا بھی لائیک نہیں کرتا''۔

''کیا کہہ رہی ہو؟'' روحیل سکندر چونک کر رہ گئے وہ تو یہی سمجھ رہے تھے کہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔

''ڈیڈی! میں سچ کہہ رہی ہوں''۔ اریشماء کا چہرہ افسردگی اور مایوسی سے جھکا ہوا تھا۔

''تم تو کہتی تھیں وہ تمہیں پسند کرتا ہے''۔

''ڈیڈی! میں نے آپ سے اس وقت یہ نہیں کہا تھا بلکہ آپ نے مجھ سے یہ کہا تھا، تم جسے پسند کرتی ہو مجھے اس سے ملواؤ''۔ اس نے یاد دلایا، جب اس کی منگنی تیمور سے ہونے والی تھی۔

''میں حمدان کو پسند ضرور کرتی ہوں، مگر حمدان نے مجھ پر کبھی توجہ نہیں دی ہے، اس لیے آپ پلیز اس سے کسی بھی قسم کی کوئی بات نہیں کیجیے گا''۔ وہ آنکھوں میں نمی لیے ان سے التجائیہ لہجے میں گویا تھی۔ روحیل سکندر کو احساس ندامت نے

گھیر لیا، ان کی اکلوتی اولاد جو اتنی منتوں مرادوں سے ان کی گود میں آئی تھی اس کی زندگی کا فیصلہ کرتے وقت اس کی رضامندی نہیں پوچھی۔

''میں اب شادی کبھی نہیں کروں گی''۔

''تم مجھے اور اپنی ممی کو دکھ دو گی شادی نہ کر کے''۔ وہ بھی افسردہ ہو گئے۔

''آپ کیا چاہتے ہیں میں شادی کر کے ہمیشہ ناخوش رہوں؟''

''اللہ نہ کرے میری بچی!''۔ انہوں نے اسے سینے سے لگا لیا۔

''میری قسمت میں جو بھی لکھا ہو گا مجھے قبول تو کرنا ہو گا، مگر ڈیڈی! آپ مجھ سے شادی کا نہیں کہیے گا، کیونکہ آپ کی بیٹی اتنی غیر اہم نہیں کہ سب کچھ بھلا کے نئے آدمی کے ساتھ اپنی زندگی شروع کر دے''۔ وہ بہت روہانسی بھی ہو رہی تھی۔

روحیل سکندر کو اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا، انہوں نے اپنی بیٹی کے ساتھ بہت ظلم کیا تھا، بھتیجے کی محبت کے آگے صرف اپنی بیٹی کے بہتر مستقبل کے لیے بھتیجے کو اہمیت دی تھی ورنہ وہ تو حیثیت کو کبھی ترجیح ہی نہیں دیتے تھے، حمدان انہیں اول روز سے پسند رہا تھا، وہ اس کی اسی طرح عزت و قدر کرتے تھے۔

☆.....☆.....☆

جاب سے آ کر وہ ہاتھ لینے کے بعد بڑا فریش لگ رہا تھا، وائٹ قمیض شلوار میں اونچا لمبا تو اناشہران اسد مرزا کے گیٹ کے باہر کھڑا تھا، ڈور بیل پر ہاتھ رکھا تھا، اسے خاصی جھجک بھی محسوس ہو رہی تھی، مگر آج اسے موقع ملا تو ان سے ملنے آ گیا تھا۔ زین نے اس سے سلام و دعا کی اور اندر اس کی ہمراہی میں آ گیا، لیل ماہ اسے دیکھ کر گڑبڑا سی گئی، عصر کی نماز پڑھ کر وہ وہیں لاؤنج میں بیٹھی تھی، شہران نے اسے دیکھنے سے اجتناب کیا وہ تیزی سے اندر چلی گئی۔

''کیسے ہو بیٹا؟'' اسد مرزا اس کی آمد سے بہت خوش ہوئے تھے۔

''الحمدللہ! ٹھیک ٹھاک ہوں''۔ اس نے بھی ناپ تول کے ہی جواب دیا۔

''آپ کو مجھ سے کچھ ضروری باتیں کرنی تھیں؟''

''ہاں مجھے یاد ہے''۔ وہ پہلو بدل کے صوفے پر بیٹھے، چھوٹا سا ڈرائنگ روم نفاست سے ڈیکوریٹ کیا ہوا تھا، شہران نے طائرانہ نگاہ ڈالی تھی، ذکیہ بیگم لوازمات سے پرٹرے اندر لے آئی تھیں، وہ ٹیبل کو کھسکا کے ان کے لیے جگہ بنانے لگا۔

''آنٹی! میں گھر سے چائے وغیرہ پی کے چلا تھا''۔

''کوئی بات نہیں اور پی لو ہمارے ساتھ''۔ انہوں نے مسکرا کے لوازمات پلیٹ میں رکھے اور اس کے آگے کی۔ اسد مرزا الفاظ کو ترتیب دے رہے تھے اس سے بات کہاں سے شروع کریں۔ لیل ماہ، ذکیہ بیگم کو آواز دے رہی تھی، وہ اٹھ کر باہر چلی گئی تھیں۔

''بیٹا! میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں، آپ کو میں نے شروع سے اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا''۔

''پلیز انکل! مجھے یہ باتیں قطعی پسند نہیں ہیں، میں جیسا آج ہوں ویسا کل بھی تھا، آپ پلیز رشتہ بدلنے پر خود کو اتنا مجبور ظاہر کر کے مجھ سے ایسی باتیں نہیں کریں، میں کل بھی آپ کی عزت کرتا تھا اور آج بھی کرتا ہوں، مگر میں آپ کے جواب میں جو بھی فعل سرانجام دیتا تھا، وہ میرا غصہ ہوتا تھا، کیونکہ مجھے وضاحتیں دینے اور یقین دلانے کی عادت نہیں ہے

اور رہا میرے باپ نے شادی کی تھی، ضروری نہیں ہے کہ بیٹے بھی ایسے ہی ہوں، ہمارے باپ جیسے ہیں ہم جانتے ہیں میں ان سے بھی کون سا ٹھیک طرح بات کرتا تھا، صرف اس وجہ سے کہ آپ ہمیں اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے، مگر ضروری نہیں کہ باپ کی حرکتوں کی سزا اس کی اولاد کو ملے''۔ اس نے ان کی بات کاٹ کے جواب میں اپنی بات کہہ دی۔

''مجھے نہیں پسند اور نہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کمپرومائز کریں کیونکہ میں آپ کا داماد بننے جا رہا ہوں تو....''

''نہیں شہران بیٹا! ایسی بات نہیں ہے''۔ وہ اور زیادہ شرمندہ ہونے لگے۔

''میں آپ کی باتوں کا سارا مفہوم سمجھ گیا ہوں، میں بدتمیز اور خودسر ضرور ہوں، مگر بڑوں کی عزت کرنا خوب جانتا ہوں''۔ اس کا لہجہ اتنا روکھا ہو رہا تھا اسد مرزا حیرانگی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''میں چلتا ہوں''۔ وہ کھڑا ہو گیا۔

''بیٹا! بیٹھو تو، مجھے تم اور شرمندگی میں مبتلا کر کے جا رہے ہو، میں اتنا تو کر سکتا ہوں کہ تم سے معافی مانگوں؟''

''انکل! آپ معافی کیوں مانگ رہے ہیں، جیسا وقت چل رہا تھا آپ نے بھی وہی کیا اور میں نے بھی وہی کیا، پلیز بات کو طویل کر کے کیوں آپ پریشان ہوتے ہیں، ریلیکس رہیں''۔ اسے اسد مرزا کی حالت کا اندازہ تھا وہ کتنے نحیف اور کمزور سے لگ رہے تھے۔

''پھر بھی بیٹا! مجھے معاف کر دو''۔

''آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں''۔ اس نے اسد مرزا کے جڑے ہوئے ہاتھوں کو تھام لیا۔

''پلیز انکل! یہ سب نہیں کریں''۔ اس نے لب بھینچ لیے تھے، شہران اتنا بھی خودسر نہیں تھا کہ اپنے بزرگوں کو یوں اپنے آگے جھکتے ہوئے دیکھے۔

☆.....☆.....☆

حمدان نے اپنا گھر، شوروم سب ہی سیٹ کر لیا تھا، اور اب وہ جاب چھوڑنا چاہتا تھا، مگر روحیل سکندر نے اسے نئے پروجیکٹ کی ذمے داری دے دی تھی۔

''میں جاب چھوڑنا چاہ رہا ہوں اور وہ مجھے الجھائے جا رہے ہیں''۔

''آپ کو ضرورت ہی کیا ہے چھوڑنے کی؟'' عدین نے کہا۔

''میں ادھر شوروم سنبھالوں یا یہ جاب اور پھر ہمارا آسرا ہو گیا ہے جاب کی ضرورت بھی نہیں ہے''۔ وہ نک سک سے تیار ہو کر شوروم ہی جا رہا تھا۔ مصباح آئی ہوئی تھی، امی اس کے ساتھ اریشماء کی طرف ہی جا رہی تھیں، مگر حمدان کو ظاہر نہیں کیا تھا، ورنہ وہ جھٹ سے منع کر دیتا۔

''دیر سے گھر آؤ گے کیا؟'' امی نے پوچھا۔

''ہوں.... دیر ہی ہو جائے گی، سات تو ابھی بج گئے ہیں''۔ اس نے موبائل کی اسکرین پر ٹائم دیکھا۔

''کیوں آپ کو کہیں جانا ہے تو میں پہلے آپ لوگوں کو ڈراپ کر دوں گا''۔ وہ سمجھ گیا تھا۔

''نہیں ایسا خاص نہیں جانا، مصباح کو بازار جانا تھا وہ تو ہم رکشے پر بھی چلے جائیں گے''۔ انہوں نے بتایا۔

''یہ رات تک آپ لوگ بازاروں میں نہیں گھوما کریں، حالات دیکھ لیں شہر کے''۔ وہ خفا ہونے لگا۔

''ارے! ابھی ہم جا بھی نہیں رہے''۔ وہ حمدان کے اس انداز پر الٹا پریشان ہو جاتی تھیں۔

''عدین! سارے دروازے وغیرہ لاک رکھا کرو، اس ایریے میں دیکھ لو سناٹا کتنا ہوتا ہے''۔ اس نے گلشن اقبال کے پوش ایریے کا ذکر کیا جہاں وہ لوگ شفٹ ہوئے تھے۔

''امی! بھائی جان تو ایسے کبھی بھی شادی کے لیے سنجیدہ نہیں ہوں گے''۔ مصباح لائٹ پنک جارجٹ کے پرنٹڈ لمبی شرٹ پر ٹراؤزر میں بڑے سے دوپٹے میں تیار کھڑی تھی، امی بھی تیار ہو گئی تھیں، عدین کو ساتھ لے کے جا رہی تھیں، گھر کو اچھی طرح لاک کر دیا، نئے نئے یہاں شفٹ ہوئے تھے۔

''جب تک میں بات نہیں کروں گی یہ اسی طرح جان چھڑاتا رہے گا''۔

''امی! بھائی جان کہیں غصہ نہ ہوں؟''

''کچھ بھی ہو مجھے اس کی سنی ہی نہیں ہے، لو بھلا بتاؤ اس کا کہیں اور ہو گیا تو ہم تو پھر کچھ نہیں کر سکتے''۔ ٹیکسی میں وہ لوگ بیٹھ چکے تھے، امی نے مٹھائی کا ڈبہ اور پھل فروٹ بھی لے لیے تھے، اس لیے کہ یہ نیک شگون ہوتا ہے، جب کہیں رشتے کی بات کرنے جاتے ہیں۔ اریشماء ان سب کو یوں اچانک دیکھ کر حیرانگی کے ساتھ خوش ہو گئی، پھر مصباح کو شادی کے بعد پہلی دفعہ اپنے گھر میں دیکھ رہی تھی۔

''ارے کیا یہیں کھڑا رکھو گی؟'' روحیل سکندر بھی اتفاق سے گھر پر ہی نظر آ رہے تھے، ورنہ آفس کے بعد وہ کہیں نا کہیں میٹنگ وغیرہ کے لیے نکل جاتے تھے۔

''اریشماء باجی! تو باؤلی ہو گئی ہیں، آگے کی بات سن کے تو مزید باؤلی ہو جائیں گی''۔ عدین نے چلتے ہوئے اس کے کان میں معنی خیز سرگوشی کی، اس نے چٹون سکیڑ کے اسے گھورا، فوزیہ روحیل ان کی خاطر میں کوئی کمی نہیں رکھ رہی تھیں انہوں نے ڈنر میں خاصا اہتمام کروایا تھا۔ مصباح اور اریشماء آپس میں باتوں میں مگن تھیں، اریشماء کو پتہ بھی نہیں چلا، انہوں نے روحیل سکندر سے اپنا مدعا بیان بھی کر دیا، روحیل سکندر اور فوزیہ روحیل بے یقینی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے ان دونوں کی خواہش بھی تو یہی تھی اریشماء اور حمدان ایک ہو جائیں۔

''کیوں فوزیہ بہن! میں نے چھوٹا منہ بڑی بات تو نہیں کر دی، کیونکہ میں جانتی ہوں کہ ہم لوگ آپ لوگوں کے برابر کے نہیں ہیں، مگر ہم اریشماء کو بیٹی بنا کے رکھیں گے''۔ اریشماء نے حیرانگی سے سنا، وہ ہکا بکا سی، حیرت سے منہ کھلا تھا اس کی سماعتوں نے کیا سنا تھا۔

''آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں، ہم ایسا کچھ نہیں سوچ رہے ہیں''۔ روحیل سکندر نے جھٹ وضاحت دی۔ عدین کی معنی خیز نگاہیں اریشماء کو چھیڑ رہی تھیں، مصباح نے اریشماء کے نرم و نازک ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھام لیا تھا، اریشماء نے نگاہ جھکا لی تھی، یہ سب یوں چانک سے کیسے؟

''دیکھیے روحیل بھائی! مجھے اریشماء شروع سے بہت پسند آئی ہے، مجھے معاف کر دیجیے گا، میں نے اپنی خواہش کا اظہار کر دیا جو میں شروع سے ہی آپ سے کرنا چاہتی تھی، مگر حیثیت کی دیوار مجھے یہ سب کرنے نہیں دے رہی تھی''۔

''آپ ایسا کیوں سوچ رہی ہیں، ہمارے ہاں حیثیت کچھ نہیں ہوتی ہے، حمدان اچھا سعادت مند لڑکا ہے، میں اسے جانتا ہوں، وہ کتنا خوددار ہے''۔ وہ خوشی و انبساط میں مبتلا ان سے گویا ہوئے ان کی بھی تو یہی خواہش تھی ان کی بیٹی کی

شادی حمدان سے ہی ہو۔

''روحیل بھائی! حمدان میرا اتنا صابر بچہ ہے اس نے سارے حالات کا مقابلہ جس طرح کیا ہے یہ میں ہی جانتی ہوں، اپنے ابو کا سب کچھ اس نے کیسے واپس لیا یہ مجھے تک نہیں پتہ چلا''۔ انہوں نے بھی دھیرے دھیرے بتایا۔

''آپ مجھے مایوس نہیں کیجئے گا کیونکہ میں جانتی ہوں بیٹی والے اتنی جلدی کوئی فیصلہ نہیں کرتے ہیں، مگر اگر فیصلہ میرے بیٹے کے حق میں ہو تو یہ میرے لیے باعث فخر بھی ہوگا''۔ وہ اتنی عاجزی سے بول رہی تھیں فوزیہ روحیل نے اٹھ کر ان کے ہاتھ تھام لیے، اریشماء کی دھڑکنوں نے شور مچانا شروع کر دیا تھا، یہ سب اس کے لیے بھی جھٹکے سے کم نہیں تھا۔

''آپ اطمینان رکھیے، ہم جلدی ہی آپ کو جواب دیں گے، چلیئے کھانا لگ گیا ہے''۔ فوزیہ روحیل نے ان سب کو کھانے کے لیے اٹھایا، انہوں نے بہت منع بھی کیا، مگر روحیل سکندر نے ایک نہیں سنی۔

☆.....☆.....☆

''کیسی اکڑ ہے اس انسان میں، مجھ سے تو ساری زندگی منہ ٹیڑھا کر کے ہی بات کیا کرے گا''۔ منگنی کا دن اتوار کا رکھا تھا، گھر میں تیاریاں ہوگئی تھیں دعا اور زین اسے چھیڑے جا رہے تھے، بھابی خاصی خوش تھیں۔ شاید اس کے رخصت ہونے پر یہ تو اس کی سوچ تھی۔

''تم کیا منہ بنا کے بیٹھی ہو''۔ حرما صبح سے آئی ہوئی تھی اس کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی، اس لیے آرام کی وجہ سے آئی تھی۔ منگنی وغیرہ کی چیزیں لے کے اسے حمیرا بیگم اور سب کے ساتھ ہی آنا تھا۔

''میرا منہ ہی ایسا ہے''۔ تنک کے جواب دیا۔

''فضول کی بکواس نہیں کیا کرو، لائبہ کے ساتھ پارلر چلی جاؤ، مہندی بھی لگوا لینا''۔

''آپی! تم تو مجھے ایسے تیار کروانا چاہ رہی ہو جیسے کل منگنی نہیں شادی ہو''۔ جھنجھلائی اور کھسیائی ہوئی گویا ہوئی، بالوں میں برش چلا رہی تھی، اپنے سلکی دراز بالوں کا وہ بہت خیال رکھتی تھی۔

''میری ساس نے خاص طور پر کہلوایا ہے، اور اسی وجہ سے میں آئی ہوں کہ تم سے زبردستی یہ سب کرواؤں''۔ وہ اس کے برہم چہرے کو دیکھنے لگی۔ لیل ماہ کتنی دعائیں کرتی تھی کہ ان دونوں بہنوں کی شادی ایک ہی گھر میں ہو اور آج یہ ساری دعائیں مستجاب ہوگئی تھیں۔

''آپ سب کی مرضی ہے اس منگنی پر، میری کوئی نہیں ہے''۔

''لیل ماہ! تم دماغ خراب نہیں کرو، شادی ہونے کے بعد سب ٹھیک ہو جائے گا''۔

''پتہ نہیں کیا ٹھیک ہو جائے گا، تمہارے دیور کو ذرا تمیز نہیں ہے، اور نہ ہی اسے میری پرواہ ہوگی، اپنے غصے اور اکڑ میں''۔ چوٹی بنا کے پیچھے کی۔

''ایسا تم سوچ رہی ہو، ورنہ حقیقت یہ نہیں ہے''۔ حرما کو اس کی بدگمانی پر فکر ہو رہی تھی، پتہ نہیں یہ بعد میں شہران کے ساتھ سیٹ بھی ہوگی یا نہیں۔

''سب کچھ تمہیں بتا چکی ہوں پھر بھی کہہ رہی ہو کہ حقیقت یہ نہیں ہے''۔ وہ تو تپ گئی۔

''تم اس ساری بحث کو چھوڑو، تیار ہو، میں تمہارے مہندی لگوا کے آتی ہوں، شہران گاڑی لے کے آ جائے گا''۔

''اس کے ساتھ تو بالکل بھی نہیں''۔ وہ سن کے اچھل گئی۔

''اچھا ہے نا، آرام سے ٹیکسی میں چلے جائیں گے''۔

''ہم ٹیکسی میں خود بھی جا سکتے ہیں، اس کے ساتھ تو بالکل بھی نہیں''۔ وہ شہران کا کسی طرح بھی سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی، جب سوچتی فکر اور گھبراہٹ ہی ہونے لگتی تھی۔

''لیل ماہ! تم کتنی لڑاکا اور بدتمیز ہوگئی ہو''۔ حرما کو اس کی حرکتوں پر غصہ آنے لگا۔

''جیسا تمہارا دیور ویسی میں ہوگئی ہوں''۔ ترخ کے ہی جواب دیا۔

''تم غصہ ختم کر کے کچھ اچھا نہیں سوچ سکتی ہو؟'' وہ اکتا گئی۔

''مثلاً کیا اچھا؟'' ترکی بہ ترکی گویا ہوئی۔

''اپنی سوچ کو مثبت رکھو، پھر دیکھنا تمہیں برائی میں بھی اچھائی نظر آئے گی، میں مانتی ہوں شہران اکھڑ اور روکھا ہے، اگر وہ بدتمیز ہوتا تو ابو کو اس حالت میں ہاسپٹل نہیں لے کے جاتا، اس نے ہم سب کو کتنی دیر بعد بتایا وہ ابو کو ایڈمٹ کروا چکا تھا''۔ حرما نے اسے سنجیدہ لہجے میں سمجھایا۔

''ہر لڑکی کی شادی ہوتی ہے تم اس بات کا شکر ادا کرو، تمہاری منیب الرحمٰن سے جان چھوٹ گئی، اگر اس سے ہو جاتی تو کیا ہوتا، تم روتی ہی رہتیں، صرف اس لیے کہ وہ ہمارے باپ کی عمر کا ہے اور شکر ادا کرو، تمہیں صحیح عمر کا شخص مل رہا ہے اور تم اسے ہی برا بھلا کہہ رہی ہو، تم اگر خود کو بدلو، سوچوں کو بدلو تو دیکھنا تمہیں سب کچھ واضح نظر آئے گا، ہر ایک میں برائی ہوتی ہے، تم میں بھی بہت سی برائیاں ہیں، تم بھی تو خود پر نظر ڈالو، ہو سکتا ہے اسے بھی تم سے یہی شکایتیں ہوں، دیکھو! اب رشتہ ہونے جا رہا ہے تو تمہاری باری ہے کہ اسے کیسے نبھاتی ہو، تمہیں جو کچھ بھی کہنا ہے تم شہران سے روبرو ہو کر کہنا، کیونکہ سامنے بیٹھ کر اگر دل صاف کر لو تو بہت اچھا ہے''۔ لیل ماہ سر جھکائے گہری سوچ میں غرق حرما کی اتنی گہرائی سے سمجھائی گئی باتوں کو سن بھی رہی تھی۔

''اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہم بندوں کا اچھا ہی چاہتا ہے، اگر انسان صابر و شاکر رہ کر گزارہ کرے تو پھر اچھا ہی ہوتا ہے''۔

''آپی! شہران میں غنڈوں والی صفت کیوں ہے؟''۔

''میں نے تمہیں کیا کہا ہے، اسے ماحول ہی ایسا تناؤ والا ملا ہے، ذیشان تو اکھڑ نہیں ہوئے، مگر شہران میں غصہ آ گیا ہے''۔ اس نے بتایا۔

''میں جب یہاں سے رخصت ہو کر ذیشان کے گھر گئی، تمہیں کیا بتاؤں کتنی اذیتوں سے گزری ہوں، مگر وہ سب لوگ اتنے اچھے ہیں سب نے میرا دل جیت لیا، وہاں میری اتنی عزت و قدر ہے کہ میں خود حیران ہوتی ہوں، ذیشان مجھے خود سے زیادہ چاہتے ہیں اور اب جب سے یہ پریگننسی اسٹارٹ ہوئی ہے ذیشان اور ان کی امی میرا اتنا خیال رکھتی ہیں کہ کیا بتاؤں، میرا یہاں دل نہیں لگتا دل کرتا ہے میں اپنی سسرال چلی جاؤں، اس لیے کہ وہ سب توجہ و محبت ہی اتنی دیتے ہیں، مگر یہ سب اس طرح ہی ممکن ہوگا کہ تم بھی میری طرح اپنی سوچ کو مثبت رکھنا، دیکھنا سب ہی تمہارے ہوں گے، شہران کو تم توجہ و پیار سے ہینڈل کرنا، دیکھنا وہ تم سے اتنی محبت کرے گا تم خود پر ناز کرو گی''۔ وہ اسے سمجھا رہی تھی، لیل ماہ کے دل و دماغ سمجھ جا رہے تھے، مگر اسے شہران کی باتیں بھی دکھ دیتی تھیں، اس کی روکھائی ذرا گوارہ نہیں تھی۔

☆.........☆.........☆

''آپ مجھ سے تو ذکر کر دیتیں''۔حمدان تو سر تھام کے ہی رہ گیا۔

''تم سے ذکر کرتی تو وہی تم کہتے ابھی نہیں''۔وہ اسے بتا چکی تھیں، اریشماء کے لیے اس کی بات کر آئی تھیں۔

''پھر بھی امی! میرے علم میں تو یہ بات رہتی آپ اس ارادے سے وہاں جا رہی ہیں''۔حمدان کو خوشی بھی ہو رہی تھی اور حیرانی بھی کہ امی نے کتنی جلدی سب کچھ کر ڈالا تھا۔

''اب تو علم میں دے دی ہے''۔وہ تیز لہجے میں گویا ہوئیں، جب سے حمدان پر گھر کی ذمے داریاں پڑی تھیں، وہ حد سے زیادہ سنجیدہ اور سوبر ہو گیا تھا، ورنہ دس سال پہلے بہت خوش مزاج اور شوخ ہوا کرتا تھا، عدین اور وہ دونوں گھر میں رونق لگائے رکھتے تھے، حمدان جب بھی چھٹیاں گزارنے پاکستان آتا تھا وہ کتنا اہتمام کرتی تھیں، بالکل شہزادوں کی طرح ان کے بچے زندگی گزار رہے تھے، اچانک سے سب کچھ ایسا بکھرا کے حمدان دل برداشتہ ہی ہو گیا تھا، ایسے میں روحیل سکندر اور اریشماء نے ہی اسے سہارا دیا تھا، وہ ان کے بھی احسانات نہیں بھولیں گی۔

''اچھا جب آپ گئی تھیں سب تھے گھر میں؟''قدرے توقف کے بعد کچھ جھجک کر گویا ہوا، وہ پوچھنا اریشماء کا چاہ رہا تھا۔

''ہاں اریشماء بھی تھی''۔وہ جیسے سمجھ گئی تھیں۔حمدان نے جھینپ کے لب بھینچ لیے۔

''روحیل بھائی کہہ رہے تھے جلد ہی مثبت جواب دیں گے''۔

''اچھا....!''

''لڑکی کا معاملہ ہوتا ہے، سوچ سمجھ کے ہی جواب دیں گے، مگر مجھے امید ہے، ہاں کا ہی جواب ہو گا''۔امی کو قوی امید تھی وہ اس کے روم سے نکل گئی تھیں۔حمدان کے لب مسکرانے لگے تھے، اسے اس پر بھی حیرانی تھی کہ اریشماء کی ایکسائٹمنٹ والی کال کیوں نہیں آئی وہ تو یہی چاہتی تھی اب یہ سن کے اس کا رسپانس کیا ہوا تھا۔

''اے پاگل لڑکی! اب پتہ لگے گا تمہیں، میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں''۔وہ سوچوں میں اریشماء سے مخاطب تھا۔آج پہلی دفعہ وہ خیالوں میں اریشماء کو خود کے ساتھ محسوس کر رہا تھا، وہ اور لڑکیوں سے کتنی مختلف تھی، مستقل مزاج اور پراعتماد، کام کے وقت وہ کام کی ہی بات کرتی تھی، مگر عام وقت میں وہ ہمیشہ اسے یہ محسوس کراتی تھی وہ اسے کتنا چاہتی ہے، صبح وہ اٹھ کر مسکراتا ہوا آفس کے لیے نکل گیا تھا، روحیل سکندر آج خلاف توقع وقت سے پہلے موجود تھے۔

''السلام علیکم!''حمدان نے موٴدب لب و لہجے میں انہیں سلام کیا وہ مسکرا کے اسے ہمیشہ جواب دیتے تھے۔

''آج میں اتنی جلدی اس لیے آ گیا ہوں کہ تم سے نیو پروجیکٹ پر ڈسکس کرنا ہے، اریشماء تو آفس سے الگ ہی ہوتی جا رہی ہے''۔انہوں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا، کل سے روحیل سکندر حمدان کا پرپوزل آنے پر بہت خوش تھے۔

''سر! مجھے آپ سے ضروری بات کرنی تھی''۔وہ سر جھکائے قدرے توقف کے بعد گویا ہوا، بلیک پینٹ پر آف وائٹ شرٹ میں ہمیشہ کی طرح ڈیسنٹ ہی لگ رہا تھا۔

''مجھے بھی آپ سے ڈھیر ساری کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں، مگر اس کے لیے آفس مناسب نہیں ہے، تم آج رات کا ڈنر میرے گھر پر میرے ساتھ کرنا''۔انہوں نے بھی جھٹ اپنا بھی مدعا بیان کر دیا۔

''مجھے رات میں ٹائم مشکل سے مل رہا ہے''۔اس نے عذر پیش کیا وہ آفس کے بعد شوروم چلا جاتا تھا، کچھ وقت وہاں بھی لگا رہا تھا۔

''یار! آج جلدی چلے جانا آفس سے، مگر ڈنر میرے ساتھ ہی کرنا ہے پلیز''۔ان کے لہجے میں التجا تھی، وہ سر ہلا کے رہ گیا، انہیں زیادہ انکار کرنا بھی اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

''ہوں....اب تم بولو کیا کہنا ہے؟''ان کے لہجے میں بشاشت تھی۔

''میں ریزائن کرنا چاہ رہا ہوں''۔وہ رک رک کے گویا ہوا۔

''حمدان بیٹا! تم اگر ریزائن کر دو گے تو میں تو کچھ بھی نہیں کر سکوں گا''۔وہ متفکر سے ہو گئے۔

''سر! مجھے اپنا بھی کام دیکھنا ہے، کیونکہ وہاں میری موجودگی زیادہ ضروری ہے نیا نیا کام ہو گا، اسے سیٹ کرنے میں بھی ٹائم لگے گا''۔اس نے توجیہہ ظاہر کی۔

''مگر میں تمہارا ریزائن قبول نہیں کروں گا، تم نے ادھر سارا کام سنبھالا ہوا ہے، کچھ بھی ہے تمہیں ادھر بھی سنبھالنا ہے''۔وہ جیسے اس کا کوئی عذر نہیں سننا چاہتے تھے۔

''سر! یہ مناسب نہیں ہے''۔وہ کہنے سے جھجک رہا تھا اس کا اشارہ کس بات کی طرف ہے۔

''جو مناسب ہے میں وہ بہتر سمجھ کے ہی کرتا ہوں، تم جیسے کام کرتے ہو، اسی طرح کرو، چند گھنٹے کے لیے ہی چاہے آؤ، تمہیں آنا پڑے گا، کیونکہ اریشماء نے تو منع کر دیا ہے''۔

''مگر کیوں سر! انہوں نے کیوں آنے سے منع کر دیا ہے؟''وہ انجان بن کے گویا ہوا۔

''کہتی ہے مجھے نہیں کرنا بزنس نا کچھ اور، اب تم ہی اس سے بات کر لینا، ابھی تو تم وہ سائٹ کے پروجیکٹ کے پیپرز لاؤ''۔انہوں نے گفتگو کو سمیٹا۔

''جی....!''وہ کھڑا ہو گیا۔حمدان پریشان ہو رہا تھا، دو دو جگہ کیسے توجہ دے سکے گا، اس کا ارادہ جینٹس بوتیک اسٹارٹ کرنے کا بھی تھا، کیونکہ بجٹ اس کے پاس بن رہا تھا، کچھ تو مزید کر کے اسے اپنے بزنس کو بڑھانا تھا، روحیل سکندر کا آفس سنبھالنا جبکہ رشتہ ہونے جا رہا تھا، اسے یہ مناسب نہیں لگ رہا تھا اور نہ آفس کے لوگ ہی یہ سمجھنے لگیں گے کہ اس نے لالچ میں یہ شادی کی ہے، جبکہ اسے روحیل سکندر کے پیسے دولت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، اس کے پاس اپنا ہی بہت کچھ ہو گیا تھا، نہ پہلے ہی اس نے کوئی نگاہ رکھی تھی۔اسے یہ بھی اندازہ تھا تیمور بھی اس رشتے سے بہت تلملائے گا، وہ شروع سے ہی اس سے پرخاش رکھے ہوئے تھے، وہ جلن اور حسد میں کچھ بھی کر سکتا تھا۔

☆.........☆.........☆

حمیرا بیگم نے منگنی کے ساتھ شادی کی تاریخ بھی مانگ لی تھی: کیونکہ بقول ان کے منگنی لمبے عرصے تک نہیں رکھنی چاہیے، شادی ہی بہتر ہے، پھر شہران بھی کم از کم کچھ سدھرے گا، منگنی پر اسد مرزا نے شہران کو گھر ہی بلا لیا تھا، بڑی رونق لگ ئی تھی، لیل ماہ پنک اور اسکائی بلیو کنٹراسٹ سوٹ میں لائٹ میک اپ میں خاصی دلکش لگ رہی تھی، شہران نے کئی دفعہ کن انکھیوں سے اسے دیکھا تھا، مگر اسے لیل ماہ کے چہرے پر پریشانی ہی نظر آ رہی تھی، شیبا اور بسمہ نے اسے مٹھائی کھلاتے ہوئے خوب چھیڑا بھی، وہ بس مشکل سے مسکرائی تھی۔شادی میں تین مہینے تھے، تیاریاں حمیرا بیگم خوب زور و شور

سے کر رہی تھیں اور سب لیل ماہ کی ہی پسند سے وہ لے رہی تھیں، شہران چاہ رہا تھا کہ لیل ماہ سے ایک دفعہ بات تو کر لے، کیونکہ وہ زبردستی کی شادی نہیں کرنا چاہتا تھا، وہ حرما سے کئی دفعہ بات کرنے کی سوچ رہا تھا، مگر جھجک کر رک جاتا تھا، مگر آج اس نے ہمت کر لی تھی، حرما اپنے میکے جا رہی تھی کچھ دن وہاں شاید رکنے کا ارادہ تھا۔

''بھابی! مجھے آپ سے کچھ ضروری بات کرنی ہے''۔ وہ ٹی وی لاؤنج سے نکل رہی تھی، شہران کا متفکر اور پرسوچ چہرہ دیکھ کر وہ ٹھٹھک کے رک گئی اور حیران بھی ہوئی اس نے پہلی دفعہ یوں مخاطب کیا تھا۔

''مجھے لیل ماہ سے مل کے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں، اگر مجھے موقع مل جائے تو.....!'' وہ لب بھینچ کے رہ گیا۔

''ہاں موقع تو مل جائے گا خیریت تو ہے ناں؟'' وہ پریشان ہو گئی تھی۔

''دیکھئے بھابی! آپ کے اور ہمارے گھر میں اتنی خوشیوں سے شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں، میں چاہتا ہوں کہ میں خود سے ایک دفعہ لیل ماہ سے پوچھ لوں''۔

''اس سے پوچھنے کی ضرورت کیا ہے وہ راضی ہے تو''۔

''نہیں، میں چاہتا ہوں کہ اسے جو غلط فہمیاں اور شکایتیں ہیں میں وہ سب کلیئر کر کے ہی اس سے پوچھوں گا اور میں نہیں چاہتا کہ لیل ماہ کی مرضی کے بغیر بات اتنی آگے بڑھے''۔ وہ لمبی چوڑی تمہید باندھتا نہیں تھا، ساری بات حرما سے واضح کر دی، وہ بھی تو یہی چاہتی تھی یہ دونوں ساری باتیں کلیئر کر لیں تو زیادہ بہتر تھا۔

''ٹھیک ہے میں ابھی گھر ہی جا رہی ہوں، لیل ماہ کو کچھ شاپنگ کروانی ہے، تم ایسا کرنا اسے تم ساتھ لے جانا اور جو بھی بات کرنی ہو کر لینا''۔ حرما نے جیسے اس کی مشکل آسان کی۔

''شکریہ بھابی!'' وہ بہت سنجیدہ تھا۔

''شہران! میں نے اندازہ کر لیا ہے تم بھی اور لیل ماہ بھی ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو، مگر ایک دوسرے کو چھوڑنا بھی نہیں چاہتے ہو''۔ وہ مسکراتی ہوئی روم میں آ گئی۔

''کیا بات ہے کب تک چلنا ہے؟'' ذیشان نے پوچھا وہ کالج سے آ کر کچھ دیر ستانے کے لیے لیٹ گیا تھا۔

''سنیئے! ابھی مجھے شہران کہہ رہا تھا.....!'' اس نے جواب میں خوش ہو کر ساری بات اسے بتا دی۔

''ہوں.....تو موصوف بھی خاصے پریشان ہیں''۔ ذیشان بھی ہنسنے لگا۔

''یہ دونوں مل کر ہی اپنا معاملہ خود ہی سلجھا سکتے ہیں''۔ حرما جلدی جلدی چادر اوڑھنے لگی۔

''اے سنو! صرف دو دن رکنا سمجھیں؟'' ذیشان کو یاد آیا تو گویا ہوا۔

''جانے تو دیں پھر بتاؤں گی کتنے دن رکوں گی''۔ اسے ذیشان رکنے ہی نہیں دیتا تھا، کیونکہ اس کے بغیر دل جو نہیں لگتا تھا۔

''اور سنو! زیادہ بازار گھومنے کی ضرورت نہیں ہے، اپنی کنڈیشن کو دیکھ لینا''۔ اس نے حرما کو خود سے قریب کر کے اس کے کان میں کہا۔

☆.....☆.....☆

''اب تیرے لیے پرپوزل آ گیا ہے تو کیوں انکار کر رہی ہے؟'' زویا کو اس کی منطق سمجھ نہیں آ رہی تھی، پہلے حمدان کے لیے پاگل تھی اور اب خود ہی منع بھی کر رہی تھی۔

''اس وقت ڈیڈی نے حمدان پر توجہ کیوں نہیں دی، صرف اس لیے کہ وہ مالی لحاظ سے ہمارے مقابلے کا نہیں تھا''۔ اریشماء کو یہی دکھ و افسوس تھا، ڈیڈی یہاں بھی خود غرض ہی بنے ہوئے ہیں، صرف اپنی بیٹی کا بھلا دیکھ رہے تھے۔

''اریشماء! یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو، مگر اس طرح تو تم خود ہی اپنا نقصان بھی کرواؤ گی''۔ وہ حیرانگی اور فکر میں مبتلا ہو گئی تھی، اس کی سہیلی کو ذرا بھی کہیں بھی سکون نہیں مل رہا تھا۔

''حمدان نے تم سے اس سلسلے میں کچھ بات کی؟''

''زویا! مجھے ایسا لگتا ہے آنٹی نے حمدان سے پوچھے بغیر ہی پرپوزل کی بات کی ہے''۔

''کیوں تم نے اندازہ کیا ہے؟'' وہ گویا ہوئی۔

''میں نے حمدان کا سامنا ہی کرنا چھوڑ دیا ہے، آفس بھی کئی دن سے نہیں گئی''۔ اریشماء کا چہرہ اداس سا ہو رہا تھا، بلیو کاٹن کے پلین سوٹ پر ایمبرائیڈری کا دوپٹہ سلیقے سے شانوں پر سمیٹے خاصی دلکش لگ رہی تھی۔

''میں نے خود کو حمدان کے آگے بہت گرا لیا ہے، اس لیے مزید میں ایسی کوئی حرکت نہیں کروں گی، سمجھ لوں گی حمدان میری قسمت میں تھا ہی نہیں''۔ اس نے حمدان سے مکمل طور پر دست بردار ہونے کا سوچ لیا تھا۔

''حمدان کے بغیر رہ پائے گی؟'' زویا جانتی تھی وہ حمدان کو کبھی بھی نہیں بھول سکے گی۔

''دل کو میں نے سمجھانا شروع کر دیا ہے اور باقی کا اور سمجھا لوں گی، کیونکہ میں نے سوچ لیا ہے کہ ٹیکسٹائل کا کورس کرنے کے لیے باہر چلی جاؤں گی''۔

''فرار حاصل کرو گی؟'' اس نے اریشماء کا اداس و مغموم چہرہ بہت فکر سے دیکھا۔

''ہوں.....!'' آنکھوں کی نمی واضح ہو رہی تھی۔

''تم ایک دفعہ حمدان سے بات کر کے تو دیکھ لو، ہو سکتا ہے وہ تمہیں نہیں جانے دے اور اس کی مرضی سے ہی آنٹی پرپوزل لے کے آئی ہوں''۔

''نہیں زویا! اب مزید میں خود کو بے وقعت نہیں کر سکتی، میں نے جتنی بے وقوفیاں کرنی تھیں کر لی ہیں، میں اپنی انا تک کچل کے اس کے پیچھے دیوانوں کی طرح بھاگی ہوں''۔

''محبت و عشق میں تو ایسا ہی سب کرتے ہیں، تم نے ایسا کیا تو کوئی برا تھوڑی ہی کیا، تم اس سے سچی محبت جو کرتی ہو''۔ زویا نے اس کے دل کی ویرانگی اور اداسی واضح محسوس کی تھی۔

''میں نے کچھ زیادہ ہی کر لیا ہے، جو چیز میری نہیں تھی میں کیوں اس کے پیچھے اتنا بھاگی''۔ اریشماء کو اپنی غلطی کا دکھ و احساس ہو رہا تھا۔

''تمہیں کیا پچھتاوا ہو رہا ہے؟'' زویا نے اسے ٹٹولا۔

''نہیں پچھتاوا تو بالکل نہیں، ہاں یہ دکھ بہت ہو رہا ہے مجھے حمدان نے بہت اگنور کیا ہے''۔

''اس نے ٹھیک کیا ہے وہ خود کو اس قابل نہیں سمجھتا تھا، جب ہی اس نے مجھے رسپانس بھی نہیں دیا، مگر اس نے مجھے ایسا کیوں سمجھا، یہ پرپوزل اس وقت بھی تو آ سکتا تھا جب میں تیمور کے لیے راضی نہیں تھی''۔

''اس وقت تمہارے ڈیڈی اسے کیسے قبول کرتے، جبکہ وہ تیمور کو ہی چاہتے تھے''۔ زویا نے اسے دیکھا۔

ذیذی لواس وقت اپنا بھتیجا ہی نظر آرہا تھا، اور آج دیکھو بھتیجے کی اصلیت کھل کے سامنے آگئی ہے''۔ اریشماء کا سیل ہیپ دینے لگا اس نے بیگ سے سیل نکالا۔

''زویا! میں چلوں گی، ڈیڈی کی کال تھی کچھ کام ہے انہیں شاید''۔ وہ افہام کو چنک مٹنک پیار کر کے اپنا بیگ شولڈر پر لٹکائے زویا کے گلے لگ کے پیار کرنے لگی۔

☆.....☆.....☆

حرما کی طبیعت خراب ہونے لگی تو زیادہ شاپنگ نہیں کی اس لیے کال کر کے شہران کو بلالیا۔

''آپی! تمہیں اسے بلانے کی کیا ضرورت تھی، ٹیکسی ہمیں مل جاتی''۔ لیل ماہ چادر میں خود کو سموئے غصے میں تن پھن کرنے لگی۔

''کتنی دیر ہوگئی ہے ہمیں یہاں، آئی کوئی ٹیکسی؟'' حرما نے اس کی تپی ہوئی صورت دیکھی۔ اتنے میں شہران کی بلو کیب ان دونوں کے قریب رکی، لیل ماہ نے ناگواری سے منہ ہی پھیر لیا، جبکہ شہران فریش سا نظر آیا۔

''شہران! مجھے فوراً گھر چھوڑ دینا، کچھ چیزیں ہیں یہ گھر پر رکھنی ہیں''۔ وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی اور لیل ماہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی ہوئی پیچھے بیٹھ گئی، شہران اس کے تاثرات دیکھ رہا تھا اور اس کا غصہ اور ناگواریت بھی سمجھ رہا تھا۔

''کون سے گھر؟'' اس نے پوچھا۔

''ارے اپنے گھر''۔ حرما مسکرائی۔

''آپی! تم گھر کیوں جارہی ہو؟'' لیل ماہ کو اعتراض ہوا۔

''چند منٹ کا کام ہے، پھر میں واپس وہیں گھر چلوں گی''۔ اس نے تسلی دی۔ شہران نے حرما کو چھوڑا، لیل ماہ بھی اتر ہی رہی تھی۔

''ایک منٹ رکیئے!'' آج تو بڑی تہذیب سے مخاطب ہوا تھا۔ حرما تو اندر چلی گئی اور شہران نے کیب اسٹارٹ کردی۔

''کیا بدتمیزی ہے گاڑی روکیئے!'' وہ چیخی۔

''مجھے تم سے چند منٹ چاہئیں''۔ وہ سنجیدہ لہجے میں مخاطب ہوا۔

''دیکھو! مجھے کوئی بات نہیں کرنی ہے اور اب بات کرنے کا وقت نکل گیا ہے''۔ طنزیہ لہجے میں پھنکار کے کہا۔

''ابھی بھی وقت ہے''۔ وہ سن ہی نہیں رہا تھا، ڈرائیو کیے جارہا تھا۔ لیل ماہ کا غصے کے مارے برا حال ہورہا تھا۔

''یہ تمہاری اور آپی کی ملی بھگت ہے، جب ہی وہ اتر گئیں''۔

''بھابی سے میں نے ہی کہا تھا کہ مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے''۔ اس نے جھٹ کہا۔

''لیل ماہ! میں نہیں چاہتا کہ تم پر زبردستی فیصلہ تھوپ کے یہ رشتہ قائم کیا جائے، تمہاری اگر مرضی نہیں ہے تو میں انکار کردوں گا، خود پر ساری بات لے لوں گا، کیونکہ مجھے تو لوگ ویسے بھی شروع سے برا ہی کہتے اور سمجھتے ہیں، یہ بھی میں برداشت کرلوں گا، میں مانتا ہوں کہ میں اکھڑ اور بدتمیز ضرور ہوں، تمہارے ساتھ کئی دفعہ فضول حرکتیں اور بکواس بھی کی ہے، مگر صرف اس وجہ سے کہ تمہارے ابو مجھے برا ہی سمجھتے تھے، اس لیے میں صرف غصے میں آکر یہ سب کرتا تھا، ورنہ میرا

مقصد تمہیں ہراساں کرنا نہیں تھا''۔ وہ بڑی مستعدی سے آہستہ آہستہ ڈرائیو رنگ کررہا تھا۔ وہ حیرت وانبساط میں مبتلا سکتے میں ہی رہ گئی۔

''میں نے کبھی کسی سے یوں اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کیا ہے، تم واحد ہو جس سے میں یہ سب باتیں کررہا ہوں''۔ اس نے فان کلر کی چادر میں لپٹا اس کا چہرہ مرر سے نگاہوں کے حصار میں لیا۔

''اب کیا فائدہ ان سب باتوں کا؟'' اسے اس لمحے شہران ذرا بھی اکھڑ اور سرد مہر نہیں لگ رہا تھا، اس کے لہجے میں شرمندگی اور تھکاوٹ بھی لگ رہی تھی۔

''ہے فائدہ، میں اس شادی سے انکار کردوں گا''۔

''آپ کو انکار کرنے کی ضرورت نہیں ہے، میں خود کردوں گی''۔ اس نے دنڈوسے باہر اپنی نگاہیں کیں۔

''ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی''۔

''تم جانتے ہو اگر میں انکار کروں گی تو ابو کو کتنا دکھ ہوگا''۔ اس نے مجبوری بتائی۔

''انکل کو میں سمجھالوں گا''۔ اسے لیل ماہ کو چھوڑتے ہوئے دکھ بھی ہورہا تھا، دل کے ایوانوں میں وہ تو آگئی تھی، پہلے غصے کی وجہ سے وہ اس سے ایسی باتیں کرتا تھا جس سے وہ زچ ہوجاتی تھی، مگر اب محبت و پیار کے سوتے پھوٹنے لگے تھے، اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا وہ اتنا مغرور اور بددماغ شخص بھی کسی لڑکی سے محبت کرسکتا ہے، اقرار و محبت و اظہار کرنا بھی تو یہ سرپھری اور غصے میں بھری لڑکی سمجھے گی نہیں، اس لیے اس نے فیصلہ کیا تھا کہ اسے چھوڑ دینا ہی مناسب ہے۔

''پھر ٹھیک ہے میں تمہیں بتادوں گی، کب میں انکار کروں گی''۔ وہ دھیمے لہجے میں گویا ہوئی۔

''ایک بات میں بھی تم سے بولنا چاہوں گی''۔

''ہوں بولو!'' اس نے سر ہلایا۔

''آئندہ کبھی کوئی لڑکی تمہاری زندگی میں آئے تو اسے پیار و محبت سے جیتنا، کیونکہ لڑکیاں کانچ کی طرح ہوتی ہیں وہ ٹوٹ کے بکھر بھی جاتی ہیں، کچھ لڑکیاں میری طرح کانچ بن کے چبھ بھی جاتی ہیں''۔ ذومعنی لہجے میں اتنی گہرائی سے اس نے کہا۔ شہران نے چونک کر اس کی بات پر غور کیا، کتنا سچ کہہ رہی تھی، ان چند ماہ میں وہ کانچ کی طرح اس کے دل میں چبھ ہی گئی تھی اور وہ چاہ کر بھی یہ کانچ نہیں نکال رہا تھا، کیونکہ اسے یہ کانچ بہت اچھا لگنے لگا تھا۔

''مہربانی کر کے مجھے گھر چھوڑ دیں، ویسے ہی پانچ بج گئے ہیں، گھر والے پریشان ہورہے ہوں گے''۔ اس نے نرم آواز میں کہا۔

''مجھے کب بتاؤ گی؟''

''بہت جلد میں آپ کو اپنے فیصلے سے آگاہ کردوں گی''۔ رضویہ چورنگی آتے ہی وہ سنبھل گئی تھی، سرسید کالج کے پاس والی ہی گلی میں ان دونوں کا گھر تھا، لیل ماہ کے دماغ میں پچھلی گزشتہ باتیں گھومنے لگیں، جب وہ راستہ روک کر کھڑا ہوتا تھا اور وہ ہراساں حواس باختہ ہوجاتی تھی۔

(جاری ہے.....)

☆.....☆.....☆

مکمل ناول

یہ انداز اہل وفا کے

لان کو پانی دینے کے بعد وہ چائے بنانے کے لیے کچن میں چلی آئی، مگر ماما کو وہاں مصروف دیکھ کر چونک گئی، وہ ایک ساتھ کئی چیزوں سے نبرد آزما تھیں، چولہے پر کچھ پک رہا تھا، ساتھ ہی سلیب پر قیمے کا باؤل اور ٹرے رکھی تھی، جس پر کچھ شامی کباب بنے رکھے تھے۔

''کوئی گیسٹ آرہا ہے آج؟'' اس نے چائے کا پانی چولہے پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہممم....!'' اوون میں کیک چیک کرتے ہوئے انہوں نے بڑے مصروف انداز میں ہنکارا بھرا۔

''کون؟''

''ارشین''۔ انہوں نے اس کی کزن کا نام لیا۔

''ارشی آپی.... واقعی.... وہاج بھائی بھی ساتھ آرہے ہیں؟'' اس نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں مگر ارشی کی ساس اور چچی ساس آرہی ہیں''۔ وہ اب پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''ساس اور چچی ساس.... وہ کیوں؟'' اسے اچنبھا ہوا۔

''تمہارا پرپوزل لے کر''۔ وہ مسکرائیں۔

’’میرا پرپوزل.... مگر کس کا؟ وہاج بھائی کے تو سارے بھائی شادی شدہ ہیں‘‘۔ اس نے کچھ حیرت سے انہیں دیکھا۔
’’بے وقوف لڑکی! وہاج کے بھائی کا نہیں، کزن کا پرپوزل آ رہا ہے‘‘۔
’’کک.... کون سے کزن کا؟‘‘ اسے گھبراہٹ نے آلیا تھا، دل زور زور سے دھک دھک کرنے لگا تھا۔
’’وہاج کے چاچو حیدر بخاری کا بیٹا ہے ناں، کیا نام ہے اس کا؟‘‘ وہ انجان بنی تھیں۔
’’حمیر بخاری؟‘‘ وہ تیزی سے بولی۔
’’ہاں.... حمیر بخاری‘‘۔ وہ زور دیتے ہوئے بولیں، چہرے پر شرارتی مسکراہٹ ناچ رہی تھی، اپنی تیزی پر وہ جھینپ سی گئی، چہرہ ان کے شرارتی انداز پر سرخ ہو گیا تھا، اس نے رخ موڑ لیا۔
’’حمیر بخاری.... اس نے آنکھیں بند کیں، نینوں میں اس کی شبیہہ اتر آئی۔
’’کیا ہوا؟ کیا حمیر بخاری تصور میں چہل قدمی کرنے آ گیا ہے؟‘‘ ماما کی شرارت بھری آواز کانوں سے ٹکرائی تو اس نے جھٹ آنکھیں کھول دیں۔
’’آپ بھی ناں بس....!‘‘ وہ گھبرا کر کیبنٹ میں سے کپ نکالنے لگی، اس کے گھبرانے پر انہوں نے قہقہہ لگایا تھا۔

☆............☆............☆

’’آج میں اوپر آسمان نیچے....!‘‘
کپڑے پریس کرتے وہ گنگنا رہی تھی، اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ حمیر بخاری جسے دیکھ کر لڑکیوں کے دل دھڑکنا بھول جاتے ہیں، اس کا پرپوزل اس کے لیے آ رہا ہے۔ ارشین اپنی پھپھوزاد کی شادی میں اس نے اسے پہلی بار دیکھا تھا۔ دراز قد، مضبوط کسرتی جسم، سیاہ بال، گندمی رنگت، اپنی سبز گہرے پانیوں جیسی آنکھیں گاڑ کر وہ مقابل کو ویسے ہی چت کر دیتا تھا، اس پر بلا کا حاضر جواب، کئی لڑکیوں کی طرح وفا کا دل بھی اسے دیکھ کر دھڑکا تھا اور لمحہ بھر میں اس کے ساتھ کی دعا کر لی تھا۔ ارشین کے گھر میں کئی بار اس سے سامنا ہوا، مگر بات سلام دعا تک ہی تھی، ارشین کی شادی کے تین سال بعد حمیر بخاری کا رشتہ اس کے لیے آ رہا تھا، کسی پل مانگی گئی دعائیں بھی قبول ہوتی ہے، وہ حیران تھی۔

☆............☆............☆

مہمانوں کے پاس کچھ دیر بیٹھ کر وہ اپنے کمرے میں چلی آئی تھی اور اب بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے بیٹھی تھی۔
’’کس کے خیالوں میں کھوئی ہوئی ہیں میڈم؟‘‘ ارشین کی آواز آئی، اس نے جھٹ آنکھیں کھول کر اسے دیکھا اور نفی میں سر ہلا دیا۔
’’اونہوں.... ہم سے پردہ داری جناب! سوچ لو بھئی، سوچ لو، آدھے شہر کی لڑکیوں کے خیالوں کا مرکز ہے وہ، تم پھر اس کی ہونے والی ہو‘‘۔ اس نے شرارت سے آنکھیں گھمائیں۔
’’ایسے کیسے.... ابھی تو آپ صرف پرپوزل لائی ہیں، ماما پاپا نے ہاں تو نہیں کر دی اور ایسا بھی کوئی شہزادہ گلفام نہیں ہے آپ کا دیور‘‘۔ اس نے منہ بنایا۔
’’ارے واہ.... ہمارے لڑکے میں کوئی کمی ہے جو ماموں ممانی انکار کریں گے اور شہزادہ گلفام تو ہے ہی، جبھی تو

یوں اکیلے اکیلے بیٹھ کر سوچا جا رہا تھا‘‘۔ انہوں نے اس کے گدگدی کی تھی۔
’’ہونہہ.... ہاں تو ہو لینے دیں‘‘۔
’’وہ تو ہو گی ہی انشاءاللہ‘‘۔
’’آمین!‘‘ اس کی زبان پھسلی تھی اور ارشین نے اس کی زبان پکڑ لی تھی۔

☆............☆............☆

رحمٰن صاحب اور سائرہ بیگم کی ایک ہی اولاد تھی، وفا.... جسے سائرہ بیگم اور رحمٰن صاحب نے بڑے ناز و نعم سے پالا تھا، رحمٰن صاحب کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھی وہ، تو سائرہ بیگم کی جان بستی تھی اس میں، اس کی تعلیم پوری ہو چکی تھی، اب بس رحمٰن صاحب کو تلاش تھی ایک بہترین رشتے کی، ہر لحاظ سے مکمل شخص کی جو اُن کی بیٹی کو ہر خوشی دے سکے، جیسے کہ وہ آج تک دیتے آئے تھے اور آج تو لگتا تھا کہ ان کی خواہش پوری ہو گئی ہے۔ حمیر بخاری ہر لحاظ سے مکمل تھا، حسب نسب، دولت، عزت غرض سب کچھ تو تھا اس رشتے میں اور پھر اس گھر کی ایک بیٹی بخاری ہاؤس کی بہو تھی، جو ہر لحاظ سے آسودہ اور خوش تھی، سو ایک ہفتہ سوچ بچار کے بعد بخاری ہاؤس والوں کو وہاں کا عندیہ دے دیا گیا۔

☆............☆............☆

بخاری ہاؤس میں ہارون بخاری اور حیدر بخاری کی فیملیز آباد تھیں، ہارون بخاری اور آمنہ بخاری کے تین بیٹے تھے، وجاہت، ولید اور وہاج۔ حیدر بخاری اور سفینہ بخاری کی چار اولادیں تھیں عمیر، لبنٰی، حمیر اور حبہ۔ وجاہت بخاری کی شادی آمنہ بخاری نے اپنی کزن کی بیٹی شہلا سے کی تھی، ولید کے لیے وہ لبنٰی کو چاہتی تھیں، مگر ولید نے اپنی کلاس فیلو ارم کا نام لیا تو وہ خاموش ہو گئیں، سفینہ کا خیال تھا کہ وہ ولید کے لیے لبنٰی کو مانگیں گے، مگر وہ گھر میں لڑکی ہوتے ہوئے بھی غیر خاندان سے بہو لے آئیں، جس کی وجہ سے انہیں لبنٰی کی شادی بھی خاندان سے باہر کرنی پڑی، اس لیے وہ آمنہ اور ہارون بخاری سے کھنچ سی گئی تھیں، اس بات سے وہ لاعلم تھیں کہ ارم، ولید کی پسند ہے، سب سے چھوٹے وہاج تھے، جن کی شادی ارشین سے ہوئی تھی۔
حیدر بخاری کے بڑے بیٹے عمیر بھی شادی شدہ تھے اور اپنی بیوی اور دو بچوں کے ہمراہ اسلام آباد میں مقیم تھے، عمیر کے لیے سفینہ اپنی بھانجی کو بیاہ لائی تھیں، سب سے چھوٹی حبہ تھی جو انٹر کی طالبہ تھی۔ ایک ہی پلاٹ پر دو کوٹھیاں بنی ہوئی تھیں، دونوں کوٹھیوں کو جو چیز جدا کرتی تھی وہ تھا درمیان میں وسیع و عریض لان۔

☆............☆............☆

منگنی بخاری ہاؤس کے مکینوں کو راس نہ آئی تھی، سو برسوں پہلے منگنی کا رواج ختم کر دیا گیا تھا، اس لیے دو ماہ بعد شادی کی تاریخ لے لی گئی، دونوں طرف تیاریاں جاری تھیں کہ سائرہ کو سفینہ بخاری کی کال آئی تھی، وہ چاہتی تھیں کہ شادی کا زیورات وفا خود اپنی پسند سے لے لے، اس لیے وہ وفا کو اپنے ساتھ بازار لے جانا چاہتی تھیں۔
’’ہاں کیوں نہیں، آپ جب چاہیں وفا کو لے جا سکتی ہیں‘‘۔ انہوں نے جواب دیا۔ سفینہ نے شام کو وفا کو پک کرنے کا کہہ کر فون رکھ دیا۔ لبنٰی اور سفینہ بخاری کے ساتھ زیور پسند کرتے وقت اس کی توجہ زیور پر کم اور اپنے اطراف پر زیادہ تھی، بندیا پسند کرتے وقت بھی اس کا یہی حال تھا، بہرحال زیور پسند کر لینے کے بعد وہ شاپ سے نکل کر ریسٹورنٹ میں آ گئے

تھے اور کولڈ ڈرنک پیتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔

''یُو آر سو اسٹوپڈ..... وفا رحمٰن! تمہیں کیا لگا وہ کسی ناول کے ہیرو کی طرح تم سے ٹکرا جائے گا اور اپنی مام اور بہن کو جل ہوتے ہوئے کہے گا، وہ میں بھی اپنے فرینڈ کے ساتھ اسی مال میں شاپنگ کرنے آیا تھا''۔

☆.....☆.....☆

آج وہ مایوں بیٹھی تھی، گہرے سبز رنگ کے چوڑی دار پاجامے پر پیلی قمیض اور دوپٹہ تھا، ہری اور پیلی چوڑیوں کلائیوں میں بھری تھیں اور گیندے کے پھولوں کا زیور پہنا تھا، رسم کے بعد اسے کمرے میں واپس چھوڑ گئے تھے، وہ آئینے کے آگے بیٹھی تھی، اپنے پہلو میں اسے حمیر بخاری کھڑا نظر آ رہا تھا۔

''صرف تین بعد میں وفا حمیر بخاری ہو جاؤں گی''۔ وہ اس کے تصور سے مخاطب ہوئی، چہرے پر خوبصورت مسکراہٹ بکھری تھی، دل میں ارتعاش برپا تھا۔ دراز کھینچ کر اس نے اپنی ڈائری نکالی اور صفحے پر جگہ جگہ نام لکھنے لگی ''حمیر'' ان دو ماہ میں اس نے اسے اتنا سوچا تھا کہ اب تو ہر جگہ وہی نظر آتا تھا، آتے جاتے اسے دیکھ کر کبھی رحمٰن صاحب آبدیدہ ہو جاتے تو کبھی سائرہ بیگم اس سے اپنی آنکھیں چھپانے لگتیں اور وہ خود بھی روہانسی ہو جاتی۔

''ٹھیک ہے اگر آپ لوگ ایسا کریں گے تو میں شادی نہیں کروں گی''۔ اس نے دھمکی دی تو رحمٰن صاحب نم آنکھوں کے ساتھ مسکرا دیئے۔

''ایسے نہیں کہتے میرے بچے!'' انہوں نے اسے لپٹا لیا۔

''برسوں جسے کلیجے سے لگا کر رکھا ہو، اس کی جدائی پر آنکھیں تو نم ہوں گی ناں، تم خوش رہو گی تو ہم بھی بہار رہیں گے، وہ کہتے ہیں ناں بیٹیوں سے نہیں ان کے نصیب سے ڈر لگتا ہے، ماں باپ سب کچھ دے سکتے ہیں اپنی کو نہیں دے سکتے تو اپنا نصیب۔ ماں باپ کا بس چلے تو اپنے حصے کی خوشیاں بھی اپنی اولاد کو دے دیں، اب تو سانس خدا سے ایک ہی دعا ہے کہ تم خوش رہو''۔ وہ بغور سن رہی تھی۔

''وفا! اپنے سسرال کو اپنا گھر سمجھنا، حمیر کو خوش رکھنا، شروع میں تمہیں ایڈجسٹ ہونے میں پرابلم ہوگی، ہو سکتا ہے چیزیں تمہیں ناگوار بھی لگیں، مگر مجھے امید ہے میری بیٹی بہت سمجھدار ہے، سمجھداری سے کام لے گی، ہے ناں؟ گھر میں کسی کو شکایت کا موقع نہیں دینا، میرا مان رکھو گی ناں؟'' وہ اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے سمجھا رہے تھے، سائرہ باپ بیٹی کی باتوں کو سنتے ہوئے آنسو بہا رہی تھیں۔

''ہاں پاپا!'' وہ ہچکیوں کے درمیان بولی تھی۔

☆.....☆.....☆

مہرون اور پنک کلر کے لہنگے میں وہ بے انتہا خوبصورت لگ رہی تھی، خوبصورت تو وہ پہلے ہی تھی، مگر دلہن بن کر روپ آیا تھا کہ خود کو دیکھتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔

''یہ میں ہوں.....؟''

''آپ کے ہسبینڈ تو ڈھیر ہو جائیں گے''۔ بیوٹیشن نے سرگوشی کی، وہ مسکرا دی، بہت ساری رسموں کے بعد اسے عروسی میں پہنچا دیا گیا، گھونگھٹ اٹھائے وہ کمرے کا جائزہ لے رہی تھی۔

''واؤ.....!'' اس نے دل ہی دل میں کمرہ ڈیکوریٹ کرنے والے کے ذوق کو داد دی، وسیع و عریض کمرے کو دو حصوں میں منقسم کر دیا گیا تھا، ایک طرف بیڈ روم سیٹ تھا، بیڈ اور سائیڈ دراز اور سامنے صوفہ سیٹ اور گلاس ٹیبل رکھ کر سیٹنگ روم کی شکل دی گئی تھی، درمیان میں کرسٹل بیڈز کی لڑیاں لٹکا کر پارٹیشن کر دیا گیا تھا۔

''شکر ہے بیڈ کو روایتی طرز سے نہیں سجایا، ورنہ گھنے میں پرابلم ہوتی''۔ وہ خود سے بولی۔ کمرے کے باہر قدموں کی آہٹ کو اس نے بغور سنا اور ناب گھمانے پر گھونگھٹ گرا دیا، وہ تصور میں اسے اتنا سوچ چکی تھی اور اتنی باتیں کر چکی تھی کہ اب اسے نہ تو اجنبیت کا احساس ہو رہا تھا اور نہ وہ ٹینس تھی۔ کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا گیا، مگر قدم اس کی طرف بڑھنے کے بجائے ڈریسنگ روم کی سمت بڑھ گئے۔

''ہائیں.....؟'' اسے جھٹکا لگا۔

''کمفرٹیبل فیل نہیں کر رہے ہوں گے اس لیے چینج کرنے گئے ہوں گے، مگر میں نے دیکھا بھی نہیں، ماما نے گردن اٹھانے ہی نہیں دی تھی''۔ وہ دل مسوس کر رہ گئی، وہ چینج کر کے باہر آ گیا تھا، مگر پھر بھی اس کی طرف بڑھنے کے بجائے ٹہل رہا تھا، وہ گھونگھٹ کے نیچے سے اس کے قدم دیکھتی رہی۔

''سنو! جا کر چینج کر لو، میرے انتظار میں مت رہو کہ میں تمہارا گھونگھٹ اٹھاؤں گا''۔ کافی ہتک آمیز لہجہ تھا، وہ سن سی ہوئی، کافی دیر بعد بھی جب اس نے وفا میں حرکت ہوتے ہوئے نہیں دیکھی تو پھر بولا۔

''تم نے سنا نہیں، میں نے کیا کہا؟ بیڈ خالی کرو، مجھے سونا ہے''۔ اس نے خود ہی اپنا گھونگھٹ الٹ دیا اور من بھر وزنی ہوتے قدم اٹھاتے ہوئے اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

''وجہ بتانا پسند کریں گے؟'' وہ بہت ضبط سے بولی۔

''شیور... وائی ناٹ، مام ڈیڈ نے زبردستی تمہیں مجھ پر مسلط کر دیا ہے، ہونہہ.... ایموشنلی بلیک میل کیا، عاق کر دیں گے، میں انیتا سے پیار کرتا ہوں، اب سے نہیں گذشتہ پانچ برسوں سے، انہیں کیا لگا، خوبصورتی کا جادو چلے گا مجھ پر، فدا ہو جاؤں گا میں تم پر، مائی فٹ''۔ وہ استہزائیہ نظر اس پر ڈالتا ہوا مڑا۔ وفا نے اس کا بازو پکڑ کے اس کا رخ اپنی طرف کیا۔

''تو میرا کیا قصور؟ پیار اس سے کرتے تھے تو شادی مجھ سے کیوں کی؟ اتنا ہی پیار کرتے تھے تو دھمکیوں سے کیسے ڈر گئے یا آپ کا پیار ہی کمزور تھا؟''

''شٹ اپ... جسٹ شٹ اپ''۔ اس نے دھاڑتے ہوئے ایک جھٹکے سے اپنا بازو چھڑایا اور بیڈ کی سمت بڑھ گیا۔

''صوفے پر لیٹ جانا''۔ اس نے تکیہ اس کی سمت اچھالا۔

☆.....☆.....☆

اس نے تو ایسا صرف ناولز میں پڑھا تھا اور سوچتی تھی یہ رائٹرز بھی ناں، کچھ بھی لکھ دیتی ہیں کہ اب بتاؤ کوئی پیار کسی سے کرے تو شادی کسی اور سے کیوں کرے گا؟ مگر ناولز بھی تو حقیقی زندگی پر ہی مبنی ہوتے ہیں، کبھی ایسا کچھ اس کے ساتھ ہو گا اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ ٹوٹے ارمانوں کی کرچیاں آنکھوں میں چبھ رہی تھیں، روتے روتے جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔ دروازے پر دستک سے وہ جاگی، اس نے بمشکل اپنی متورم آنکھیں کھولیں، رات بھر رونے سے سر بھاری ہو رہا تھا، بیڈ پر تکیہ اچھال کر وہ باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔

''کیا کروں سب کو بتادوں، مگر گھر مہمانوں سے بھرا ہے، سوافسانے بن جائیں گے، ماما پاپا تک بات پہنچے گی تو ٹوٹ جائیں گے، ایک ہی رات میں میرا رشتہ ٹوٹ جائے گا اور پھر میں بھی تو اس سے محبت کرتی ہوں''۔ اپنی محبت کے بارے میں سوچتے ہی اس کی آنکھیں پرنم ہوگئیں۔ وہ اپنے دراز کرلی بالوں کو ڈرائیر کررہی تھی، جب دروازے پر ہلکی دستک ہوئی۔

''گڈ مارننگ''۔ دروازے پر لبنیٰ کو دیکھ کر اس نے اسے وش کیا۔

''گڈ مارننگ جان!'' اس نے آگے بڑھ کر اس کے گال پر پیار کیا، وہ اس کی جانچتی نظروں سے گھبرا کر اپنے آپ میں سمٹ گئی۔

''حمیر نہیں جاگا ابھی؟''

''نہیں''۔ اس نے جواب دیا۔

''تو اسے جگادو، تمہارے گھر سے فون آیا ہے ابھی، وہ لوگ ناشتہ لے کر آنے والے ہیں''۔

''جی''۔ اس نے سر ہلا دیا۔

''اور سنو! ذرا رومینٹک طریقے سے اٹھانا، ہوسکتا ہے صاحب اس طرح کچھ جلدی اٹھ جائیں، ورنہ آدھا گھنٹہ لگائے گا ہی اٹھنے میں''۔ وہ شرارت سے بولی تو وہ بھی زبردستی مسکرادی، دروازہ بند کرکے وہ مڑی اور جا کر اس کے پاؤں کا انگوٹھا ہلایا، اس نے کسمسا کر کروٹ بدل لی۔ وہ اس کے سرہانے جا کر کھڑی ہوگئی، ہلانے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور پھر ہٹالیا، سائیڈ ڈراپر رکھے الارم کلاک پر نظر پڑی، وہ اٹھا کر اس نے الارم آن کیا اور اس کے کان سے لگادیا۔

''کیا مصیبت ہے تمہیں؟'' وہ اس کے ہاتھ سے کلاک چھین کر سائیڈ ڈراپر پٹختے ہوئے دھاڑا، وہ گھبرا کر دو قدم پیچھے ہٹی۔

''لبنیٰ آپی نے کہا کہ میں آپ کو جگادوں، ماما پاپا آنے والے ہیں ناشتہ لے کر''۔

''تو کیا کروں، جا کر ان کے استقبال کے لیے کھڑا ہوجاؤں گیٹ پر؟'' وہ دوبارہ لیٹتے ہوئے بولا۔

''دیکھیے آپ اس طرح سوتے رہیں گے تو ماما پاپا کیا سوچیں گے؟ پلیز جا کر تیار ہوجائیں''۔ وہ منت سے بولی۔

''وہ جو چاہیں سوچیں، مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا''۔ اس نے کمبل منہ پر تان لیا۔

''پر مجھے فرق پڑتا ہے، میں نہیں چاہتی وہ یہاں آئیں اور انہیں کچھ بھی بھنک لگے''۔ وہ بھڑک اٹھی، اس پر کوئی اثر ہوا تھا، اس نے ایک بار پھر الارم آن کرکے اس کے کان سے لگادیا، نتیجہ حسب توقع تھا، وہ تنتناتا ہوا اٹھا اور غصے سے گھورتا ہوا باتھ روم کی طرف بڑھ گیا، وہ گرنے والے انداز میں بیڈ پر بیٹھی اور سر دونوں ہاتھوں میں گرالیا۔

☆.....☆.....☆

شکر تھا کہ ماما پاپا کو کچھ اندازہ نہ ہوا تھا، حالانکہ ماما سے گلے ملتے وقت وفا کا دل چاہا تھا کہ اماں سے سب کہہ دے، اس نے بڑی مشکل سے اپنے آنسوؤں پر قابو پایا تھا، وہ اسے اور حمیر کو ڈنر پر انوائٹ کرکے گئے تھے۔ وہ ڈرائنگ روم سب کے درمیان بیٹھی تھی، جب عانیہ بھابی نے اسے سفینہ بیگم کے بلاوے کی اطلاع دی۔ وہ اٹھ کر ان کے کمرے میں چلی آئی، اس کے سلام کرنے پر جواب دیتے ہوئے انہوں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا، اس کے بیٹھنے پر وہ بغور اسے

دیکھتے ہوئے بولیں۔

''حمیر نے تم سے کچھ کہا؟'' اس نے اثبات میں سر ہلادیا۔ انہوں نے گہری سانس لے کر اسے دیکھا اور اس کے قریب چلی آئیں، آہستگی سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا اور بولیں۔

''تمہارے ذہن میں کئی سوال ہوں گے کہ حمیر جب کسی اور کو چاہتا تھا تو ہم نے اس کی شادی تم سے کیوں کی، ہے ناں؟'' اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

''انیتا یزدانی ہمارے خاندان سے میل نہیں کھاتی، ہم ہائی سوسائٹی میں موو کرتے ہیں، پھر بھی اپنی اخلاقیات نہیں بھولے، وہ ایک سپر ماڈل، باپ ایک کرپٹ بیوروکریٹ، ہمارے سوشل ایکٹیویٹیز نہ ہونے کے برابر ہیں، ہماری دنیا اپنے شوہر بچوں اور گھر کے گرد گھومتی ہے اور اس لڑکی کی ریمپ اور کلبز میں۔ میں اور حیدر نہیں چاہتے تھے کہ ہمارا گھر بھی کسی کلب یا ریمپ میں تبدیل ہوجائے، وہ ہمارے گھر کے لیے مس فٹ تھی، میں نے تمہیں حمیر کے لیے منتخب کیا، کیونکہ تم خوبصورت، ایجوکیٹڈ اور سمجھدار لڑکی ہو اور تمہیں حمیر سے محبت بھی ہے''۔ ان کی آخری بات پر اس نے چونک کر انہیں دیکھا۔

''تم حیران ہو کہ مجھے کیسے پتہ؟'' وہ مسکرائیں۔

''چند ماہ پہلے ارشین اور وہاج کی ویڈنگ اینورسری پر میں نے تمہارا مشاہدہ کیا اور جب ہی مجھ پر آشکار ہوا کہ تمہیں حمیر پسند ہے''۔

''حمیر، انیتا سے محبت کرتے ہیں، ہوسکتا ہے وہ ان کے لیے بدل جاتی''۔ وہ بولی۔

''نہیں وفا! وہ جس طبقے سے تعلق رکھتی ہے وہاں صرف فائدے کو مدنظر رکھا جاتا ہے، حمیر میں فائدہ نظر آرہا ہے تو وہ اس کے ساتھ ہے، اس سے مل کر مجھے اندازہ ہوا کہ نہ وہ بخاری ہاؤس کی بہو بننے کے لائق ہے اور نہ حمیر کی بیوی بننے کے، وہ صرف ایک ماڈل ہی رہے تو اچھا ہے''۔

''مگر ان کے دل میں تو وہی ہے''۔ وہ یاسیت سے بولی۔

''اس کے دل میں صرف تم ہوگی، اتنا مجھے یقین ہے''۔ وہ پریقین لہجے میں بولیں۔

''اسے اپنا آپ محسوس کراؤ، اسے جتاؤ کہ تم اس کی بیوی ہو، تھوڑا پیار نچھاور کرو، تم بہت پیاری ہو، دیکھنا وہ کیسے قابو میں آتا ہے''۔ وہ معنی خیزی سے بولیں تو وہ انہیں دیکھ کر رہ گئی۔ تب ہی حمیر دروازہ ناک کرتا کمرے میں داخل ہوا۔

''آپ نے بلایا تھا؟'' وفا کو نظر انداز کرتا وہ ان سے مخاطب ہوا۔

''ہاں، ٹھیک ہے وفا! تم جا کر تیار ہوجاؤ''۔ وہ اسے جواب دے کر وفا سے مخاطب ہوئیں تو وہ سر ہلاتی کمرے سے نکل گئی۔

''جا کر تیار ہوجاؤ، وفا کے ممی پاپا نے تم دونوں کو ڈنر پر انوائٹ کیا ہے''۔ وہ تحکمانہ لہجے میں بولیں۔

''جانتا ہوں اور میرا جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے''۔ وہ سلگ گیا۔

''یہ تمہارے ڈیڈ کا آرڈر ہے، رسم تو یہ ہے کہ وہ تمہیں اور وفا کو ناشتے کے بعد اپنے ساتھ لے جاتے، پر تمہارے ڈیڈ نے تمہارا موڈ دیکھتے ہوئے ان سے صرف ڈنر رکھنے کے لیے کہا۔ ہمارے سمدھیانے کے سامنے ہماری عزت دو کوڑی کی

نہ کرواور جا کر تیار ہو جاؤ، ورنہ تم جانتے ہو اپنے ڈیڈ کو''۔ وہ تلملاتا ہوا جانے کے لیے مڑا۔

''اور ہاں، اپنا بی ہیویئر ٹھیک رکھنا''۔ پیچھے سے ان کی آواز پر وہ مزید سلگ گیا۔ وہ کمرے میں داخل ہوا تو وفا تیار ہو رہی تھی، اسے نظر انداز کرتا وہ بیڈ پر جا بیٹھا، چوڑیاں پہنتے ہوئے وفا اسے رسالے کی ورق گردانی کرتے دیکھ رہی تھی، اس وقت وہ رسالے کی ورق گردانی ایسے کر رہا تھا، جیسے یہ دنیا کا سب سے ضروری کام ہو۔ ساڑھے چھ بج رہے تھے، اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

''میں نے آپ کے کپڑے ہینگ کر دیئے ہیں''۔ وہ اس سے مخاطب ہوئی، مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

''ماما پاپا نے ہمیں ڈنر پر انوائٹ کیا ہے''۔ وہ قریب جا کر کھڑی ہوئی اور اسے یاد دلایا۔

''یہاں کھڑی ہو کر میرا دماغ مت چاٹو، ابھی ڈنر ٹائم نہیں ہوا ہے''۔ اس کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

''کیا ہم وقت کے وقت جاتے اچھے لگیں گے؟'' وہ روہانسی ہو گئی، اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''ماما پاپا آپ سے ملنا چاہتے ہیں، ڈنر تو بس ایک بہانہ ہے''۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا اسے کیسے سمجھائے، وہ کوئی ننھا بچا تو نہیں تھا۔

''تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے انہوں نے پہلے مجھے دیکھا نہ ہو''۔ وہ تمسخرانہ لہجے میں بولا۔

''تب کی بات اور تھی، اب آپ داماد ہو''۔ وہ زچ ہو گئی، اسے لگا وہ پتھر سے سر پھوڑ رہی ہے، وہ جا کر صوفے پر بیٹھ گئی، سات بج رہے تھے، وفا کے فون پر بیپ ہوئی۔

''جی بس تھوڑی دیر میں پہنچ ہی رہے ہیں''۔ اس نے ماما کی بات کا جواب دیا۔

''ماما پوچھ رہی تھیں کہ کب تک پہنچ رہے ہیں؟'' وہ سیل آف کر کے اس سے مخاطب ہوئی۔

''نو بجے تک''۔ اس نے جواب دیا، وہ سلگ اٹھی، مگر بولی کچھ نہیں کہ جانتی تھی کوئی فائدہ نہ ہوگا، وہ رسالہ چھوڑ کر لیپ ٹاپ پر مگن تھا، دروازے پر دستک ہوئی تو وفا نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

''کیا ہو گیا ہے بھئی! کیا عین کھانے کے ٹائم جانے کا پروگرام ہے؟'' سفینہ بولتی ہوئیں اندر داخل ہوئیں۔

''حمیر! تم تیار نہیں ہوئے اب تک بیٹا! وہ لوگ ویٹ کر رہے ہوں گے''۔ وہ غصہ دباتے ہوئے بولیں۔

''ڈنر ٹائم نہیں ہوا ابھی''۔ اس نے انہیں بھی یہی جواب دیا۔

''تو کیا تم صرف کھانا کھانے جاؤ گے؟'' وہ کاٹ دار لہجے میں بولیں، وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ اسے وفا کے سامنے ڈانٹیں، اس لیے باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔

''تھینکس مما''۔ وہ بولی۔

''میک اپ درست کر لو، کاجل پھیل گیا ہے''۔ وہ جاتے ہوئے بولیں، اور وہ ڈریسنگ روم میں آ گئی، وہ پرفیوم اسپرے کر رہی تھی جب وہ ڈریسنگ روم میں داخل ہوا، اس پر نظر پڑتے ہی وفا نے نگاہ چرا لی، بلیک ٹراؤزر اور بلیک بنیان میں گلے میں ٹاول لٹکائے وہ یونہی چلا آیا تھا، اس پر سرسری سی نظر ڈال کر وہ چونک گیا اور اس کا جائزہ لینے لگا، بلیو اور گرین کنٹراسٹ کی بنارسی جارجٹ کی ساڑھی میں اس کا سراپا نمایاں تھا، کمر سے نیچے جاتے ڈارک براؤن ہلکے ہلکے کرلی چمکدار بال، جنہیں اس نے پشت پر کھلا چھوڑا ہوا تھا، شہد رنگ آنکھیں

جن میں کاجل نمایاں ہو رہا تھا، خوبصورت تراشیدہ لب، وہ متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکا، وہ نجانے کیوں سر جھکائے پرفیوم کی بوتل تھامے جم سی گئی تھی۔

''کیا تم جانا پسند کرو گی تاکہ میں تیار ہو سکوں؟'' وہ تولیے سے بال رگڑتا ہوا بولا، پرفیوم کی بوتل رکھ کر وہ باہر نکل گئی۔

☆.....☆.....☆

لیٹ پہنچنے پر وہ خاصی شرمندگی محسوس کر رہی تھی، اوپر سے حمیر کا لیے دیے انداز اسے حواس باختہ کر رہا تھا۔ رحمٰن صاحب وفا سے بولے۔

''بیٹا! حمیر کو گھر دکھاؤ، میں ذرا اسٹڈی روم میں جا رہا ہوں''۔

''جی''۔ وفا کھڑی ہو گئی اور اس کی تقلید میں وہ بھی کھڑا ہو گیا۔

''دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے، مگر آپ اپنی اسٹڈی کی جان مت چھوڑیئے گا''۔ سائرہ کلس گئیں۔

''بھئی! آپ جانتی تو ہیں کہ ہم کھانا تو چھوڑ سکتے ہیں، مگر کتابیں نہیں، تو پھر کیوں جلتی رہتی ہیں؟'' وہ قہقہہ لگا کر بولے۔

''میں تمہارا گھر دیکھنے نہیں آیا''۔ وفا اسے لیے اپنے کمرے میں داخل ہوئی تھی جب وہ بے زاری سے بولا۔

''جانتی ہوں''۔ وہ کہتی ہوئی آگے بڑھی اور ڈریسنگ ٹیبل کی ڈراز سے سیاہ جلد والی ڈائری نکالی اور اس سے بولی۔

''اسٹڈی میں چلتے ہیں''۔ وہ اسے لیے اسٹڈی روم میں داخل ہوئی، رحمٰن صاحب انہیں دیکھ کر مسکرائے اور حمیر سے مخاطب ہوئے۔

''دیکھ لیا بھئی! ہمارا گھر، ایکچوئلی تم ہم سے بات کرنے پر آمادہ نہیں دکھ رہے تھے، ہم نے بھی سوچا کل ہی تمہاری شادی ہوئی ہے، پھر تمہیں بور کیوں کیا جائے، اس لیے تمہیں تمہاری بیوی کے ساتھ بھیج دیا، کیوں ٹھیک کیا ناں؟'' وہ شرارت آمیز لہجے میں بولے۔

''نہیں انکل! ایسی کوئی بات نہیں، ایکچوئلی مجھے تب سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ آپ سے کیا بات کروں، مگر یہاں تو ٹاپکس ہی ٹاپکس ہیں''۔ وہ شیلف میں لگی کتابوں کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔

''ارے واہ! تو تم بھی دیوانے ہو کتابوں کے؟'' وہ خوش ہو گئے۔

''جی، پاپا کی لائبریری میں رکھی ہوئی کتابوں میں خاصا حصہ میری لائی ہوئی کتابوں کا بھی ہے، بلکہ میں تو آن لائن لائبریری سے بھی استفادہ کرتا ہوں''۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''خیر آن لائن لائبریری سے استفادہ تو میں جب ہی کرتا ہوں جب مجھے کسی کتاب کے ملنے کی امید نہ رہے، بھلا کتاب ہاتھ میں لے کر پڑھنے میں جو مزہ ہے وہ آن لائن لائبریری میں کہاں۔ بھئی وفا! تم جاؤ اور ہمارے لیے اسکواش بنا لاؤ''۔ وہ اس سے بات کرتے کرتے وفا سے مخاطب ہوئے۔

''جی''۔ وہ سر ہلاتی ہوئی وہاں سے نکل گئی، وہ تقریباً دو گھنٹے وہاں رہے تھے اور حمیر نے ایسی کوئی بات نہیں کہی تھی جس سے ان کا رشتہ سہو ہوتا، وفا نے شکر ادا کیا تھا۔

☆.....☆.....☆

آج ولیمہ تھا اور وہ مہمانوں کو ویلکم کرنے گیٹ پر موجود تھا، تقریباً سب ہی گیسٹ آ گئے تھے، اصولاً تو اسے اسٹیج پر وفا کے پاس چلے جانا چاہیے تھا، مگر وہ بے زار سا ادھر ادھر گھوم رہا تھا، سیل بیپ دینے لگا، انیتا کی کال تھی، وہ نسبتاً تاریک گوشے میں آ گیا۔

''ہیلو سوئیٹ ہارٹ!'' اس نے کال ریسیو کی۔

''حمیر.... حمیر! آج تمہارا ریسیپشن ہے، اور میرے بجائے وہ وفا تمہارے ساتھ ہے''۔ وہ بڑی بے تابی سے بول رہی تھی۔

''ریلیکس یار! تم جانتی تو ہو سب کچھ، پھر کیا ہوا؟''

''حمیر! تم نے کہا تھا تم بس میرے ہو، میں نے آج پیپر میں تمہاری اور اس کی تصویریں دیکھیں، وہ بہت خوبصورت ہے ناں حمیر؟'' اس کے لہجے میں خوف بول رہا تھا۔

''ریلیکس یار! جسٹ ریلیکس! وہ خوبصورت ہے تو کیا ہوا، وہ انیتا نہیں ہے اور مجھے اپنا وعدہ یاد ہے''۔ بات کرتے کرتے اس نے گلے میں پڑا ہار اتار کر درخت پر اچھال دیا۔

''تم مجھے بھول تو نہیں جاؤ گے؟'' وہ رو رہی تھی۔

''نہیں یار! بالکل بھی نہیں، تم مجھے جانتی ہو، میں اپنا وعدہ کبھی نہیں توڑتا''۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک وہ اسے تسلی دیتا رہا تھا، اسے یہ بھی خیال نہ رہا تھا کہ اگر اسے کسی سسرالی نے سن لیا تو کیا ہوگا؟

''کہاں چلا گیا وہ اسٹوپڈ اُلو کا پٹھا''۔ حیدر صاحب طیش کے عالم میں عمیر سے دریافت کر رہے تھے۔

''پلیز ڈیڈ! آج کے دن تو اس پر غصہ نہ کریں''۔ عمیر ملتجی لہجے میں بولتے ہوئے اردگرد کھڑے لوگوں کو دیکھنے لگے، جوان کے اس طرح بولنے پر چونک کے دیکھنے لگے تھے۔

''اسٹیج پر لوگ مووی اور تصاویر بنوانے کے لیے اسے پوچھ رہے تھے''۔ انہیں بھی احساس ہو گیا تھا، اس لیے غصہ دبا کر بولے۔

''وہ رہا، میں بھیجتا ہوں اسے''۔ عمیر کہتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

''کہاں گھوم رہے ہو تم؟ تمہارے سسرالی تصویریں کھنچوانے کے لیے کب سے ڈھونڈ رہے ہیں، حد ہوتی ہے یار!'' اس کا بازو پکڑ کر انہوں نے اسے اسٹیج کی طرف دھکیلا، بھابی نے پکڑ کر صوفے پر بٹھا دیا۔

''ارے اتنا پھیل کر مت بیٹھو، ادھر کھسکو، ہم کہاں بیٹھیں گے؟'' ارشین نے اسے بالکل ہی وفا میں ٹھونس دیا، وہ بے زار سا بیٹھا تھا۔

''منہ ٹھیک کرو، لگ رہا ہے مار کھا کے آ رہے ہو''۔ ارشین تصویر کھنچوانے کے لیے سامنے دیکھتے ہوئے بولی۔

''ارے تمہارا ہار کہاں گیا؟'' اب بھابی کی باری تھی، اس کے قریب بیٹھتے ہوئے وہ چونک گئیں۔

''پتہ نہیں''۔ وہ بے زاری سے بولا۔

''ہیں.... کیا خود تمہارے گلے سے نکل کر بھاگ گیا؟'' اس کے جواب پر وہ حیران ہوئیں۔

''نہیں میں نے اتار کر رکھا تھا کہیں، بھول گیا''۔

''حد ہوتی ہے، ایک ہار کا وزن برداشت نہیں ہوا تم سے، ولیمے کے دولہا تو کہیں سے نہیں لگ رہے''۔

''کیوں....؟ ولیمے کے دولہا کی دم نکل آتی ہے کیا؟'' وہ چڑ گیا تھا، اس پر چہار طرف سے قہقہے پڑے۔

''دولہا تو بڑا حاضر جواب ہے''۔

☆.....☆.....☆

حیدر صاحب نے انہیں ہنی مون کے لیے ناروے ایریاز بھیجنے کا پروگرام بنایا، حمیر نے صاف انکار کر دیا تھا اور اس کے رویے کو دیکھتے ہوئے وفا نے بھی منع کر دیا۔

''وفا! وہ انیتا سے دور ہوگا تو تمہاری طرف متوجہ ہوگا ناں، ماحول کی خوبصورتی اور خوبصورت بیوی کا ساتھ اسے تمہاری طرف متوجہ ہونے پر مجبور کرے گا''۔ سفینہ، وفا کو سمجھا رہی تھیں۔

''نہیں مما! وہ انیتا سے پیار کرتے ہیں، ان کے دل و دماغ پر وہ قابض ہے، ایسے میں تو وہ مجھ سے چڑ جائیں گے، آپ ڈیڈ کو منع کر دیجیے''۔ وفا کے ساتھ حمیر کے رویے میں تبدیلی آ گئی تھی، گو وہ اب بھی اس سے لاتعلق ہی تھا، مگر وہ چاہ کر بھی انیتا کی پالیسی کہ وفا کو ذلیل کرو، وہ خود ہی تمہیں چھوڑ دے گی، پر عمل نہیں کر پا رہا تھا، اب یہ اس کی نرم مزاجی تھی یا یہ احساس کہ اس کا کیا قصور؟ وہ بے چاری تو ویسے ہی اتنا کچھ سہہ رہی ہے۔

☆.....☆.....☆

''وفا! یہ تم کیا کر رہی ہو؟'' سفینہ کچن میں داخل ہوئیں۔

''چائے بنا رہی ہوں مما! آپ پئیں گی؟'' وہ چائے کی پتی ڈالتے ہوئے بولی۔

''اوف ہو.... میں اس کی بات نہیں کر رہی ہوں، میں تمہیں چولہے چوکھے کے لیے نہیں لائی، تمہیں کچھ سمجھایا تھا میں نے ہنی مون پر جانے سے تم نے منع کر دیا، مگر تم اس سے کہیں باہر جانے کی ضد تو کر سکتی ہو، اور یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے تم نے؟'' وہ اس کا بغور جائزہ لیتے ہوئے بولیں۔

''وفا! میں نے تم سے بہت امیدیں وابستہ کی تھیں، مگر تم تو سب توڑنے پر تلی ہو''۔

''ٹھیک تو ہیں کپڑے، ابھی بدلے ہیں''۔ وہ اپنے کپڑوں کا جائزہ لیتے ہوئے بولی، اس نے ریڈ اور بلیک کلر کا لان کا پرنٹڈ سوٹ زیب تن کر رکھا تھا، ابھی نہائی تھی اس لیے دراز کرلی بال پشت پر کھلے چھوڑ رکھے تھے، ورنہ سفینہ بیگم نے تو ہمیشہ چوٹی میں گندھے دیکھے تھے۔

''میرا مطلب ہے تیار ہو، خود کو سجاؤ سنوارو''۔

''سوری مما! میں آپ کی بات سمجھتی ہوں، مگر میں یہ نہیں کر سکتی، میری انا، میری خودداری، میرا ضمیر مجھے یہ سب کرنے کی اجازت نہیں دیتا کہ میں خود کو سجا سنوار کر پلیٹ میں رکھ کر انہیں پیش کروں، ناز و ادا سے ان کا دل موہ لوں، میں نہیں چاہتی کہ وہ کسی نفسانی خواہش کے زیر اثر میری طرف بڑھیں، مجھے ان کے دل میں جگہ چاہیے اور اگر وہ مجھے مل گئی تو میں خود کو خوش نصیب سمجھوں گی''۔ وہ ان کی بات کاٹ کر بولی۔

''تم انا اور ضمیر کے چکر میں پڑی رہنا، تمہارا گھر ٹوٹ جائے گا''۔

''میرا گھر بنا ہی کب ہے؟'' وہ تلخی سے بولتے ہوئے کپ اٹھا کر باہر نکل گئی۔

☆.....☆.....☆

شادی کو ایک ماہ گزر چکا تھا، مگر حمیر کو دیکھ کر لگتا تھا کہ اسے شادی سے کوئی فرق نہیں پڑا، ویسے ہی فون پر باتیں، ملنا، اسے تو یہ بھی پرواہ نہیں تھی کہ کچھ دور لیٹی وہ سن رہی ہوگی تو اس پر کیا گزر رہی ہوگی؟ وہ اندر ہی اندر جلتی کڑھتی رہتی یا اپنی بے بسی پر رو دیتی، کبھی مما کی باتوں پر غور کرتی، مگر خود کو آمادہ نہیں کر پاتی تھی۔

''ایسا کب تک چلتا رہے گا؟'' وہ لان میں بیٹھی سوچ رہی تھی۔

''وفا...!'' اس نے سر اٹھا کر دیکھا، ارشین اپنے پورشن کی طرف کھڑی ہاتھ ہلا کر رہی تھی، اس نے بھی ہاتھ ہلا دیا۔

وہ جلدی سے وسیع و عریض لان پھلانگتی اس کے سامنے تھی، پیچھے ہی وہاج بھی چلے آئے۔

''آہستہ چلا کرو یار! ڈاکٹر نے کہا بھی ہے''۔ وہاج بولے۔

''ڈاکٹر.... آپ کی طبیعت خراب ہے کیا؟'' وہ فکرمندی سے بولی۔

''ارے نہیں یار! شادی شدہ ہوگئی ہوں، بس سمجھ جاؤ ناں''۔

''سمجھ جاؤں، مگر کیا؟'' وہ ناسمجھی سے ارشین کے سرخ ہوتے اور وہاج کے مسکراتے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''اوہ....!'' پھر جیسے اس کی سمجھ میں آیا۔

''مبارک ہو''۔ وہ ارشین کے گلے لگی۔

''ارے، تم یہاں اکیلی بیٹھی کیا کر رہی ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''کچھ نہیں، بس یونہی''۔ وہ ٹال گئی۔

''چلو پھر تم ہمارے ساتھ چلو، ہم پہلے شاپنگ کریں گے پھر ڈنر''۔ اس نے اسے بھی اپنے پروگرام میں فٹافٹ شامل کر لیا۔

''ارے نہیں آپی! آپ لوگ جائیے، مجھے کباب میں ہڈی بننے کا کوئی شوق نہیں ہے''۔ وہ وہاج کو دیکھتے ہوئے بولی، جن کا منہ وفا کو پروگرام میں شامل کرنے پر اتر گیا تھا۔

''ویسے بھی حمیر آتے ہی ہوں گے، ہمیں بھی ڈنر پر جانا ہے''۔

''اچھا تو پھر تم تیار ہو جاؤ، اس نے کہا ہے تو پھر وہ آتا ہی ہوگا، یو نو وفا! وہ وعدے کا پکا ہے، ان کی طرح نہیں کہ بھول گیا تھا''۔ وہ وہاج کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''اوکے، اب آپ جائیے، یہاں کھڑے کھڑے وہاج بھائی کا چہرہ اتر گیا ہے''۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی تو وہاج بھی مسکرا دیے۔

''اوکے بائے!'' ارشین جانے کے لیے مڑی تو وہاج ذرا سے جھک کر بولے۔

''تھینکس وفا!''

''اب میں بے وقوف تو ہوں نہیں وہاج بھائی! کوئی میرے اور میرے شوہر کے بیچ میں ہڈی بننے کی کوشش کرے گا تو مجھے ذرا پسند نہیں آئے گا''۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''اب آ بھی جائیں''۔ کچھ دور رک کر ارشین نے انہیں پکارا تو وہ وہ ہاتھ ہلاتے ہوئے واپس مڑ گئے۔ وہ واپس بیٹھ کر انہیں ایک ساتھ قدم بڑھاتا ہوا دیکھنے لگی۔

''کاش....!'' ایک کاش اس کے دل سے نکلا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ انیتا کے ساتھ الحمراء حال میں ہونے والی ایگزیبیشن میں گیا ہوگا، وہ رات اس کے پروگرام کے بارے میں سن چکی تھی، اس نے واپس آسمان پر نگاہیں جما دیں، پرندے اپنے آشیانوں میں لوٹ رہے تھے، درختوں پر ایک شور مچا ہوا تھا، ڈوبتے سورج کی نارنجی رنگ بکھیرتی کرنوں میں وہ اداس شام کا ایک منظر لگ رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

''میں آپ سب سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں''۔ اس وقت ڈائننگ ٹیبل پر سب ہی موجود تھے، ناشتہ ہو رہا تھا، اس کی بات پر سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''دیکھیے میں نے آپ لوگوں کے کہنے پر وفا سے شادی کر لی تو آپ کو بھی چاہیے کہ میری خوشی کا خیال کریں، میں انیتا سے شادی کرنا چاہتا ہوں''۔ اس نے دھماکا کیا تھا، وفا کو لگا اس کے پرخچے اڑ گئے ہیں۔ حیدر بخاری نے دھواں دھواں ہوتے وفا کے چہرے کو دیکھا اور پھر ایک سرد سی نگاہ سفینہ بیگم پر ڈالی جواب تک انہیں سب ٹھیک ہے کا سگنل دیتی آئی تھیں، انہوں نے لب بھینچ کر کچھ دیر اپنے اشتعال پر قابو پایا اور پھر بولے۔

''تم شاید بھول رہے ہو کہ تمہاری شادی تو ہو چکی ہے''۔

''جی نہیں، مجھے یاد ہے''۔ سب پر دھماکا کر کے وہ اطمینان سے جوس کے گھونٹ بھر رہا تھا۔

''تو پھر تمہیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ہمارے خاندان میں دوسری شادی کی روایت نہیں ہے''۔

''خاندان میں نہ سہی مذہب میں تو ہے، دو نہیں چار کی اجازت ہے''۔ وہ نڈر انداز میں ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔

''مذہب کو بیچ میں مت گھسیٹو''۔ انہوں نے غصے سے چمچ پلیٹ میں پٹخا تھا۔

''بہر حال میں انیتا سے شادی کا فیصلہ کر چکا ہوں، بہتر یہ ہے کہ آپ مجھے بہ خوشی اجازت دے دیں''۔ وہ چیئر دھکیل کر کھڑا ہو گیا۔ حیدر بخاری اس کے انداز پر دنگ رہ گئے، ان کے خیال میں وفا سے شادی کے بعد انیتا کا چیپٹر کلوز ہو چکا تھا، وہ سفینہ بیگم کو خشمگیں نظروں سے گھورتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے، سفینہ بھی ان کے پیچھے لپکی تھیں۔

''یہ تربیت کی ہے تم نے اپنی اولاد کی؟'' وہ غصے میں ٹہلتے ہوئے سفینہ پر برس رہے تھے، جبکہ وہ مجرموں کی طرح سر جھکائے کھڑی تھیں، جب سے حمیر نے انیتا کا نام لیا تھا اکثر ان کی تربیت کو الزام دیا جاتا تھا۔

''آج اس کا انداز دیکھا تم نے، کس طرح بات کی اس نے مجھ سے؟''

''جب اس نے ہنی مون پر جانے سے انکار کیا تھا، مجھے تب ہی سمجھ جانا چاہیے تھا، مگر نہیں، تم نے پردہ ڈال دیا اس کے انکار پر، یہ کہہ کر کہ آپ تو جانتے ہی ہیں وہ کوئی امپورٹنٹ پروجیکٹ پر کام کر رہا ہے، اسے ادھورا چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا، یہ تم دونوں ماں بیٹے کی ملی بھگت ہے، میں جب ہی اس کے انکار کو سمجھ جاتا تو سیدھا کر دیتا، آج اس کے یہ کہنے کی نوبت تو نہ آتی، سفینہ بیگم! تمہیں اپنے بیٹے کا ساتھ دیتے ہوئے ایک پل کے لیے اس بچی کا خیال نہیں آیا، کیا گزر رہی ہوگی اس پر؟

جانے کب سے برداشت کر رہی ہے وہ''۔انہوں نے انہیں بھی لپیٹ میں لیا تھا۔

''خدا کے لیے حیدر! میں کیوں اس کا ساتھ دوں گی؟ اگر مجھے ساتھ دینا ہوتا تو شادی سے پہلے دیتی، کیوں وفا کو بہو بنا کر لاتی؟'' وہ جلدی سے آگے بڑھ کر بولیں۔

''تو پھر تم نے کیوں کی اس کی پردہ داری؟'' وہ رک کر انہیں گھورتے ہوئے بولے۔

''وہ مجھے لگا آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا، ابھی اس پر زبردستی کی تو وہ بدظن ہو جائے گا''۔وہ ان کی کاٹ دار نظروں سے خائف ہوئی تھیں۔

''ہو گیا سب ٹھیک؟'' وہ تیکھے لہجے میں بولتے ہوئے مڑے۔

''اس سے کہہ دینا کہ اگر اسے اس لڑکی سے شادی کرنی ہے تو میرے مرنے کا انتظار کرے''۔وہ کوٹ اٹھا کر باہر نکل گئے۔

☆.....☆.....☆

حمیر کا لہجہ، اس کا انداز انہیں برداشت نہیں ہو رہا تھا، وہ مسلسل اسے سوچ رہے تھے اور حیران تھے، سب ہی بچوں پر ان کا رعب تھا، مگر حمیر تو ان سے خاصا مرعوب تھا، وہ ان کے سامنے سر نہیں اٹھا پاتا تھا، کجا آنکھوں میں آنکھیں ڈالتا، وہ ان کے ڈیسیشن پر راضی نہ بھی ہوتا تو بھی خلاف بولنے کی جرأت نہیں کر پاتا تھا، انیتا کے معاملے میں وہ ڈٹا تھا، مگر ان کی عاق کرنے کی دھمکی پر رہی سہی مزاحمت بھی ختم ہو گئی تھی، اسے احساس ہو گیا تھا کہ ان کے بغیر وہ کچھ نہیں ہے، تو اب.....!

''اپنی پرابلم چاچو.....؟'' ولید ان سے پراجیکٹ فائل ڈسکس کر رہے تھے، مگر وہ سوچوں میں غرق تھے۔

''ہاں''۔وہ چونکے۔

''کوئی پرابلم ہے؟'' انہوں نے دوبارہ پوچھا۔

''نہیں بس، بھائی صاحب کی طبیعت کے بارے میں سوچ رہا تھا''۔انہوں نے بات بنائی۔

''ڈونٹ وری اباؤٹ دیٹ چاچو! ڈیڈ اب بالکل ٹھیک ہیں، دو چار دن میں آفس جوائن کر لیں گے''۔وہ بولے۔

''او کے، تم جاؤ وجاہت سے یہ فائل ڈسکس کر لو، اور حمیر کے پی اے کو بھیج دو''۔

''او کے''۔وہ سر ہلاتے کھڑے ہو گئے۔

''یس سر!'' تھوڑی دیر بعد ہی پی اے سامنے تھا۔

''حمیر کہاں ہے؟'' انہوں نے خاصے مصروف انداز میں پوچھا۔

''وہ.....وہ سر.....!'' وہ گھبرا گیا تھا۔

''یس؟'' انہوں نے چشمے کے اوپر سے اسے گھورا۔

''وہ مس انیتا یزدانی کے ساتھ لنچ پر گئے ہیں''۔وہ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''اوہ.....!'' ان کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

''سٹ!'' انہوں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''مسٹر حمیر بخاری کی آج کل کیا مصروفیات ہیں؟'' اس کے بیٹھتے ہی انہوں نے سوال کیا۔

''وہ سر! کے کے انڈسٹریز کا پراجیکٹ.....!''

''میں اس پراجیکٹ کے علاوہ کی بات کر رہا ہوں''۔وہ اس کی بات کاٹ کر بولے۔

''بالکل سچ سچ بتانا، اگر ذرا بھی جھوٹ ہوا تو تم اگلے دن ہی فارغ کر دیے جاؤ گے، ازاٹ کلیئر؟''

''یس سر!''

''او کے ناؤ ٹیل می''۔

''وہ سر! ایسا لگتا ہے وہ بخاری گروپ آف انڈسٹریز چھوڑنے کی تیاری کر رہے ہیں''۔

''وہاٹ؟'' انہیں دھچکا لگا تھا۔

''سر! انہوں نے U.K اور کینیڈا کی کمپنیز میں اپلائی کیا ہے جاب کے لیے اور وہاں سے انہیں پوزیٹیو رسپانس کی امید ہے''۔وہ سن سے ہو گئے، اسے جانے کا اشارہ کر کے انہوں نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

☆.....☆.....☆

وہ خاموشی سے صوفے پر بیٹھی اسے لیپ ٹاپ پر مگن دیکھ رہی تھی، کبھی کبھی ابھرتی اس کے چہرے پر مسکراہٹ سے ہی اسے پتہ چل گیا تھا کہ وہ انیتا سے چیٹنگ کر رہا ہے، صبح سے گھر میں تناؤ کی کیفیت تھی، مگر اسے تو جیسے کوئی پرواہ ہی نہیں تھی، دن بھر روتے رہنے کے بعد وہ بڑی مشکل سے فیصلہ کر پائی تھی، کافی دیر بعد اس نے لیپ ٹاپ بند کیا تو وہ اس کے قریب جا کھڑی ہوئی، وہ ہتھیلیوں سے آنکھیں مسل رہا تھا۔

''اس طرح آنکھیں نہیں مسلنی چاہئیں''۔وہ بولی، اسے نظر انداز کر کے اس نے لیپ ٹاپ سائیڈ ڈراپر رکھا۔

''میں نے ایک فیصلہ کیا ہے''۔وہ کچھ نہیں بولا، مگر وہ اس کا فیصلہ سننے کا منتظر تھا۔وہ بیڈ پر بیٹھ گئی، چند ثانیے اسے تکتی رہی پھر بولی۔

''آپ انیتا سے شادی کرنا چاہتے ہیں، ٹھیک ہے میں آپ کا ساتھ دوں گی''۔

''وہاٹ؟'' وہ اچھلا تھا، یہ سننے کی اسے ایک فیصد بھی امید نہیں تھی۔

''میں مام ڈیڈ کو راضی کرنے میں آپ کا ساتھ دوں گی''۔اس نے دوبارہ دہرایا۔

''کیا واقعی؟''

''ہاں!'' اس نے سر ہلا دیا۔

''مگر تم یہ کیوں.....؟ میرا مطلب ہے تم کیوں میرا ساتھ دو گی؟'' وہ الجھا۔

''کیا آپ چاہتے نہیں کہ میں آپ کا ساتھ دوں؟'' وہ اس کا سوال نظر انداز کر گئی۔

''آف کورس..... یو نو وہاٹ! میں خود بھی مام ڈیڈ کو ناراض کر کے شادی نہیں کرنا چاہتا، مگر وہ لوگ ہیں کہ راضی نہیں ہوتے، مگر تم میرا ساتھ دو گی تو انہیں منانے میں آسانی رہے گی، کیونکہ جب میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی؟'' اس نے یہ بات دوسرے پیرائے میں کہی تھی۔وہ خاموشی سے اس کے چمکتے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

''سوری وفا! جو کچھ بھی ہو رہا ہے اس میں سب سے زیادہ نقصان تو تمہارا ہی ہو رہا ہے''۔ اسے خیال آیا تھا۔

''شاید نصیب میں یہی لکھا تھا''۔ وہ کھڑی ہو گئی۔

''ہم م م..... نصیب بھی عجیب چیز ہے، جو نہیں چاہیے ہوتا وہ بن مانگے مل جاتا ہے اور.....!''

''جو چاہیے ہوتا ہے وہ لاکھ مانگے پر بھی نہیں ملتا''۔ وہ یاسیت سے اسے دیکھتی ہوئی مڑی تھی۔

☆.....☆.....☆

''ڈیڈ.....!'' وفا نے ناشتہ کرتے حیدر صاحب کو پکارا۔

''بولو بیٹا!'' وہ اس سے کچھ شرمندہ سے تھے۔

''مجھے لگتا ہے آپ کو حمیر کی بات مان لینی چاہیے اور.....!''

''اوہ..... اب تم اسے آگے لے آئے ہو یہ چال ہے تمہاری؟'' وہ شدید طیش کے عالم میں حمیر سے مخاطب ہوئے، کاروئے سخن اس کی طرف مڑتا دیکھ کر وہ جلدی بولی۔

''نہیں ڈیڈ! انہوں نے مجھے کچھ نہیں کہا، مجھے ہی ان کی شادی سے کوئی اعتراض نہیں ہے''

''اب تم مجھے یہ بتاؤ گی کہ ہمیں کیا بات مان لینی چاہیے اور کیا نہیں؟'' وہ کھڑے ہو گئے۔

''کل بیٹے نے ناشتہ حرام کر دیا تھا، آج بہو نے''۔

''ڈیڈ! پلیز آپ ناشتہ کر لیجیے''۔ وہ بھی جلدی سے کھڑی ہوئی، مگر وہ تیز تیز قدم اٹھاتے باہر نکل گئے، اس نے سفینہ بیگم پر نظر ڈالی جو گم صم بیٹھی تھیں۔

''حمیر تمہیں کیا ملے گا، گھر کا چین اور سکون غارت کر کے؟'' وہ ہاتھوں میں سر گرائے بولی تھیں۔

''میں نے کیا کیا ہے، دوسری شادی کوئی جرم نہیں ہے اور اب تو آپ کی بہو بھی راضی ہے، تو آپ لوگوں کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے''۔ وہ کھڑا ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

مما نے اسے کافی کچھ سنایا تھا، اور وہ چپ چاپ سنتی رہی تھی، حمیر نے آفس سے آتے ہی سوال کیا تھا۔

''تمہاری بات ہوئی مام سے؟''

''نہیں..... لیکن مجھے کافی کچھ سنایا انہوں نے''۔ وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

''تھوڑا ٹائم تو لگے گا، میرے خیال میں فی الحال چپ ہو جانا چاہیے، دو تین دن میں پھر بات چھیڑوں گی''۔ وہ مزید بولی۔

''اوکے، جو چاہے، جیسے چاہے کرو، مگر انہیں مناؤ، تم جو چاہو گی میں تمہیں دوں گا، آئی پرامس''۔

''جو مجھے چاہیے وہ شاید آپ کے اختیار میں ہے ہی نہیں، کیونکہ دل پر کسی کا قابو نہیں ہوتا''۔ اس نے یاسیت سے سوچا۔

''اینی ویز..... ہائے آئی ایم وفا! کیا آپ مجھے سے دوستی کریں گے؟ وہ مسکرا رہی تھی، اس نے کچھ حیرت سے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو دیکھا۔

''میں آپ کے لیے اتنا کچھ کر رہی ہوں، آپ میرے لیے اتنا نہیں کر سکتے؟'' اس نے اسے اکسایا۔

''حمیر..... حمیر بخاری!'' اس نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

''گڈ..... اب فرینڈلی انوائرمنٹ میں ہم بہتر طور پر ڈسکشن کر سکیں گے''۔ اس نے ہاتھ ہلایا تھا۔

''شیور..... وائے ناٹ!'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اس بات پر چائے لاتی ہوں''۔ وہ مسکراتی ہوئی جانے کو مڑی، چائے پیتے ہوئے اس کے ساتھ باتیں کرتی رہی کہ کیسے انہیں منایا جائے۔

☆.....☆.....☆

بچوں کی چھٹیاں پڑ چکی تھیں، عانیہ اور عمیر اپنے بچوں ہانیہ اور حسنان کے ساتھ آج ہی بخاری ہاؤس پہنچے تھے، بچوں کی شرارتوں اور باتوں سے تناؤ کی کیفیت ختم ہو گئی تھی، سفینہ بیگم نے عمیر اور عانیہ کو صورت حال بتائی تھی، دونوں ہی اچھل پڑے۔

''یہ کیا کہہ رہی ہیں مما! آپ؟ حمیر دوسری شادی کرنے کی کہہ رہا ہے، مگر کیوں؟''

''اس ڈائن نے اب تک اس کا پیچھا نہیں چھوڑا؟'' وہ جل کر بولیں، انہوں نے مختصراً پوری بات بتائی۔

''ہمیں تو پتہ ہی نہیں تھا اس بارے میں''۔ عمیر بولے۔

''تمہیں کیسے پتہ چلتا؟ پانچ سال چکر چلتا رہا، ہمیں پتہ نہیں چلا، بتایا بھی اس نے جب، جب میں نے اس کی شادی کے لیے وفا کا نام لیا''۔

''اگر حمیر نے انیتا سے شادی کر لی تو یہ بہت برا ہو گا وفا کے ساتھ، حمیر کو اس کے بارے میں تو سوچنا چاہیے''۔ عانیہ افسوس بھرے لہجے میں بولی۔

''حمیر کی تو چھوڑو، اس لڑکی کو تو خود اپنی کوئی فکر نہیں ہے، پاگل ہو گئی ہے وہ، خود اپنی زندگی برباد کرنے پر تلی ہے''۔ وہ ناراضی سے گویا ہوئیں۔

''وفا سے بات کرنی پڑے گی، کیوں اپنے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑی ہے؟'' عانیہ بولی۔

دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

''کم ان''۔ حیدر بخاری کتاب کے ورق الٹتے ہوئے بولے۔

''آپ کی کافی ڈیڈ!'' وہ کافی کا مگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولی، انہوں نے چونک کر سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر بولے۔

''تھینکس''۔ وہ جانے کے بجائے ان کے سامنے چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

''کوئی کتاب چاہیے؟'' وہ یونہی کتاب پر نظریں جمائے بولے۔

''نہیں..... آپ سے کچھ بات کرنی تھی''۔ وہ نظریں جھکائے بولی۔

''اگر حمیر کے بارے میں ہے تو تم جا سکتی ہو''۔ انہوں نے کافی کا گھونٹ بھرا۔

''پلیز ڈیڈ! میری بات تو سن لیجیے''۔ وہ ملتجی لہجے میں بولی۔

''اوکے''۔ انہوں نے گہری سانس بھری، وہ سر جھکا کر بات کرنے کے لیے الفاظ ڈھونڈنے لگی، جو سوچتی آئی تھی وہ

سب اڑ گیا تھا۔

''آپ حمیر کی خوشی کے لیے راضی کیوں نہیں ہو جاتے؟'' اس نے آغاز کیا۔

''کیوں کہ حمیر کی خوشی میری خوشی نہیں ہے''۔ ان کے کورے جواب پر اس کی ہمت ٹوٹی۔

''ایسے کیسے ڈیڈ! اولاد کی خوشی میں تو ماں باپ کی خوشی پوشیدہ ہوتی ہے''۔ وہ کمزور سے لہجے میں بولی۔

''حمیر کی خوشیوں کا خیال تھا جبھی تمہیں اس کے لیے منتخب کیا تھا، وہ لڑکی اسے خوش نہیں رکھ سکتی، بچے کی ضد اگر انگاروں سے کھیلنے کی ہو تو ماں باپ اس کی خوشی کے لیے انگارے تو ہاتھ میں نہیں دے دیں گے، تم ایسا ہی سمجھ لو کہ حمیر انگارے مانگ رہا ہے، جو اس کی زندگی کو جلا کر راکھ کر دے گا''۔ انہوں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''ڈیڈ! ہو سکتا ہے آپ کی سوچ غلط ہو، حمیر اس سے پانچ سال سے محبت کرتے ہیں، پانچ سال بہت ہوتے ہیں کسی کی محبت کو جاننے کے لیے، یقیناً وہ بھی ان سے ایسی ہی محبت کرتی ہوگی''۔ اسے لگ رہا تھا وہ حمیر کی بہتر وکیل ثابت نہیں ہو سکتی۔

''تم جانتی ہو وفا! اس لڑکی کا باپ ایک کرپٹ بیوروکریٹ ہے، دونوں ہاتھوں سے ملکی خزانے کو لوٹا ہے اور لوٹ رہا ہے، وہ لڑکی ایک ماڈل ہے، ان لوگوں کو پرفیکشن اور امیج کی بڑی فکر ہوتی ہے، حمیر بہتر ہے شہر کے مشہور صنعت کار کا بیٹا، رتبہ، دولت اسمارٹنس سب کچھ ہے حمیر کے پاس، لیکن جب کل کوئی اسے بہترین ملے گا وہ حمیر کو چھوڑ دے گی اور میں ایک ماڈل کو اپنی بہو نہیں بنا سکتا تھا اور اب تو اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا''۔

''مگر ڈیڈ.....!'' اس نے کچھ بولنا چاہا، مگر انہوں نے ہاتھ کھڑا کر کے اسے روک دیا۔

''اب تم جاؤ اس بحث کا کوئی فائدہ نہیں''۔

☆.....☆.....☆

''میں نے تم سے کہا تھا نا کہ وفا ہماری فیور میں ہے، وہ ڈیڈ سے بات کرنے گئی ہے''۔ انیتا کی کال ریسیو کرتے ہی وہ بولا۔

''تمہیں اس پر بھروسہ ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''یہ کیا بات ہوئی؟''

''سوچ لو، کہیں وہ تمہارے مام ڈیڈ کو میرے خلاف مزید بھڑکا کر اپنی راہ ہموار نہ کر رہی ہو؟'' وہ بولی۔

''یہ کیا بکواس ہے، اتنی بدگمانی اچھی نہیں، اسے ایسا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ مام ڈیڈ تو پہلے ہی اس کی سائیڈ میں، مگر وہ ان سے ہمارے لیے اختلاف کر رہی ہے''۔ وہ بگڑ گیا۔

''او کے، او کے تمہیں اس پر بھروسہ ہے تو ٹھیک ہے، مگر مجھے بھروسہ کرنے میں ٹائم لگے گا''۔ اسے بھی اندازہ ہوا تھا کہ وہ ناراض ہو گیا ہے۔

''تمہیں کیا لگتا ہے کہ تمہارے مام ڈیڈ اس کے بات کرنے پر راضی ہو جائیں گے؟'' اس نے پوچھا۔

''ہاں.....!''

''اور اگر نہ ہوئے تو.....؟''

''تو بھی میں تم سے شادی کر لوں گا''۔ وہ قطعیت سے بولا۔

''کاش! یہ ڈیسیشن تم پہلے لے لیتے، تمہاری شادی تو نہ ہوتی حمیر! تمہیں وفا کو ڈائیورس دینی پڑے گی''۔

''ہم م م.....! ایک بھرپور خوشیوں بھری زندگی پر اس کا بھی حق ہے، میں چاہوں گا کہ وہ ایک مطمئن زندگی گزارے، ہم خود اس کے لیے ایک بہترین لڑکا ڈھونڈیں گے جو اسے ہر خوشی فراہم کر سکے، یو نو انیتا! شی از آ نائس گرل''۔ وہ اس کی بات سے متفق ہوا۔

''ٹھیک ہے''۔ اگرچہ وفا کے لیے لڑکا ڈھونڈنے والی بات اسے ناگوار گزری تھی، مگر حمیر کے اسے ڈائیورس دینے پر متفق ہونے سے وہ مطمئن ہو گئی تھی۔ دروازے کی ناب گھماتے ہوئے وفا نے اس کی ڈائیورس اور لڑکا ڈھونڈنے والی بات سنی اور اپنی جگہ سن سی ہو گئی، پھر وہ واپس مڑی اور بھاگ کر بیرونی سیڑھیوں پر جا کر بیٹھ گئی، گھٹنوں میں منہ چھپائے وہ بے آواز رو رہی تھی، جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا، عجیب نہج پر پہنچ گئی تھی اس کی زندگی، شاید وہ دنیا کا پہلا شوہر تھا جو خود اپنی بیوی کے لیے دوسرا شوہر ڈھونڈنے کی بات کر رہا تھا، شرمندگی سے اس کی پیشانی عرق آلود ہو رہی تھی، اب وہ روتے روتے تھکنے لگی تھی، مگر آنسو تھے کہ اب بھی باڑھ پھلانگے امڈے چلے آ رہے تھے، ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کرتے وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور کمرے میں چلی آئی، لائٹس آن تھیں، مگر وہ محو خواب تھا، اس نے وارڈ روب سے سیاہ ڈائری نکالی اور اپنے احساسات رقم کرنے لگی کہ آنسو بہا کر تو جی ہلکا نہ ہوا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ لان میں بیٹھی تھی، عانیہ بھی وہیں چلی آئی۔

''وفا.....!'' اس نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو اس نے چونک کر اسے دیکھا۔

''ارے بھابی! آپ..... آیئے نا بیٹھیے!''

''کل سے آپ سے تفصیلی بات کرنے کا موقع ہی نہیں ملا''۔ اس کے بیٹھتے ہی وہ بولی۔

''مجھے بھی تم سے کچھ بات کرنی ہے''۔

''کہیے! کیا بات ہے؟''

''وفا! تم کیوں کر رہی ہو یہ سب؟ تمہاری شادی کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں کہ حمیر نے کہا وہ دوسری شادی کرے گا، اور تم نے اس کا ساتھ دینے کی ٹھان لی، بجائے اس کے کہ تم اسے روکو، سمجھاؤ، تم تو ایسا بی ہیو کر رہی ہو جیسے وہ تم سے منسلک ہی نہیں ہے''۔ وہ اسے بغور دیکھتے ہوئے بولی۔

''بھابی! ایک بات پوچھوں؟''

''ہم م م..... پوچھو!'' اپنے سوال کے جواب کے بجائے اس کے سوال پر وہ کچھ الجھتے ہوئے بولی۔

''آپ عمیر بھائی سے کتنا پیار کرتی ہیں؟'' اس نے سوال کیا۔

''یہ کیسا سوال ہے وفا! عمیر میرے شوہر ہیں اور ہر بیوی اپنے شوہر سے بہت محبت کرتی ہے''۔ اس نے جواب دیا۔

(جاری ہے.....)

☆.....☆.....☆

مدیحہ عبداللہ

افسانہ

آئیڈیل پیپر

''آپ یہاں دوبارہ آ گئے، جبکہ میں نے آپ کو منع کیا تھا کہ مجھے واچ مت کیا کریں پھر بھی؟''

''مجھے تم بہت اچھی لگتی ہو، بس دل پر جبر نہیں کر پاتا، اس لیے تم سے ملنے چلا آتا ہوں''۔ وہ اس کی ناگواری کو بھانپتے ہوئے اس کی بات کاٹ کر اسے چپ کرا گیا تھا۔

''آپ پلیز یہاں نہ آیا کریں اور مجھے تنگ نہ کیا کریں''۔ مدمقابل کے شوخ ہونے پر وہ کسمسا گئی تھی، اپنا دوپٹہ شانوں سے سر پر جماتے ہوئے وہ اپنا اعتماد بحال کرنا چاہتی تھی، مگر ناکامی، دل کے دھڑکنے اور ہاتھ پاؤں کے لرزنے نے اسے مزید نروس کر دیا تھا۔

''کیوں نہ ملنے آؤں تم سے؟''

''کیونکہ میرا اس کالج میں بخیریت چوتھا اور آخری سال ہے، اس کالج کو منیج کرنے والی میری پھپھو ہیں، وہ یہاں کی میڈم ہیں، یہ بھرا پبلک پلیس اور دکانوں والے مجھے ان کی وجہ سے اچھی طرح جانتے ہیں، بہت عزت ہے ان کی اور ان کی وجہ سے میری بھی، برائے مہربانی مجھے ان لوگوں کی نظروں میں مشکوک نہ بنائیں، میں ایک شریف گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں، اور آپ بھی کافی مذہبی اور معقول شخص نظر آتے ہیں''۔

''وہ تو میں ہوں، مذہبی اور معقول بھی، اگر مجھے بھی اپنی صفائی میں کچھ بولنے کا موقع مل جائے تو بہتر ہے''۔ مقابل سے اپنے لیے تعریف سننے کی امید تو نہ تھی اس لیے وہ تعریف سنتے ہی خوشدلی کا مظاہرہ کر رہا تھا، لبوں پر ایک جاندار تبسم اس کا احاطہ کیے ہوئے تھا۔ وہ شرمائی، لجائی اسے بہت بھا گئی تھی، اسے مزید نروس کرنے کے ارادے سے ایک قدم اس کے قریب بڑھ ہی رہا تھا کہ عین موقع پر پھپھو کا نزول فلزا کے لیے کسی دھوپ میں سایہ دار شجر جیسا ثابت ہوا تھا اور اس کے بعد کی کارروائی کچھ یوں ہوئی۔

''مسٹر! جو کوئی بھی ہو آپ، میرا غائبانہ تعارف تو ہو ہی گیا ہے، مگر وہ پورا نہیں تھا، میرا نام صبیحہ افروز مغل ہے، میں فلزا کی پھپھو کے ساتھ اس کی ساس بھی ہوں''۔ شاید وہ ان دونوں کی گفتگو سن چکی تھیں۔

''واٹ...؟'' سالم جہانداد کی آواز ایک دم فضا میں گونجی تھی۔

''میرا بیٹا USA میں تعلیم حاصل کر رہا ہے، ان دونوں کا نکاح میں نے چند ماہ قبل ہی کروایا ہے، دونوں کی ایجوکیشن ختم ہوتے ہی اسی سال میں رخصتی بھی ہو جائے گی، اور کچھ جاننا چاہتے ہو فلزا کے بارے میں؟'' سالم جہانداد ایک نگاہ مایوسی سے فلزا کو دیکھ کر اپنی بلیک پجیرو ہوا میں اڑاتا کہیں کھو گیا تھا۔

''پھپھو! آپ نے اس سے جھوٹ کیوں کہا؟''

شام کی چائے پر فلزا نے دل کا ہلکان نکالا تھا۔

''ہاہاہا...!'' پھپھو اپنی ہنسی کو بریک دینا چاہ رہی تھیں، مگر فلزا ابھی دوپہر کالج کا واقعہ یاد کر کے ہنسنا شروع ہو گئی تھی، قہقہوں کی روانی پورے محل ولا میں گونج اٹھی تھی۔

پھپھو اپنی سنجیدہ طبیعت کے باعث بہت پروفیشنل رہتی تھیں، گھر میں ان کا ریزرو رعب و دبدبہ اور جاذب نظر شخصیت متاثر کن تھی، گھر کے باہر بھی وہ ہر جگہ سراہی جاتی تھیں، عمر کے چالیسویں برس میں پہنچنے کے باوجود وہ چست اور تندرست نظر آتی تھیں، کالج کو منیج کرنے کے

علاوہ وہ ایک سیاسی میگزین کی ایڈیٹر بھی تھیں، بڑھتی ہوئی عمر کے ساتھ شادی جیسے خوبصورت احساس کو اپنے آپ سے بھلا بیٹھی تھیں، شاید یہی ان کی کامیاب ان میرڈ لائف گزارنے کا نسخہ تھا کہ وہ ہر کام کو پروفیشنلی لیتی تھیں، جسے کوئی بھی خاص شخص دیکھ کر An Ideal Life کہتا تھا، ایسا نہیں تھا کہ انہوں نے شادی کے بارے میں سوچا نہیں تھا یا کوئی خاص پرپوزل نہیں آیا تھا ان کے لیے، بس وقت اور حالات ان کے حق میں نہیں تھے، کیونکہ وہ جس سوسائٹی سے تعلق رکھتی تھیں وہاں بہت زیادہ پڑھی لکھی لڑکی کو بولڈ سمجھا جاتا تھا، اس لیے بہترین گھرانوں سے تو نہیں لیکن باقی جہاں سے پرپوزل آئے وہ صبیحہ مغل اور ان کی فیملی کے لیے نامعقول تھے، اب ڈوفیسکلٹیز ماسٹرز پلس سی۔ای اور ٹی۔آر کرنے والی عورت ایک میٹرک پاس شخص کے ساتھ زندگی کیسے گزار سکتی تھیں، اس لیے انہوں نے شادی جیسے احساس کو دل میں ہی مقیم کرلیا، اور لبوں پر اس احساس کی چپکی لگا کر ان عورتوں کو ثابت کردیا تھا جو شادی کے نام پر مجبوری کا لبادہ اوڑھ کر تمام زندگی گھٹتی رہتی ہیں، ان کی نظر میں اس سے بہتر آزادان میرڈ ہیپی لائف تھی۔

☆..........☆..........☆

''فلزا اٹھو ورنہ میں کالج چلی جاؤں گی، اور تمہیں پھر پوائنٹ سے آنا پڑے گا''۔ کھڑکی سے دبیز پردوں کو ہٹاتے ہی پھپھو نے پورے کمرے میں سورج کی کرنیں پھیلا دی تھیں۔

''چلیں اچھا ہے، آپ کی سڑی ہوئی وائٹ کرولا سے تو ایک دن کی آزادی ملے گی، جس کی رفتار ففٹی سے زیادہ نہیں جاتی''۔ کمرے میں پھیلتی روشنی نے فلزا کو بھرپور انگڑائی لینے پر مجبور کیا تھا۔

''ففٹی کی رفتار گاڑی میں بیٹھ کر کم از کم تمہیں سیکیور تو فیل ہوگا، اب سوچو بس اسٹاپ پر وہ تمہیں پیجیرو والا رومیومل گیا اور اسے معلوم ہوجائے کہ کل میں نے اسے جھوٹ بولا تھا، یعنی میں ان میرڈ ہوں اور پھر میرا بیٹا کہاں سے آیا وغیرہ وغیرہ''۔ گاڑی کی رفتار پچاس سے زیادہ ہو یہ ان کے اصول کے خلاف تھا۔

''پھپھو! خدایا ایسے تو نہ کہیں، آپ کو معلوم نہیں آپ نے کل جھوٹ بول کر مجھے کافی حیران کیا ہے، آپ کو معلوم نہیں ہے وہ پولیس والا ہے، اگر اسے پتہ چل گیا تو پھر.... میں تو یہ سوچ کر ہی ہلکان ہورہی ہوں''۔ وہ باتھ روم سے برش کرتے وقت اپنا دفاع کررہی تھی۔

''اوہ....تو وہ پولیس والا بھی ہے، آئندہ ملا تو اسے مزید بے عزت کردوں گی، یہ کہہ کر کہ عوام کے محافظ کا یہ حال ہے تو ملک کا تو یہی ہونا ہے''۔ ایک زوردار قہقہہ لگایا تھا پھپھو نے، جس سے پورا کمرہ گونج اٹھا تھا، وہ فلزا کے ساتھ اسی طرح پیش آتی تھیں، جیسے ان میں عمر کا کوئی فرق ہی نہ ہو، وہ تھیں تو فلزا کی پھپھو، مگر ماں کی طرح پالا تھا، پھپھو ماں باپ کی محرومی سے واقف نہیں تھیں، کیونکہ عمر کے اس حصے میں بھی وہ اس خدائی عطیے سے فیض یاب تھیں، مگر ایک سمجھدار خاتون ہونے کے باعث فلزا کی محرومی سے باخبر تھیں۔

''اچھا شام کو تیار رہنا، عائشہ (بھانجی) کے ساتھ اصفہان (بھانجا) کی شادی کی شاپنگ کرنے جانا ہے تیار رہنا اوکے؟'' کالج میں گاڑی پارک کرتے وقت پھپھو نے نیوز الرٹ دی تھی۔

☆..........☆..........☆

شاپنگ کے بعد ریسٹورنٹ میں ڈنر کرتے وقت پھپھو نے اس پولیس والے کا سارا قصہ عائشہ کے ہمہ تن گوش کیا تھا۔ اب اس پر پھپھو کی دبی دبی ہنسی اور عائشہ کے زوردار قہقہے فلزا کو سلگا رہے تھے، عائشہ کے قہقہے تریہ

روانی پکڑ رہے تھے، جس سے آس پاس کے ٹیبل والے ان کی طرف متوجہ ہوگئے تھے، پھپھو نے عائشہ کو مزید نہ ہنسنے پر آنکھیں دکھائی تھیں، جس پر وہ دبی دبی ہنسی پر بھی کنٹرول کررہی تھی۔

''فار گاڈ سیک یار! یہاں مجھے گھر سے اکیلے نکلنے میں ڈر لگ رہا ہے اور تم لوگ مجھے مزید زچ کررہے ہو''۔ فلزا نے دونوں کو گھرکا تھا۔

''ویسے خالہ جانی! وہ پولیس والا دیکھنے میں کیسا ہے، ہماری فلزا کے مقابلے میں؟'' عائشہ کو مستی سوجھی تھی کیونکہ بہت دنوں بعد فلزا اس کے ہاتھ لگی تھی۔

''کم از کم میرے نہ ہونے والے بیٹے سے تو اچھا ہی ہے، کیوں فلزا! ہے نا؟'' پھپھو بھی اپنے سارے بدلے آج ہی لینے کے حق میں تھیں، جب وہ رات گئے تک کالج کے اسائنمنٹ پر کام کرتی تھیں تو فلزا کبھی ان کی عینک چھپا دیتی تو کبھی لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ چینج کردیتی تھی، تاکہ اسے اکیلے نہیں سونا پڑے اور پھپھو کہتی تھیں۔

''کسی دن تجھے لوہے کے چنے نہ چبوائے تو کہنا''۔

''فلزا! تجھے کیسے معلوم وہ پولیس والا بھی ہے؟'' عائشہ نے مزید انٹرسٹ ظاہر کیا تھا۔

''دراصل پھپھو! وہ اس ملاقات سے پہلے بھی دو تین دفعہ کالج آیا تھا، ایک دفعہ پولیس یونیفارم میں بھی آیا تھا اور ایک دو جگہ میں نے ادھر ادھر اسے دیکھا تھا، پولیس یونیفارم میں''۔ وہ اس کمپنی میں اس قدر مس فٹ لگ رہی تھی کہ عائشہ کا جواب پھپھو کو دے رہی تھی۔

''ڈیئر! ادھر ادھر کہاں؟'' عائشہ اس کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہہ رہی تھی جسے فلزا بے چاری لگ رہی تھی۔

''پھپھو! دیکھئے نا اسے''۔ وہ جو پھپھو کی پناہ چاہتی تھی وہ بھی منہ پر ہاتھ رکھے ہنسے جارہی تھیں، جس پر فلزا کو بھی ہنسی آگئی تھی۔

''اب ایک پولیس والے کو بے وقوف بنایا جائے تو ہنسنا تو واجب ہے ناں؟'' کولڈ ڈرنک کا سپ لیتے ہوئے پھپھو کو داد دی تھی، اور خود بھی اس پولیس والے کا مذاق اڑانے میں کود پڑی تھی۔ اس گیٹ ٹوگیدر میں متوجہ ہونے والے لوگ تو دوبارہ اپنے کام میں لگ گئے مگر انہی میں سے برابر والی ٹیبل پر بیٹھا سالم جہانداد ان کی باتوں کو بغور سن رہا تھا، اور اچانک فلزا کی بات سن کر ان کی طرف پلٹ کر ان لوگوں کو ساکت کر گیا تھا۔

''ایک پولیس والے کو بے وقوف بنانا اتنا آسان نہیں ہے مس''۔ فلزا کو سپاٹ لہجے میں کہتا اس نے باقی دونوں ہستیوں کو یکسر نظر انداز کردیا تھا۔ پھپھو اس حرکت پر کھڑی ہوگئی تھیں۔

''تمہیں شرم نہیں آتی ایک پولیس والے ہو کر ایسی حرکتیں کرتے ہو، کیوں اس کے پیچھے پڑ گئے ہو، میں تمہارے ڈپارٹمنٹ میں شکایت لگادوں گی''۔

''آپ کو کس نے کہا کہ میں نے انہیں تنگ کیا ہے، میں ایک شریف انسان ہوں، یہ مجھے اچھی لگیں تو اس....!''

''تو اس سے دوستی کرلوں اور اچھا وقت اسپنڈ کرلوں رائٹ؟'' پھپھو نے سالم کی بات کاٹتے ہوئے کہا تھا۔

''نہیں میں ان سے گھر کا پتہ معلوم کرکے اپنی مما اور پاپا کو اپنا پرپوزل لے کر بھیجنا چاہتا تھا، مگر آپ نے شاید مجھے غلط سمجھا''۔ آخرکار آج وہ اپنی صفائی میں بولنے میں کامیاب ہو ہی گیا تھا۔

''ایک لڑکی جسے تم ٹھیک سے جانتے ہی نہیں، اسے صرف دیکھ لینے سے اچھا لگ جانا، یوں رشتے نہیں بھیجے

جاتے''۔ پھپھو جو فلزا کے ڈرنے کی وجہ سے سالم کی خفیہ انکوائری کروا رہی تھیں انہیں معلوم ہوا تھا وہ اچھا انسان ہے، صورت سے ہی نہیں سیرت سے بھی۔

''آپ میری خفیہ معلومات تو کروا ہی چکی ہیں اور شاید میں آپ کے لیے ایک پرفیکٹ میچ ثابت ہوا ہوں، ان کے لیے.....!''

''تمہیں کیسے معلوم؟'' پھپھو اپنی پول کھلنے پر شرمندہ تھیں۔ عائشہ اور فلزا تو بس سارا منظر ٹکر ٹکر دیکھے جا رہی تھیں۔

''پولیس والا ہوں، میرے بارے میں کوئی چوکنا ہو، یہ معلومات میرے کارندے مجھے ہر وقت دیتے رہتے ہیں اور ہاں، اب تو آپ سے گھر کا پتہ بھی نہیں پوچھوں گا وہ بھی مجھے مل گیا ہے، انشاء اللہ بہت جلد ملاقات ہوگی''۔ ایک دیوانہ وار نظر فلزا پر ڈال کر بلیک گاگلز آنکھوں پر چڑھائے وہ ریسٹورنٹ سے نکل گیا تھا، اور فلزا کے لیے یہ سچویشن ایک ٹرانس کی سی تھی۔

☆..........☆..........☆

''پھپھو! آپ مجھے بتائیں گی یہ سب جو میں نے دیکھا یہ کیا تھا؟'' وہ مزید بوجو تو جانے کا کھیل نہیں کھیلنا چاہتی تھی۔ اس لیے اپنی پہیلی کا جواب پھپھو سے مانگا تھا۔

''کوئی پولیس والا آج کل کے نوجوانوں کی طرح اوچھی حرکتیں تو نہیں کرسکتا کہ ایک لڑکی سے اپنا ٹائم پاس کرے اور سالم جہانداد خان جیسا شخص تو بالکل بھی نہیں''۔ پھپھو بڑے پیار سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے اسے سمجھانا چاہتی تھیں، رات کا وقت تھا دونوں پھپھو بھتیجی لیٹی ہوئی تھیں۔

''میں نے بہت باریک بینی سے اس کا جائزہ لیا اور اس کے بارے میں معلومات بھی اکٹھی کی تھیں، علاوہ ازیں اس سے ایک بار ملی بھی تھی، وہ تم میں انٹرسٹڈ ہے، میری جان! اور پھر ان کا خاندان بھی ا... ہے تو میں نے اسے گھر کا ایڈریس دے دیا''۔ فلزا... کچھ کہے کروٹ لیے سونے لگی تھی، پھپھو نے تشوی... ظاہر کی تھی۔

''کیا ہوا میری جان؟''

''وہ آپ کو اچھا لگا اور میں اسے اچھی لگی جب ک... اسے میرے ماضی کے متعلق معلوم ہوگا تو جانتی ہیں... ہوگا؟ میں اسے اچھی تو لگوں گی، مگر صرف ظاہری طو... جس طرح خاندان کے دس لوگ میرے وجود سے نظر... چراتے ہیں، اس طرح وہ شخص بھی میرا اچھا لگنا بھ... جائے گا، پھپھو! مجھ میں اور آپ میں کوئی خاص فرق ن... ہے، آپ ان میرڈ ہیں تو اس لیے کہ کوئی آپ کو پسند نہ... آیا اور میں بھی آپ کی طرح ان میرڈ رہوں یہ میر... خواہش ہے اس لیے مجھے میرے ماضی سمیت کوئی منظ... نہیں کرے گا، اس طرح میری جو آئیڈیل آپ ہیں... آپ کی طرح زندگی گزارنے کا موقع بھی مل جائے گا... ویسے بھی 'no husband wifie' happy & easy life''

☆..........☆..........☆

فلزا کا ماضی کسی بھی لڑکی کے لیے ایک تلخ حقیقت تھا جس میں وہ صرف بے بس تھی، کیونکہ آج کل... نوجوان دوستی کے نام پر جوڑے بنا کر جو... اقدامات کرتے ہیں انہیں کیا معلوم وہ اپنے خاند... کی آنے والی کتنی نسلوں کو گالی (موردالزام) ٹھہرا... ہیں۔ ان کی نسلوں کی زندگی اجیرن کردیتے ہیں۔ سکند... مغل (فلزا کا باپ) نے بھی ایک ایسی ہی غلطی کی تھ... جس کا نتیجہ فلزا مغل کا وجود تھا۔

سکندر نے جس لڑکی کا انتخاب کیا تھا وہ ایک زا... کی مشہور طوائف زینت نگین عرف ''نگینہ بائی'' تھی... سکندر مغل کے ساتھ... اولاد کو جنم دینے کے بعد بے... دولت اور عزت کا نام پانے کے لیے شادی رچا بیٹھی تھی۔ زینت نگین کو مغل خاندان نے بڑی مشکل سے قبول کرلیا تھا مگر سکندر مغل کا شادی کے دو سال بعد ...یڈنٹ سے انتقال ہونے پر وہ دوبارہ اسی زندگی میں ...گئی تھیں۔ فلزا مغل اس وقت دو سال کی تھی، یوں فلزا کو سکندر مغل کی بہن صبیحہ افروز مغل نے پالا تھا۔ صبیحہ مغل ...خواہش اب یہی تھی کہ جو زندگی کنواری رہ کر انہیں ...کاٹی تھی ویسی ہی پہاڑ جیسی گھٹن زدہ زندگی فلزا کے ...نہ ہو۔ خاندان بھر کے لوگ فلزا کو مغل خاندان کا حصہ ...انتے تھے مگر دل سے نہیں مانتے تھے، اس لیے سالم کا ...پوزل انہیں بھا گیا تھا۔

☆..........☆..........☆

''آپ مجھ سے ملنا چاہتی تھیں؟'' سالم جہانداد کافی ...شاپ میں پھپھو سے مخاطب تھا، جنہوں نے اسے بطور ...خاص بلایا تھا۔

''جی ہاں، دراصل میں فلزا کے متعلق چند راز تمہیں ...بتانا چاہتی ہوں، اگر اس کے بعد بھی تم فلزا کے لیے ...سنجیدہ ہو تو ویلن گڈ اور نہیں تو پھر نوٹ بیڈ، کیونکہ آج کل ...دنیا میں شادی بیاہ کے نام پر جو دھوکے ہو رہے ہیں وہ ...دھوکہ میں تمہیں نہیں دینا چاہتی''۔ اور پھر پھپھو نے فلزا ...کی زندگی کے سارے سپنے ایک ایک کرکے کتاب کی ...طرح کھول دیئے تھے۔

☆..........☆..........☆

...کئی دن گزر گئے تھے، سالم کے گھر سے نہ اس کے ...والے آئے تھے اور نہ وہ جو خود کو فلزا کا محبوب کہتا تھا، یہ ...بات فلزا سے پوشیدہ تھی کہ سالم جس کے لیے اب وہ ...دل میں سوچنے لگی تھی، پیار کی ایک کونپل جو اس کے ...دل میں پھوٹنے لگی تھی، وہ اس کے ماضی کے سارے بھید سے واقف ہے۔

☆..........☆..........☆

آج فلزا کی دوست کی شادی تھی، پھپھو کے بہت اصرار پر بنک سک سے تیار ہوکر وہ اپنے روگ لاگے من کے ساتھ یہاں آ تو گئی تھی، مگر کالج کی تمام دوستوں سے مل کر وہ ایک کونے میں آکر اس رنگین محفل کو بس دور سے ہی دیکھنے میں اکتفا کر پائی تھی۔

''کیسی ہو فلزا؟'' اچانک قریب سے ایک آواز ابھری تھی۔ وہ پلٹ کر آنے والے کو دیکھتی رہ گئی تھی، پھر اچانک اپنی اس متغیر حرکت پر سٹپٹا گئی تھی۔

''آپ یہاں؟'' سالم جہانداد خان اپنی بھرپور وجاہت لیے عین اس کے سامنے تھا۔

''میرے بڑے بھائی کی شادی ہے، تو میں یہاں نہیں تو اور کہاں جاؤں گا، ویسے آپ یہاں کیسے؟'' وہ سب کچھ جانتا تھا کہ فبیہ بھابی فلزا کی دوست ہیں، پھر بھی انجان بن رہا تھا، فلزا کو اکثر وہ فبیہ بھابی کے ساتھ دیکھتا تھا اور انہی سے تو فلزا کے گھر کا ایڈریس دریافت کیا تھا۔

''وہ ایکچوئیلی فبیہ میری دوست ہے، اس نے انوائٹ کیا تھا''۔ بہت دنوں بعد سالم کو مخاطب دیکھ کر دل کی خزاں بہار میں بدلی تھی اور چہرہ کنول کے پھول کی طرح گلابی ہوگیا تھا، جیسے بہار ہر سُو اتر آئی ہو۔

''اوہ..... بھابی آپ کی فرینڈ ہیں، ویسے آپ کب انوائٹ کر رہی ہیں؟'' وہ ایک کے بعد ایک سوال کیے جا رہا تھا۔

''جی.....؟'' فلزا اس سوال پر جھنجھلا سی گئی تھی۔

''وہ آپ کے ایم۔بی۔اے کزن جن سے آپ کی شادی ہوئی ہے، کب رخصتی ہے؟''

''آپ کو معلوم نہیں شاید، پھپھو نے آپ سے مذاق کیا تھا''۔ وہ شرمندہ سی ہوگئی تھی۔

''مذاق کا رشتہ ہے میرا آپ سے یا آپ کی پھپھو سے؟'' وہ تھوڑا سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''آئی ایم سوری!'' فلزا نے فقط دو لفظوں کو بولنے میں ہی عافیت جانی تھی۔

''اب کوئی پولیس والے کو بے وقوف بنائے اور وہ اسے بخش دے، یہ بھی جائز نہیں، پوری زندگی میرے ساتھ نبھانی پڑے گی''۔

''جی...؟'' وہ ہونق سی کھڑی تھی۔

''جی.... مجھ سے شادی کرو گی؟'' اس نے اسی کی ایکٹنگ کر کے نہایت رومینٹک انداز میں پرپوز کیا تھا۔

''مگر آپ....!'' وہ بولنا ہی چاہ رہی تھی کہ وہ بول پڑا۔

''مجھے تمہارے متعلق تمہاری پھپھو نے سب بتا دیا ہے، مجھے اس سے کوئی غرض نہیں اور میرے گھر والوں کو بھی ان سب باتوں سے کوئی غرض نہیں، اب بتاؤ کیا جواب ہے تمہارا؟'' مزید ایک سوال داغا تھا۔

''اگر آپ کو پھپھو لائک کرتی ہیں تو سمجھ لیں میں بھی کرتی ہوں''۔ پلکیں جھکائے وہ بہت نروس لگ رہی تھی، بالکل اسی طرح جیسے کوئی شرمیلی لڑکی کسی لڑکے کے پرپوز کرنے پر ہوتی ہے۔

''وہ تو پہلے ہی مجھے پسند کر چکی ہیں، بلکہ میری راہ تک رہی ہوں گی، جیسے ہی مام اور ڈیڈ بھائی کی شادی سے فارغ ہوتے ہیں، میں انہیں دوبارہ بزی کر دوں گا''۔

''جی میں پھپھو کو آپ کا پیغام دے دوں گی اور خود بھی انتظار کروں گی''۔ وہ شرماتے ہوئے بولی۔

☆.....☆.....☆

کل رات چاند روانی میں چلتا رہا
اور میں سورج کی مانند جلتی رہی
ایک ویران سے گوشے میں کہیں
تنہائی سے لپٹ کر بلکتی رہی
صبح اپنے وجود سے نکلتی کرنیں دیکھ
اپنے ہی اندر حرارت کو سمیٹتی رہی

پھپھو کی زندگی میں ایک اور صبح نمودار ہوئی تھی، فلزا پیا دیس جا چکی تھی اور پھپھو اکیلے زندگی کو گھسیٹ رہی تھیں، وہ کالج کے لیے روانہ تھیں، لیکن ان کے ساتھ ان کی ہم قدم کہیں نہیں تھی، ان کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے والی تو کسی اور کے ہم قدم ہو گئی تھی، کالج کا دروازہ عبور کرتے ہوئے وہ فلزا کی شرارتیں یاد کر رہی تھیں کیونکہ اب تو بس یادیں ہی تھیں جو صبیحہ افروز مغل کی تنہائی کی ساتھی تھیں، اور وہ خوشیاں تھیں جو وہ فلزا کی جھولی میں ڈال چکی تھیں، اور فلزا اور سالم کو خوش دیکھ کر وہ بھی بہت خوش تھیں۔

☆.....☆.....☆

ادارہ ردّا ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول

تم میرے ہو کے رہو
صالحہ محمود

قیمت -/500 روپے

ملنے کا پتہ:
ویل کم بک پورٹ اُردو بازار کراچی

ایقان علی

افسانہ

فیصلہ

جیسے ہی بس چلی اور ٹھنڈی ہوا میرے چہرے سے ٹکرائی تو رگ وپے میں سکون اترتا چلا گیا، میں نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کے آنکھیں موند لیں، مجھے پرسوں پتہ چلا تھا کہ فائزہ اسی شہر میں رہتی ہے سو آج میں وقت نکال کے اس سے ملنے جارہی تھی، فائزہ اور میں بہت پرانی سہیلیاں نہیں تھیں، میں FSc کے سیکنڈ ایئر میں تھی جب فائزہ BSc کرکے لاہور میری خالہ کے گھر آئی تھی، وہ خالہ کی بھتیجی یعنی خالہ کے شوہر کے بھائی کی بیٹی تھی، وہ پنجاب یونیورسٹی سے MSc کرنے آئی تھی، شروع شروع میں ہمیں وہ بہت دقیانوس سی لگی تھی لیکن آہستہ آہستہ ہمیں پتہ چلا کہ جسے ہم دقیانوسیت سمجھ رہے ہیں، وہ اس پر لگی اس کے چھوٹے شہر کی چھاپ ہے جسے وہ اتارنا نہیں چاہتی، ہر وقت سر پر اسکارف لیے رکھتی تھی، آہستہ آہستہ ہمیں پتہ چلا کہ وہ بہت جینئس تھی، نمیر، خالہ کا بیٹا تو اس سے بہت ہی امپریس تھا، میں اور دعا بھی اس سے جلدی کھل مل گئے مگر مدیحہ اسے کبھی دوست تسلیم نہ کرسکی۔ مدیحہ میری بہن تھی، پنجاب یونیورسٹی سے آنرز کر رہی تھی، مدیحہ بہت خوبصورت، بہت کانفیڈنٹ اور بہت انا پرست سی لڑکی تھی، دوسروں پر حکم چلانا اور دوسروں کو اپنی ماتحتی میں رکھنا اسے بہت پسند تھا، میں چھوٹی ہونے کی وجہ سے اور دعا بھولی اور معصوم ہونے کی وجہ سے اس کے نیچے لگے رہتے مگر فائزہ کی ایسی کوئی مجبوری نہیں تھی، اس نے پہلے ہی دن اس کی دھونس ماننے سے انکار کردیا اور اسی دن سے ان دونوں کے بیچ کھل گیا۔ مدیحہ اسے بھی دبانا چاہتی تھی لیکن فائزہ کی طبیعت اس دباؤ کو قبول نہیں کرتی تھی۔

''تم آخر خود کو سمجھتی کیا ہو؟'' مدیحہ غصے میں آجاتی۔

''فائزہ علی، جسٹ اسٹوڈنٹ آف MSc''۔ فائزہ بڑے آرام سے کہتی اور مدیحہ پاؤں پٹخ کے رہ جاتی۔

''تم دونوں اتنا کیوں لڑتی ہو؟'' اس دن شام کو ہم سب خالہ کے لان میں بیٹھے تھے جب نمیر نے پوچھ لیا۔

''یہ مجھ سے لڑتی ہے''۔ مدیحہ بولی۔

''ہاں نمیر بھائی! اور یہ مجھ سے جلتی ہے''۔ فائزہ اسے تیلی لگا کر بیٹھ گئی اور مدیحہ شروع ہوگئی، خالہ کی اکلوتی بیٹی سبرینہ کی شادی فکس ہوگئی تو ہم سب کو بہت خوشی ہوئی، مجھے آج بھی یاد تھا کہ فائزہ اس روز بھی ویسی ہی تھی جیسی عام حالات میں رہتی تھی۔

''فائزہ! یہاں تو اسکارف اتار دو''۔ میں نے ہی اسے کہا۔

''کیوں سائرہ! یہاں جو مرد ہیں وہ اندھے ہیں کیا؟'' اور میں چپ کرگئی تھی، سبرینہ کی شادی پر فائزہ نے ہر وہ کام کیا جو مدیحہ کو ناپسند تھا۔

''سبرینہ باجی! تصویریں میں بناؤں گی''۔

''نہیں تم دھندلی کردیتی ہو''۔ فائزہ آرام سے بولی۔

''سبرینہ باجی! میک اپ اچھا نہیں کیا بیوٹیشن نے''۔

''ہاں تو ٹھیک ہے ناں، انسان لگ رہی ہیں تمہاری طرح پیسٹری نہیں''۔ مدیحہ کو آگ لگ گئی۔

''اے دعا! روٹی نکالنا''۔

''کیوں دعا تمہاری نوکر ہے، خود نکال لو''۔ مدیحہ پیر پٹخ کے رہ جاتی۔

''اے دعا! پانی پلانا مجھے''۔

''کیوں تم کیا کررہی ہو؟ اٹھ کے خود پیو''۔ دعا، فائزہ سے بہت گھل مل گئی تھی کیونکہ اسے غلامی سے نجات فائزہ نے ہی دلوائی تھی، دعا کا گھر ہمارے اور خالہ کے گھر کے

بالکل سامنے تھا، اکلوتی تھی اور اتنی ہی بھولی اور معصوم تھی، پھر مجھے نہیں پتہ چلا کب کس وقت مدیحہ کو نمیر سے محبت ہوگئی، اور مجھے تو یہ بھی پتہ نہیں چلا کہ نمیر کو کب فائزہ سے محبت ہوگئی؟ میں اپنی دنیا میں زیادہ مگن رہتی تھی، میرا پہلا اور آخری مقصد ایک کامیاب ہارٹ سرجن بننا تھا، آج بھی میں سوچتی ہوں تو الجھ جاتی ہوں کہ نمیر کو فائزہ میں کیا نظر آیا؟ نہ وہ خوبصورت تھی نہ اس کا بیک گراؤنڈ مضبوط تھا، لیکن اس کی شخصیت مضبوط تھی، اس کا کردار مضبوط تھا، وہ ان لڑکیوں میں سے تھی جو خود کتنا کہ نہیں گزرتیں، دوسروں کو کترا کر گزرنے پر مجبور کردیتی ہیں، اسی لیے جب نمیر نے اس کے سامنے اپنی محبت کا ڈھیر لگایا تو وہ سیدھی کھڑی رہی، اس کے قدم اتنی ڈھیر ساری محبت دیکھ کر لرزے نہیں اس نے خاموشی سے اس ڈھیر سے نظریں چرالیں، نمیر نے اپنا فیصلہ خالہ کو سنادیا، لیکن خالہ نہ مانیں، انہیں مدیحہ، فائزہ سے زیادہ عزیز تھی۔

''میں صرف فائزہ سے شادی کروں گا''۔ نمیر کا فیصلہ اٹل تھا۔

''لیکن میں آپ سے شادی نہیں کروں گی''۔ فائزہ نے لمحوں میں نمیر کی محبت ٹھکرادی اور واپس جانے کے لیے تیار ہوگئی، اس کا MSc ہو چکا تھا۔

''فائزہ! تمہارا فیصلہ غلط ہے''۔ میں نے اس رات اسے کہا تھا۔

''نہیں سائرہ! مجھے نمیر کی محبت پر کوئی شبہ نہیں ہے لیکن مجھے اس کے دل میں نہیں اس کے گھر میں بھی رہنا ہے، تائی کبھی بھی مجھے مدیحہ کا بدل نہیں تسلیم کریں گی، خوبصورت لڑکی ہر شخص کی اولین خواہش ہوتی ہے اور اس بات کا احساس نمیر کو تب ہوگا جب وہ اپنا سوشل سرکل بڑھائے گا، اسے مدیحہ جیسی بیوی کی ضرورت پڑے گی، میری جیسی نہیں''۔ فائزہ کی یہ باتیں اسے شاید ٹھیک لگیں مگر مجھے نہیں، میرے خیال میں یہ صرف اس کے خدشات تھے۔

''ویسے بھی میں نے مدیحہ سے ہمیشہ چھینا ہے، اسے کبھی دیا نہیں ہے، میرے جانے سے اسے اس کی محبت مل جائے گی''۔ فائزہ چلی گئی، لیکن مدیحہ کو نمیر چاہیے تھا، فائزہ کو نمیر نہیں، اس کا اپنا نمیر۔ اس نے تو ساری زندگی کسی کا جھوٹا پانی نہیں پیا تھا تو اب کسی کی محبت اور وہ بھی فائزہ کی..... کیسے قبول کرلیتی، اس نے خالہ کو انکار کردیا۔

''میں اس سے شادی کیسے کرلوں سائرہ! جو کسی اور کے ٹھکرا دینے کے بعد میری طرف آیا ہے، میں ہمیشہ اس کی زندگی میں رہوں گی مگر دل میں نہیں، میں فائزہ کی بھیک نہیں لوں گی، میں بیشک اس سے بہت پیار کرتی ہوں لیکن دل کو نہیں سمجھا سکتی''۔ پھر کافی عرصہ گزر گیا، میں اسپیشلائزیشن کے لیے باہر چلی گئی، میں اس وقت حیران رہ گئی تھی جب مجھے پتہ چلا کہ نمیر دعا سے شادی کر کے امریکہ آ گیا ہے، میں اس سے ملنے گئی تھی۔

''دیکھو سائرہ! فائزہ غلط تھی، دعا بھی خوبصورت نہیں ہے، مگر اس کے باوجود میرے ساتھ خوش ہے، اس کا بیک گراؤنڈ بھی مضبوط نہیں ہے، اس کو بھی ماما نے تسلیم نہیں کیا مگر اس کے باوجود میں اس کے ساتھ خوش ہوں، مدیحہ بھی غلط تھی، دعا جانتی ہے میری اور فائزہ کی محبت کے بارے میں لیکن اسے تو کبھی احساس نہیں ہوا، کبھی میں نے کوئی کمی نہیں کی، کاش سائرہ! میں ان دونوں کو بتا سکوں کہ ان دونوں کے فیصلے غلط تھے''۔ میں حیران پریشان واپس آ گئی، فائزہ کا غلط ہونا مجھے سمجھ آ گیا تھا مگر مدیحہ بھی غلط تھی، یہ مجھے آج پتہ چلا۔ پھر میں واپس آ گئی، مدیحہ اور فائزہ دونوں کی شادی ہوگئی تھی۔ فائزہ کی شادی میں، میں شامل نہیں ہوئی، مدیحہ کی شادی میرے آنے کے بعد ہوئی تھی۔

☆.....☆.....☆

فائزہ سے مل کے اس کے سسرال میں چند گھنٹے گزارے

مجھے اور شدت سے احساس ہوا کہ فائزہ کا فیصلہ غلط تھا، وہ گھر اس کے میکے سے بھی زیادہ چھوٹا تھا، ساس انتہائی زبان دراز، تین چھوٹی نندیں، شوہر غصے کا تیز، فائزہ گھن چکر بنی ہوئی تھی، گھر کا سارا کام وہ خود کررہی تھی۔

''فائزہ! تمہیں پچھتاوا نہیں ہوتا؟'' میں نے پوچھا۔

''کس بات پر؟'' وہ حیران ہوئی۔

''اپنے فیصلے پر..... تمہارا فیصلہ غلط تھا ناں فائزہ؟'' میں نے سوچا فائزہ اب بھی مجھے غلط ثابت کردے گی مگر اس نے ایک گہری سانس لی۔

''ہاں سائرہ! میرا فیصلہ غلط تھا، لیکن مجھے اپنے غلط فیصلے پر بھی کوئی پچھتاوا نہیں ہے''۔

''کیوں؟'' میں حد سے زیادہ حیران ہوئی۔

''کیونکہ میں اپنے فیصلے پر مطمئن ہوں''۔

''مطمئن.....؟'' مجھے اب بھی سمجھ نہیں آیا تھا، فائزہ کھڑی ہوگئی۔

''ہاں سائرہ! میں نے ہر چیز سے سمجھوتہ کرلیا ہے، گھر چھوٹا ہے تو کیا ہوا، صفائی جلدی ہوجاتی ہے، ساس زبان دراز ہے تو میں چند لمحوں کے لیے گونگی بن جاتی ہوں، تین نندیں ہیں تو کیا ہوا، آخر ان کی شادیاں ہوہی جائیں گی، شوہر غصے کا تیز ہے مگر مزیدار کھانوں سے قابو آجاتا ہے، گھر کا سارا کام مجھے کرنا ہے کیونکہ یہ میرا گھر ہے، مجھے کھلے دل سے اقرار ہے فائزہ! کہ میرا فیصلہ غلط ہے، مگر میں اپنے اس فیصلے پر مطمئن ہوں اور غلط فیصلے پر مطمئن ہونا نتائج کی تلخی کو کم کردیتا ہے۔ میں اگر دن رات خود سے یہ کہوں گی کہ میں نے غلط کیا، مجھے نمیر کو نہیں ٹھکرانا چاہیے تھا تو مجھے کیا ملے گا؟ گزرا وقت واپس تو نہیں آئے گا، پشیمانی اور پچھتاوا مزید بڑھ جائے گا۔ سکون غارت ہوجائے گا، اس سے بہتر ہے کہ اپنے فیصلے پہ چاہے غلط ہی کیوں نہ ہو مطمئن ہوکر سمجھوتہ کرلیا جائے''۔ اور میں جو اسے نمیر کے بارے میں بتانے کا سوچ رہی تھی چپ ہوگئی، فائزہ ٹھیک کہہ رہی تھی، فیصلوں پر پچھتانا زندگی میں صرف تلخیاں لے کر آتا ہے، میں واپس آ گئی، تھوڑے دنوں بعد مدیحہ ملنے آئی تھی، مجھے دیکھ کر پھٹ پڑی۔

''میں تمہیں کیا بتاؤں سائرہ! میں کتنی مشکل میں ہوں، کاش! میں نے نمیر کو نہ ٹھکرایا ہوتا، اتنا بڑا گھر ہے مگر مکین نہیں ہیں، شوہر کے پاس ٹائم ہی نہیں ہوتا، ساس چپ چاپ پڑی رہتی ہے، میں تنگ آجاتی ہوں، بہت پچھتاتی ہوں میں، میں نے غلط فیصلہ کرلیا، میں نے نمیر کو ٹھکرا کر اچھا نہیں کیا''۔ اور میں حیرانی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''جانتی ہو مدیحہ! فائزہ تم سے برتر بیشک نہ ہو، لیکن بہتر ضرور ہے، پتہ ہے کیوں؟'' مدیحہ نے حیرانی سے میری طرف دیکھا۔

''کیونکہ وہ اپنے فیصلوں پر پچھتاتی نہیں ہے، وہ تم سے زیادہ برے حال میں ہے لیکن خوش ہے، اس نے مجھ سے ایک بار بھی نہیں کہا کہ سائرہ! میں پچھتا رہی ہوں اور تم نے ستر دفعہ لفظ کاش استعمال کرلیا، اس نے مجھے ایک جملے سے چپ کروادیا کہ ''اپنے غلط فیصلوں پر مطمئن رہنا زندگی کی تلخیاں کم کردیتا ہے''۔ تم بھی مطمئن ہوجاؤ مدیحہ! شوہر کا احساس کرو، ساس نہیں تم سے بولتی تو تم اس سے بول لو، بڑے گھر کو سجانے سنوارنے میں دل لگاؤ، اگر فیصلہ کیا ہے تو دنیا کو دکھاؤ بھی کہ تمہارا فیصلہ درست ہے، زندگی کو مزید بے سکون مت کرو''۔ مجھے یقین سا تھا کہ ہمیشہ مجھے سمجھانے والی مدیحہ میری بات ضرور سمجھ جائے گی۔ میں نے بیڈ سے ٹیک لگالی، آج زندگی نے ایک نیا سبق دیا تھا مجھے، فیصلے صحیح ہوں یا غلط، ان پر مطمئن رہیں، پچھتائیں مت۔ کیونکہ صحیح فیصلوں پر مطمئن ہونا اگر زندگی میں خوشیاں بھرتا ہے تو غلط فیصلوں پر مطمئن ہونا بھی زندگی کی تلخیوں کو کم کردیتا ہے، ساتھ اگر سمجھوتے کا تڑکہ بھی لگ جائے تو زندگی پرسکون ہوجاتی ہے۔

☆.....☆.....☆

نائلہ طارق

قسط نمبر 7

سلسلے وار ناول

کبھی ٹوٹا میرے دل ٹوٹا

''عارش کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟'' ایک نظر انہوں نے عروسہ کو دیکھا بھی تھا جو ڈریسنگ کے سامنے بیٹھیں تھیں، ان کے سوال میں ایسا کچھ تھا کہ وہ بالوں میں برش پھیرنا بھول گئی تھیں۔

نوٹ: ردّا کی کوئی ویب سائٹ نہیں ہے، جو بھی ردّا کو بلا اجازت کسی بھی ویب سائٹ پر اپ لوڈ کرے گا ادارہ اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی اور ایسے لوگوں کے خلاف کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت ایف۔ آئی۔ آر۔ درج کروانے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

''آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں؟'' جانچتی نظروں سے عروسہ نے انہیں دیکھا تھا جو بیک کراؤن سے پشت لگائے اپنے لیپ ٹاپ میں بھی معروف تھے۔

''اس لیے کہ تم اور تمہارے گھر والے عارش اور اس کے گھر والوں کو مجھ سے زیادہ بہتر جانتے ہو، مجھے تو وہ ہر طرح سے اچھا لگتا ہے، مگر میں تمہاری رائے بھی اس کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں''۔ وہ اطمینان بھرے لہجے میں بولے تھے۔

''مگر مجھے پتہ تو چلے پہلے کہ آپ کس حوالے سے اس کی رائے جاننا چاہتے ہیں؟'' عروسہ نے مشکوک نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

''بیلا کے حوالے سے''۔ وہ صاف گوئی سے بولتے عروسہ کو دنگ کر گئے تھے اور باوجود اس کے کہ وہ ان کے مقصد کو پہلے سے سمجھ چکی تھیں۔

''بیلا کے لیے عارش مناسب رہے گا، تم خرمن سے ذکر کر کے دیکھو''۔ وہ مزید بولے تھے۔

''فاروق! سب کچھ جانتے ہوئے بھی آپ....!'' عروسہ شدید تاسف کی وجہ سے بات مکمل نہیں کر سکی تھیں۔

''کچھ نہیں جاننا مجھے، جس بارے میں بات کر رہا ہوں اسی پر رہو''۔ فاروق کے لہجے میں ناگواری در آئی تھی۔

''آپ ایسا کریں، ایک ہی بار میرا گلا گھونٹ دیں''۔ سرخ چہرے کے ساتھ بولتے ہوئے عروسہ چونک کر ادھ کھلے دروازے کی سمت متوجہ ہوئی تھیں اور اگلے ہی پل خود اٹھ کر دروازے کی سمت بڑھ گئی تھیں۔ سوئے ہوئے فائز کو اس نے خاموشی سے عروسہ کے حوالے کیا تھا جبکہ اس کے چہرے اور آنکھوں سے جھلکتی اذیت نے عروسہ کو یقین دلا دیا تھا کہ وہ ان کی باتیں سن چکی ہے، کچھ بھی کہے بغیر وہ خاموشی سے واپس بھی چلی گئی تھی۔ بچے کو بیڈ پر لٹاتے ہوئے انہوں نے ایک بار بھی فاروق کو نہیں دیکھا تھا جو ان کی طرف ہی متوجہ تھے۔

''پھر.... تم بات کرو گی خرمن سے؟'' وہ پھر اسی موضوع کو جاری رکھنا چاہتے تھے۔

''میں ایسا نہیں کروں گی''۔ غصے کو قابو کرتیں وہ واپس ڈریسنگ کی جانب گئی تھیں۔

''کیوں، کیا برائی ہے بات کرنے میں؟'' فاروق کی پیشانی پر بل پڑ گئے تھے۔

''اس لیے کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، خرمن کے لیے گھر میں جو بات چلی تھی، احمد انکل نے اس کے لیے انکار کر دیا تھا، مجھے یہی لگتا ہے کہ وہ خرمن کو عارش سے منسوب کریں گے''۔ ہینڈ لوشن ہاتھوں پر استعمال کرتیں وہ سپاٹ لہجے میں بولی تھیں۔

''تمہیں شک ہے مگر یقین تو نہیں، کچھ عرصہ دیکھ لو یا پھر تم باتوں باتوں میں خرمن سے اس بات کی تصدیق کر لو، تمہاری خام خیالی سے تو یہی بہتر ہے''۔ ان کے ناگوار لہجے پر عروسہ بس آئینے میں ان کے عکس کو دیکھتیں خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی تھیں۔

☆.....☆.....☆

حد نگاہ تک پھیلے سمندر کی شوریدہ لہروں سے نظر ہٹا کر وہ اس کی طرف متوجہ ہوا تھا، جو بالکل خاموش سمندر کی اٹھتی گرتی لہروں کو دیکھ رہی تھی۔

''جب میرا چہرہ دکھائی نہیں دیتا تو شکایت کرتی ہو کہ میرے پاس تمہارے لیے وقت نہیں ہوتا اور اب تمہارے ساتھ ہوں تو کوئی ڈیلیو نہیں، میں نے تم سے کہا بھی تھا کہ سارے مسئلے مسائل گھر کے کسی کونے میں پھینک کر باہر آنا''۔ عثمان نے اسے گھرکا تھا۔

''دراصل میں پہلی بار تمہارے ساتھ یہاں آئی ہوں اس لیے میں کچھ شاک ہوں کہ تم اتنے رومینٹک کب سے ہو گئے کہ مجھے سیدھا یہیں لے آئے ہو؟'' وہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

''کسی غلط فہمی میں نہ رہو، اگر تمہیں پتہ چل جائے کہ میں کتنا رومینٹک ہوں تو کبھی میرے ساتھ اس جگہ پر آنے کی غلطی نہیں کرتیں''۔ اس کے مسکراتے لہجے پر بیلا کی مسکراہٹ غائب ہوئی تھی۔

''چلو، آگے چلتے ہیں''۔ سینڈلز اتارتے ہوئے وہ بولی تھی۔

''آگے بھی ہم دونوں کے علاوہ کوئی نہیں ہوگا، تمہیں سمجھوتا کر لینا چاہیے''۔ عثمان کے سنجیدہ انداز پر وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

''بس اسی طرح ہنستی نظر آنا جب تک میرے ساتھ ہو''۔ اسے تاکید کرتے ہوئے عثمان نے اس کے ہاتھ سے سینڈلز لینے چاہے تھے مگر وہ فوراً اسے روک گئی تھی۔

''آپ کی بہت مہربانی، مگر یہ میرے ہاتھ میں ہی ٹھیک ہیں''۔ وہ بولی تھی۔

''کوئی فرق نہیں پڑتا، یہ سینڈلز مستقبل میں، میں نے ہی تو کھانے ہیں''۔

''ایسا مت کہو، میں تو تمہیں بہت پیار سے رکھوں گی''۔ اس کے روانی سے بول جانے پر عثمان نے حیرت سے اسے دیکھا تھا جو بری طرح جھینپ گئی تھی۔

''ذرا دوبارہ کہو، میں نے ٹھیک سے سنا نہیں''۔ اس کی شوخ نظروں پر وہ بلش کر گئی تھی۔

''تمہارا ٹھیک سے نہ سننا ہی اس وقت بہتر ہے''۔ اس کے جھلائے لہجے پر وہ دھیرے سے ہنستا اس کے ساتھ ہی آگے بڑھ گیا تھا۔

''پیپرز کے ساتھ تمہاری اسٹڈیز مکمل ہو جائے گی، آگے کیا کرنے کا سوچا ہے؟'' پیروں سے ٹکراتی ہلکی لہروں کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اس نے عثمان کو دیکھا تھا۔

''تم بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہیے؟'' وہ جواباً سوال کر رہا تھا۔

''مجھے نہیں لگتا کہ تمہیں کسی خشک قسم کی جاب تک خود کو محدود کر لینا چاہیے، مجھے تمہارے اندر بہت صلاحیتیں نظر آتی ہیں، ان کو زنگ نہیں لگنا چاہیے، میں جانتی ہوں کہ تم بھی ایسا نہیں چاہتے''۔ تیز ہوا سے چہرے پر بکھرتے بال سمیٹتی وہ بولی تھی۔

''دنیا میں عارش کے بعد تم واحد ایسی ہستی ہو، جو مجھے اندر تک جانتی ہو''۔ چاہت سے لبریز ایک نگاہ عثمان نے اس پر ڈالی تھی۔

''تم ٹھیک کہتی ہو، ملازمت جیسے پروفیشن کی میں عزت کرتا ہوں، مگر یہ میرے بس کا روگ نہیں ہے، پیپرز کے بعد مجھے عارش کے ساتھ مل کر سنجیدگی سے انسٹیٹیوٹ شروع کرنے کے متعلق معاملات کو دیکھنا ہے''۔

''مگر اس کام کے لیے تم دونوں کو فنانشلی اسٹرونگ ہونا بھی تو ضروری ہے، صرف مشاہدے، تجربے کا ہونا کافی نہیں''۔ بیلا نے کہا تھا۔

''اس بارے میں بھائی سے بات ہو چکی ہے، انہوں نے تو پہلے ہی مجھے کہہ دیا تھا کہ وہ مجھے سپورٹ کریں گے، اگر میں کوئی بزنس شروع کرنا چاہوں، عارش میری طرح قلاش نہیں ہے، وہ تو آل ریڈی ایک اچھی جاب کر رہا ہے، اس کے پاس اس کے پیرنٹس کی بھی کچھ پراپرٹی ہے اور سب سے اچھی بات یہ ہے کہ احمد انکل اسے ہر طرح سے سپورٹ کریں گے، عارش ساتھ ہوگا تو یقیناً کچھ نہ کچھ بہتر ہی ہوگا''۔ وہ تفصیلاً بولا تھا۔

''تم ٹھیک کہتے ہو، اور میرا خیال ہے کہ عارش کے ساتھ یہ پروفیشن اختیار کرتے ہوئے تمہیں اپنے پسندیدہ کام

کرنے کا وقت بھی کافی مل جائے گا"۔

"اور میرے پسندیدہ کام کون سے ہیں؟" عثمان نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"مثلاً خود کو ایکسپوز کرنا"۔

"بتاؤں ابھی تمہیں؟" رک کر عثمان نے اس کے ہنستے چہرے کو گھورا تھا۔

"میرا مطلب تھا میگزین میں....!" وہ سنجیدہ ہونے کی کوشش کرتی بولی تھی۔

"یہ کام تو میں کروں گا، دنیا کو برا لگتا ہے تو لگے، مجھے اچھا لگتا ہے یہ کافی ہے"۔ وہ بے نیازی سے بولا تھا جبکہ بیلا چند لمحوں کے لیے خاموش ہو کر دوبارہ شور مچاتی لہروں کو گننے لگی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو، میں نے کچھ غلط کہہ دیا؟" اس کے سامنے آتے ہوئے عثمان نے بغور اس کی آنکھوں میں ابھرتے حزن کو دیکھا تھا۔

"مان! کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ ہم دونوں کو اگر الگ الگ زندگی گزارنی پڑی تو....؟"

"تم ایسا سوچ بھی کیسے سکتی ہو؟" عثمان نے جس طرح درمیان میں اس کی بات کاٹی تھی وہ پریشان ہوئی تھی اس کے بگڑتے تیوروں پر۔

"گھر میں کوئی بات ہوئی ہے یا تمہارے بھائی نے پھر مجھے اور تمہیں نشانہ بنایا ہے، تو مجھے بتا کر دل کا بوجھ ہلکا کر لو، مگر مجھے مجبور مت کرو کہ میں ابھی تمہیں اسی سمندر کے حوالے کر کے یہاں سے چلا جاؤں"۔ اس کے غصیلے لہجے پر بیلا کا رنگ اڑ گیا تھا۔

"تمہیں اگر مجھ سے الگ ہو کر زندگی گزارنا ہی ہے تو کیوں اپنے بھائی کے ہاتھوں میری دھجیاں اڑوا رہی ہو؟" وہ بولنا شروع ہوا تو رکا نہیں تھا، بیلا کو کوئی حیرت نہیں ہوئی تھی، وہ جانتی تھی سامنے کھڑے اس بھڑکتے شخص کی محبت ایسی ہی تھی، سرکش پہاڑوں کو چیرتے آبشار جیسی اور کبھی پرسکون ندی کے بہتے پانی جیسی، وہ ہرگز بھی اس وقت فاروق کے ارادے سے اسے آگاہ نہیں کر سکتی تھی نہ ہی آگے کبھی کر سکے گی، وہ یہ بھی نہیں چاہ سکتی تھی کہ عارش سے اس کے تعلقات خراب ہوں یا ان کے دوستی کے رشتے میں کوئی فرق آئے۔

"آئی ایم سوری، میں کچھ زیادہ ہی بول گیا"۔ بیلا کی خاموشی نے اسے پشیمان کیا تھا، نظر اٹھا کر بیلا نے اسے دیکھا تھا جو سمندر کی ایک اونچی لہر پر نظریں جمائے ہوئے تھا، مگر اس کے چہرے پر اضطراب ابھی باقی تھا۔

"مجھے برا نہیں لگا ہے، تمہارا یہ جوش میری ہمت اور حوصلے کو بڑھاتا ہے"۔ وہ گہری سانس لے کر بولی تھی۔

"ایسا ہو نہ جائے کہیں"۔ عثمان نے ناراضی سے ہی اسے دیکھا تھا۔

"میری طرف سے اتنے مایوس مت رہا کرو مان! یہ میرا تم سے وعدہ ہے، وقت آنے پر اگر تمہارے لیے مجھے دنیا بھی چھوڑنی پڑی تو پیچھے نہیں ہٹوں گی"۔

"اچھا اب زیادہ بہادری کے مظاہرے کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ میں اس کی نوبت نہیں آنے دوں گا، ہمیں کبھی الگ الگ رہ کر زندگی نہیں گزارنی پڑے گی اس بات کا یقین رکھو اور سب بھول جاؤ"۔ اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہ مسکرایا تھا۔

"اچھا اب کیا سارا وقت یہیں گزار دو گے؟ بھوک سے مر رہی ہوں میں، تمہاری جیب ہلکی کروا کر ہی جان چھوڑوں گی"۔ فیصلہ سناتے ہوئے بیلا نے اسے بھی واپس جانے کے لیے ساتھ کھینچ لیا تھا۔

☆.....☆.....☆

گیٹ کھلا دیکھ کر وہ صحن عبور کرتیں گیٹ تک پہنچی تھیں، گیٹ بند کر کے وہ واپس پلٹی تھیں کہ عثمان کی ہلکی سی آواز پر انہوں نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا تھا اپنے گھر کی چھت کی باؤنڈری پر وہ جھکا ہوا تھا۔

"استانی کی طرح آپ کو بھی مجھ پر رحم نہیں آتا"۔ اس کی التجائی آواز پر فاطمہ مسکرائی تھیں۔

"اچھا تم رکو میں اسے سمجھتی ہوں، مگر تم بھی اب مان جانا"۔ اسے تاکید کرتیں وہ برآمدے کی سمت بڑھ گئی تھیں۔

کمرے میں احمد حسین حسب معمول ٹی وی پر نیوز دیکھ رہے تھے جبکہ فلور کشن کو ملا کر ان پر سینے کے بل لیٹا، عارش میگزین کی ورق گردانی کرتا ٹی وی پر بھی نظر ڈالتا جا رہا تھا۔

"عارش! ذرا اوپر جاؤ، عثمان اپنی چھت پر ہے جا کر بات کرو اس سے"۔ فاطمہ کی ہدایت پر احمد حسین بھی متوجہ ہوئے تھے۔

"عارش! کیا کہا ہے میں نے تم سے؟" اسے سو جانے کی ایکٹنگ کرتے دیکھ کر فاطمہ نے ڈپٹنے والے انداز میں کہا تھا۔

"کوئی فائدہ نہیں ہوگا، میں بہت بار کوشش کر چکا ہوں مگر وہ میری کوئی بات سننے کے لیے تیار نہیں ہے"۔ کوفت کے ساتھ بولتا وہ اٹھ بیٹھا تھا۔

"تم نے ابھی تک عثمان کی ناراضی ختم نہیں کی، یہ تو بہت بری بات ہے"۔ احمد حسین نے اسے شرمندہ کر دیا تھا۔

"جاؤ ابھی جا کر اس سے بات کرو، نہیں مان رہا تو اس کے گھر میں چلے جاؤ اور اس وقت نکلنا جب اس کی ساری ناراضی ختم ہو جائے"۔ احمد حسین کے مسکراتے لہجے پر وہ دھیرے سے ہنستا جانے کے لیے اٹھ گیا تھا۔

"عثمان سے کہنا کہ میں اس کے لیے چائے بنا رہی ہوں، تمہیں دیکھ کر بھاگے گا نہیں"۔ فاطمہ نے پیچھے سے اسے ایک احتیاطی تدبیر بھی بتائی تھی۔

باؤنڈری کی جانب بڑھتے ہوئے وہ اسے دیکھ سکتا تھا جو کرسی پر پھیل کر بیٹھا اپنے شغل میں مصروف تھا، عارش کی پکار پر بھی متوجہ نہیں ہوا تھا۔

"مجھے بتا دو اور کس طرح تمہاری ناراضی کو ختم کروں، تم اپنے دوست کی غلطی کو بھی معاف نہیں کر سکتے، کیا یہ اچھا ہے کہ تم اور میں اپنی اپنی ڈیڑھ انچ کی مسجد بنا کر اداس بیٹھے رہیں؟" عارش کے شکایتی لہجے پر عثمان نے اسے دیکھا تھا اور اگلے ہی پل جلتا سگریٹ ایک طرف پھینکتا جارحانہ انداز میں باؤنڈری کی سمت آ گیا تھا۔

"تم کس منہ سے مجھے اپنا دوست کہہ سکتے ہو؟ اگر تم کچھ کر نہیں سکتے تو اس کا بدلہ تم نے مجھے دھکے دے کر کیوں لیا؟ یا مجھے الہام ہو گیا تھا کہ تم اپنے دل میں کیا کچھ مجھ سے چھپا کر بیٹھے ہو؟" عثمان کے بگڑے سوالیہ لہجے پر وہ چند لمحوں کے لیے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا تھا۔

"اپنے ان جذبوں کو میں خود سے بھی چھپائے رکھنا چاہتا تھا، صرف اس خوف سے کہ کہیں مامی اور ماموں جان کو یہ

سب ناگوار نہ گزرے، مجھے خدشہ تھا کہ کہیں مجھ پر سے ان کا اعتماد نہ اٹھ جائے، مگر میں بزدل نہیں تھا، اگر ہوتا تو کبھی وقت آنے پر مامی اور ماموں جان کے سامنے اپنا دل کھول کر نہ رکھتا، تم میرے دوست ہو، مجھے لگتا تھا کہ تم میری فیلنگز سے واقف ہو، تمہارے سامنے مجھے خرمن کے لیے اپنے احساسات عیاں کرنے کی ضرورت نہیں تھی، مگر تم الٹا ہی مطلب اخذ کر رہے ہو''۔ عارش کے لہجے میں شدید تاسف تھا۔

''اپنے آپ کو درست ثابت کرنے کے لیے اب تم یہ مت کہو کہ عثمان کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں، اس پر الہام ہوتا ہے، سچ تو یہ ہے کہ اگر تم نے انکل آنٹی کے سامنے زبان کھولی ہے تو صرف میرے بھائی کی وجہ سے ورنہ تمہارے اندر ہمت نہیں تھی''۔ عثمان کے استہزائیہ لہجے نے عارش کے تاثرات بدلے تھے۔

''ٹھیک ہے تم نے جو کہا وہی سچ ہے، اب اس کے بعد اگر تم نے مجھے کسی بھی قسم کا طعنہ دیا تو میں تمہارا منہ توڑ دوں گا''۔ پھرے لہجے میں اس نے عثمان کو وارن کیا تھا جس کی طنزیہ مسکراہٹ نے مزید اسے بھڑکایا تھا۔

''میں نہیں، تمہارا بھائی میرے راستے میں آیا تھا۔ تم جھوٹ بول رہے ہو کہ تم خرمن کے لیے میری فیلنگز سے واقف نہیں ہو، تم سب کچھ جانتے تھے پھر بھی تم نے دوست ہو کر آستین کا سانپ بننے کی کوشش کی تھی''۔

''میرے بھائی کو تم ایک طرف ہٹا چکے ہو لہٰذا ان کی بات مت کرو، کیونکہ میں سنوں گا نہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر تم میرے سامنے بھی زبان کھول چکے ہو تو اس میں تمہارا کوئی کمال نہیں ہے، جتنی ہمت کے مظاہرے تم کر چکے ہو تو اس کا محرک میں بنا ہوں''۔

''سن کر اچھا لگا''۔ عارش نے کافی طنزیہ لہجے میں کہا تھا۔

''اچھا تو مجھے بھی اس دن لگے گا جب تم خرمن کے سامنے حال دل بیان کرنے کی ہمت کرو گے مگر مجھے لگتا ہے کہ اس کے لیے بھی مجھے ہی کچھ کرنا پڑے گا ورنہ تمہارے ارمانوں کی قبر تمہارے دل میں ہی تیار ہو جائے گی اور تم تب بھی یہی نعرے لگاتے رہو گے کہ میں بزدل نہیں ہوں''۔ مضحکہ خیز انداز میں بولتا عثمان بہت اچھی طرح اسے طیش میں مبتلا کر گیا تھا۔

''مجھے نہ ہی نعرے لگانے کی ضرورت ہے اور نہ ہی خرمن کے سامنے اپنا حال دل بیان کرنے کی۔ اگر میرے جذبے اس کے لیے خالص ہیں تو عنقریب وہ جان جائے گی کہ میرے دل میں اس کے لیے کیا ہے، یہ بھی کہ میں اس کے اور اپنے درمیان آنے والے کسی بھی تیسرے شخص کو اسی طرح کک آؤٹ کر سکتا ہوں جس طرح تمہارے بھائی کو کر چکا ہوں، خرمن کے اعتماد کو اور اس کے دل کو فتح کرنے کے لیے مجھے تمہاری ضرورت کبھی نہیں ہوگی، سمجھے تم؟'' سرخ چہرے کے ساتھ وہ خونخوار نظروں سے اب عثمان کو ہی دیکھ رہا تھا جس کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہوتی جا رہی تھی۔

''کہہ چکے جو کہنا تھا یا دل میں ابھی کچھ اور باقی ہے؟'' کھل کر مسکراتے ہوئے عثمان اسے ہتھے سے اکھاڑ گیا تھا۔

''میں لعنت بھیجتا ہوں تم پر''۔ عثمان پر غراتے ہوئے وہ جانے کے لیے پلٹا اور اگلے ہی لمحے اسے اپنے پیروں کے نیچے سے زمین کھسکتی محسوس ہوئی تھی، بس چند قدم کے فاصلے پر ہی تو وہ موجود تھی، ٹرے ہاتھوں میں تھامے سپاٹ چہرے کے ساتھ وہ عارش کو ہی دیکھ رہی تھی جس کے ہوش اس اچانک صورتحال پر بالکل اڑ چکے تھے، دوسری جانب خرمن اس کے چہرے سے نظر ہٹاتی باؤنڈری کی سمت آئی تھی، ٹرے اس نے باؤنڈری پر رکھی تھی اور کسی بھی جانب دیکھے بغیر اسی خاموشی سے واپس چلی گئی تھی۔

فلاسک میں سے چائے مگ میں انڈیلتے عثمان نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا تھا، جو باؤنڈری پر کہنیاں ٹکائے اور سر ہاتھوں میں تھامے گم صم تھا۔

''کوئی بات نہیں، ہوتا ہے، اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں''۔ عثمان نے ہنستے ہوئے اس کے شانے کو تھپتھپایا تھا، گہری سانس لے کر اس نے بس عثمان کو ایک نظر دیکھا تھا، جبکہ اس کے بے انتہا سنجیدہ چہرے نے عثمان کو بھی سنجیدہ کر دیا تھا۔

''مجھے معلوم تھا کہ تم اتنی آسانی سے استانی کا سامنا نہیں کرو گے، مجھے یہ موقع بہتر لگا کہ کم از کم خرمن کو بے خبر نہیں رہنا چاہیے اس لیے میں نے تمہیں اس کی موجودگی پر خبردار نہیں کیا، ورنہ تم اتنا کھل کر جی داری کا مظاہرہ دس سال بعد بھی نہیں کر سکتے تھے، بلکہ تمہیں تو میرا شکر گزار ہونا چاہیے کہ تمہارا کام کتنا آسان ہو گیا، میری وجہ سے، حالانکہ تم اب بھی یہی کہو گے کہ تمہیں میری ضرورت نہیں تھی''۔ مسکراتی نظروں سے عثمان نے اسے دیکھا تھا جواب تک سناٹے میں ہی گھرا تھا۔

''میں جانتا ہوں تمہاری سٹی گم ہو چکی ہے، مگر پریشان مت ہو، میں تمہارے ساتھ ہوں، لو چائے پیو''۔ مسکراہٹ چھپاتے ہوئے عثمان نے مگ زبردستی اسے تھما دیا تھا جس کا دل چاہ رہا تھا کہ مگ اس کے سر پر ہی پھوڑ ڈالے۔

☆.....☆.....☆

اس کی خاموشی عارش کو کسی طوفان کا پیش خیمہ لگ رہی تھی، وہ اس کے کسی بھی ردعمل کا منتظر رہا تھا، مگر کچھ بھی تو نہیں ہوا تھا سوائے اس کے کہ وہ پہلے کی طرح خرمن سے نظریں ملا کر بات کرنے کے قابل نہیں رہا تھا، یہ جذبات بھی بہت عجیب ہوتے ہیں، ان کو چھپائے رکھنا اذیت تو عیاں کرنا قیامت سے کم نہیں ہوتا، وہ جانتا تھا کہ خرمن سے زیادہ عرصے تک یہ سب وہ چھپا نہیں سکے گا، دن بہ دن دل پر ایک بوجھ سا بڑھتا جا رہا تھا، وہ دیکھ رہا تھا محسوس کر رہا تھا کہ خرمن اس سے کھنچی کھنچی سی رہتی ہے، اس سے کترانے لگی ہے اور یہ سب عارش کو تشویش میں مبتلا کرنے کے لیے کافی تھا، ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی تو خرمن سے اس کے تعلقات کچھ بہتر ہوئے تھے، جب سے اس نے پارلر جوائن کیا تھا، اس میں بہت چینج آیا تھا، یہ چیز سب نے ہی محسوس کی تھی، عارش سے اس کی بات چیت ہونے لگی تھی، اپنے کاموں کے لیے وہ عارش کو بھی یاد کر لیا کرتی تھی، کبھی کبھی معمولی سی فرمائش بھی کر جاتی تھی، اس کی یہ فرمائش بس کھانے پینے کی چیزوں تک ہی محدود ہوتی تھی، مگر عارش کے لیے یہی بہت تھا کہ وہ اسے اتنی اہمیت تو دے رہی ہے، مگر اب وہ کسی طور یہ برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ خرمن کے لیے وہ پہلے کی طرح اجنبی اور ناگوار ہستی بن جائے، ایک چھت کے نیچے رہتے ہوئے وہ بہت عرصے تک اس کی لاتعلقی کو جھیلتا رہا تھا، لیکن اب وہ نہیں چاہتا تھا کہ سب کچھ پہلے جیسا ہو جائے، کم از کم اب جبکہ وہ سب کچھ جان چکی ہے، وہ نہیں چاہتا تھا کہ خرمن اور اس کے درمیان جو فاصلہ کچھ کم ہوا ہے، دوبارہ بڑھ کر پھیل جائے، وہ خرمن کا سامنا کرنا چاہ رہا تھا اس سے کھل کر بات بھی کرنا چاہتا تھا، مگر اس جرأت کے لیے عارش کو مہلت چاہیے تھی، اسی کشمکش میں جب اس کے پیپرز ختم ہوئے تو اس نے فی الوقت سر سے ہر بوجھ اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا تھا، اور پوری یکسوئی کے ساتھ اسٹڈیز میں مصروف ہو گیا تھا، پیپرز سے فراغت کے بعد اسے اور زیادہ مصروف ہو جانا تھا، لہٰذا اسے سب کچھ وقت پر چھوڑنا پڑا تھا، اس

دوران خرمن کی روٹین وہی تھی، گھر اور پارلر۔ عارش سے وہ بات بھی کرلیا کرتی تھی مگر ضرورت کے تحت برائے نام، اپنے رویے سے اس نے کچھ ظاہر نہیں کیا تھا، مگر عارش سے یہ کیسے چھپا رہ سکتا تھا کہ وہ محتاط ہوگئی ہے، بہت زیادہ۔

☆.....☆.....☆

''صبح سے رات ہوگئی ہے مگر اس لڑکے کی کچھ خبر نہیں، پہلے ہی حالات اتنے خراب ہیں''۔ ایک بار پھر کمرے میں آتیں فاطمہ غصے میں بول رہی تھیں۔

''تم ہی فون کرکے پتہ کرو کہاں ہے وہ؟'' انہوں نے خرمن کو گھر کا تھا۔

''وہ کال ریسیو نہیں کررہا، کتنی بار بتاؤں؟'' صوفے پر نیم دراز خرمن جھلا کر بولی تھی۔

''کیوں اتنا پریشان ہورہی ہو، ایک ادارہ شروع کررہا ہے وہ، یہ کام گھر میں بیٹھ کر نہیں ہوسکتا، وہ مصروف ہوگا اسی لیے کال ریسیو نہیں کررہا ہوگا، واپس گھر ہی آنا ہے اس نے''۔ خبریں دیکھتے احمد حسین کے انہماک میں بھی خلل ہورہا تھا جو وہ کچھ ناراضی سے فاطمہ کو خاموش کروا گئے تھے۔

صوفے پر ہی وہ اس وقت نیم غنودگی میں تھی جب باہر سے اسے آوازیں سنائی دی تھیں، اسکارف کو ٹھیک کرتی وہ خود بھی باہر آگئی تھی، اسے حیرانی ہوئی تھی کہ فاطمہ بھی گیٹ کے باہر تھیں، تیز قدموں کے ساتھ وہ خود بھی گیٹ کی سمت بڑھ گئی تھی، خوشگوار حیرت کے ساتھ خرمن نے اس چمکتی دمکتی سلور گرے سوک کو دیکھا تھا، جس کا جائزہ لیتے ہوئے احمد حسین، عثمان سے ہی محو گفتگو تھے۔

''آؤ خرمن! یہاں آکر دیکھو''۔ اس کی طرف متوجہ ہوتے احمد حسین نے اسے اپنی طرف بلایا تھا سو وہ فاطمہ سے الجھتے عارش کو ان کے حال پر چھوڑتی گاڑی کی طرف چلی گئی تھی۔

''میں تو سمجھا تھا کہ آپ خوش ہوں گی، مگر آپ تو میری خوشی پر بھی پانی پھیر رہی ہیں''۔ وہ شدید ناراضی سے بولا تھا۔

''میرے منع کرنے کے باوجود تم نے یہ کام کرہی لیا، پہلے ہی تم گاڑی ہوا میں اڑاتے ہو، اب اس ہاتھی کو بھی خرید لائے ہو اور میری جان عذاب میں ڈال دی ہے تم نے''۔ وہ شدید ناراضی کا اظہار کرتیں گھر کے اندر چلی گئی تھیں، جبکہ عارش نے زچ ہوکر احمد حسین کو دیکھا تھا۔

''گھر کی ضرورت کے لیے ایک کارآمد چیز ہے، مگر ان کو مجھ پر بھروسہ ہی نہیں ہے''۔ اس نے شکایت کی تھی۔

''تم جانتے ہو اس قسم کی سواریوں سے وہ کتنا گھبراتی ہیں اور پھر سواری بھی وہ جس کا کنٹرول تمہارے ہاتھ میں ہو''۔ احمد حسین کے مسکراتے لہجے پر وہ بس انہیں دیکھ کر رہ گیا تھا۔

''اور یہ کیا.... تم مٹھائی کے بغیر ہی آگئے ہو، میں تو خوش ہوں، خرمن کو بھی گاڑی بہت پسند آئی ہے، مٹھائی کے بغیر تو خوشی ہی ادھوری ہے''۔ ان کی شکایت اور اپنی بھول پر وہ شرمندہ ہوا تھا۔

''ٹھیک ہے پھر آپ بھی میرے ساتھ ابھی ڈرائیو پر چلیں، میں ابھی مٹھائی لینے جارہا ہوں''۔ عارش نے فوراً ہی کہا تھا۔

''میں اگر تمہارے ساتھ گیا تو تمہاری مامی کا غصہ کون ٹھنڈا کرے گا، خرمن کو ساتھ لے جاؤ، وہ تو پہلے ہی گاڑی میں بیٹھ چکی ہے''۔ احمد حسین نے مسکراتے ہوئے خرمن کو دیکھا تھا جو فرنٹ سیٹ پر ہی موجود تھی جبکہ ڈرائیونگ سیٹ پر موجود

عثمان اسے ساؤنڈ سسٹم چیک کروا رہا تھا۔

''چابی مجھے دو، میں ڈرائیو کرتا ہوں، تم چاہو تو پیچھے بیٹھ جاؤ''۔ مسکراہٹ چھپاتے ہوئے عثمان نے اس سے چابی مانگی تھی جو اس کے ڈرائیونگ سیٹ چھوڑنے کے انتظار میں تھا۔

''مجھے جہاں جانا ہے، خود چلا جاؤں گا، تم باہر نکلو''۔ خشمگیں نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے عارش نے اس کا کالر پکڑ کے باہر نکالا تھا مگر وہ بھی جان چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھا، وقت ضائع کیے بغیر بیک سیٹ پر قبضہ جمالیا تھا، اب عارش اسے وہاں سے نہیں نکال سکتا تھا، سچ تو یہ تھا کہ اس وقت وہ بہت خوش تھا، اس لیے کہ فرنٹ سیٹ پر وہ ہستی موجود تھی، جس کے لیے اس نے سوچ رکھا تھا کہ پہلی بار اس کی گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر براجمان ہونے کا حق صرف وہی رکھتی تھی۔

''تمہیں یہ پسند آئی؟'' اپنی خوشی چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے عارش نے بالآخر اسے مخاطب کرہی لیا تھا۔

''ہاں، مجھے یہ بہت پسند آئی ہے''۔ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ اتنا ہی بولی تھی۔

''بات سنو! اگر تم لوگ میرے بھائی کے لیے ہاں کردیتے تو میرا بھائی ایسی دس گاڑیاں تمہارے گھر کے سامنے کھڑی کردیتا، اس ایک گاڑی پر فخر کرنے کی ضرورت نہیں''۔ عثمان کا یہ اچانک طعنہ عارش کے دماغ پر جا کر لگا تھا۔

''وہ دس گاڑیاں تمہارے بھائی کو ہی مبارک ہوں، ہم اس ایک پر ہی اللہ کے شکر گزار ہیں''۔ خرمن نے فوراً ہی جواب دے کر عارش کو پرسکون کردیا تھا۔

''اچھا، ایک خوشخبری اور سن لو، برہان بھائی وہیں شادی کررہے ہیں''۔ عثمان کی اطلاع نے عارش کے ساتھ خرمن کو بھی چونکا دیا تھا۔

''واقعی.... کب کررہے ہیں شادی؟ انکل آنٹی نے اجازت دے دی ان کو شادی کی؟'' خوشگوار حیرت کے ساتھ خرمن نے پوچھا تھا۔

''کیسے اجازت نہیں دیں گے، یہاں ان کے لیے کوئی خاتون مل نہیں رہیں، لہٰذا انہوں نے کہہ دیا کہ وہ یہ کام وہیں خود سرانجام دے کر آئیں گے تو ولیمہ ان کا یہیں ہوگا، بس ان کے استقبال کی تیاریاں شروع ہونے والی ہیں''۔

''یہ تو بہت اچھی خبر دی ہے تم نے، شکر ہے ولیمہ ان کا یہیں ہوگا، کم از کم یہ تو دیکھ لیں گے کہ انہوں نے کس خوش نصیب کو اپنے لیے چنا ہے''۔ خرمن نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''وہ جو بھی ہوگی تم سے تو اچھی ہوگی، جل جاؤ گی دیکھ کر استانی صاحبہ!'' عثمان نے اسے چھیڑا تھا۔

''مجھ سے اچھی ہی نہیں لاکھ درجے اچھی ہوں گی وہ، برہان بھائی نے ایسے ہی نہیں اتنا بڑا فیصلہ کرلیا ہوگا اور میں کیوں جلنے لگی، خبردار جو تم نے مجھے بدنام کیا، میرے لیے تو یہ خوشی کی بات ہے''۔ خرمن نے مسکراتے ہوئے ہی کہا تھا۔

''تم خوش ہورہی ہو اور کچھ لوگوں کے دل تو خوشی سے اچھل رہے ہیں، لڈو پھوٹ رہے ہیں اندر ہی اندر''۔ ہنستے ہوئے عثمان نے بیک ویو مرر میں عارش کو دیکھا تھا جس کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوگئی تھی۔

☆.....☆.....☆

بیڈ پر آرام سے بیٹھتے ہوئے اس نے تکیہ اٹھا کر گود میں رکھ لیا تھا، جس وقت خرمن چائے کے ساتھ دیگر لوازمات ٹرالی میں سجائے کمرے میں داخل ہوئی وہ کمرے کا جائزہ لینے میں ہی مگن تھی۔

''خرمن! میں نے اچانک آ کر تمہیں بہت ڈسٹرب کیا ہے، تم پارلر جانے کے لیے بالکل ریڈی تھیں''۔ منیزہ نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا تھا۔

''ایسا بالکل نہیں، میں تو شکر ادا کر رہی ہوں کہ تم بروقت آ گئی ہو، ورنہ ہماری ملاقات نہ ہو پاتی، آج تو ویسے بھی مجھے دیر سے ہی جانا تھا، ویسے بھی عارش لیٹ ہو گیا ہے، جانا تو مجھے اسی کے ساتھ ہے''۔ تفصیلاً بولتے ہوئے خرمن نے چائے بھی سرو کرنی شروع کر دی تھی۔

''ملاقات کی بات تم نے خوب کی، مجھے لگ رہا ہے کہ ہماری اس ملاقات میں دیر ہو گئی، ایک گھنٹے میں ہی مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ ہماری دوستی سالوں پرانی ہے، پتہ نہیں ہمارے بڑوں نے اپنی ناچاقیاں ہم تک کیوں منتقل کیں؟'' منیزہ کچھ تاسف سے بولی تھی۔

''میں تمہاری بات سے اتفاق نہیں کروں گی اگر ہمارے بڑوں نے ایسا کیا ہوتا تو ہم یہاں ساتھ بیٹھ کر کپیں نہ مار رہے ہوتے''۔ خرمن نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''اور اتنا سب کچھ سامنے ہونے کے باوجود صرف چائے پر اکتفا نہ کر رہے ہوتے''۔ منیزہ کے جملے پر وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

''میں اس بات پر بالکل شرمندہ نہیں ہوں کہ مجھے پہلے کیک پیش کرنا چاہیے تھا''۔ خرمن کے برجستہ کہنے پر اس بار منیزہ ہنسی تھی تب ہی خرمن کے سیل فون پر کال آ گئی تھی۔

''بیلا کا فون ہے''۔ ڈریسنگ پر رکھا فون اٹھاتے ہوئے اس نے منیزہ کو اطلاع دی تھی، جو مسکراتے ہوئے اب خاموشی سے اسے ہی دیکھ رہی تھی، بلیو اور بلیک لائننگ کی شرٹ میں اس کا سراپا متناسب اور دلکش دکھائی دے رہا تھا، بلیو نیٹ کا ہی خوبصورت سا اسکارف اس کے چہرے کے گرد نفاست سے لپٹا ہوا تھا، سلیوز کلائیوں سے کچھ اوپر ہونے کی وجہ سے اس کے ہاتھ میں پھنسا سنہری کنگن جبکہ دوسرے ہاتھ میں بھری بلیو کلر کی ہی چوڑیاں بہت بھلی دکھائی دے رہی تھیں۔

''بھئی! تمہارے لیے دعوت نامہ آیا ہے بیلا کی طرف سے''۔ فون اپنے بیگ میں رکھتے ہوئے خرمن بول رہی تھی۔

''اگر ابھی تم میرے ساتھ ہی پارلر کا وزٹ کرتی ہو تو آج ہی وہاں تمہیں فری سروس دی جائے گی''۔

''ہائے خرمن! ایسا مذاق نہ کرو کہ میرا ہارٹ فیل ہو جائے''۔ منیزہ بے ہوش ہونے کو تھی، اسے دیکھتے ہوئے خرمن کی ہنسی بے ساختہ تھی تب ہی کمرے میں داخل ہوتے عارش کے لیے یہ منظر ناقابل یقین تھا، منیزہ کی موجودگی میں خرمن کے چہرے پر مسکراہٹ.... مگر یہ وہ حقیقت میں دیکھ رہا تھا۔

''آیئے جناب! آپ کا ہی انتظار تھا''۔ منیزہ خوشدلی سے مسکراتی بیڈ سے اتری تھی اور ہاتھ عارش کی سمت بڑھا دیا تھا۔

''آج تو بڑے بڑے لوگ ہمیں اعزاز بخشنے خود چلے آئے''۔ بڑی گرمجوشی سے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے عارش نے جتایا تھا جس پر بے ساختہ ہنستے ہوئے منیزہ نے فوراً ہی مزید اس کے قریب ہو کر اپنا سر ایک پل کے لیے اس کے سینے سے لگایا تھا، خرمن کے لیے یہ منظر حیران کن ضرور تھا مگر اسے شاک بالکل نہیں لگا تھا کیونکہ اسے یہ معلوم تھا کہ عارش اور منیزہ کتنے کلوز ہیں۔

''یہ لو میرے آنے کی خوشی میں کیک کھاؤ''۔ منیزہ نے فوراً ہی اپنی پلیٹ عارش کو تھمائی تھی۔

''تم اچانک آ گئی ہو، اباحضور سے اجازت لی تھی؟'' مسکراہٹ چھپاتے ہوئے اس نے منیزہ کو دیکھا تھا۔

''فضول باتیں کرو گے تو دوبارہ نہیں آؤں گی''۔ اس کے شانے پر ہاتھ برساتی وہ وارننگ دے رہی تھی۔

''تمہارے لیے چائے نکالوں؟'' خرمن نے سوالیہ نظروں سے عارش کو دیکھا تھا۔

''خرمن! ہمیں دیر ہو جائے گی، اس کی تو اضح بعد میں کر لینا''۔ منیزہ نے یاد دلایا تھا۔

''کہاں، جانے کے لیے دیر ہو رہی ہے؟'' عارش نے سوالیہ نظروں سے دونوں کو دیکھا تھا۔

''خرمن کو پارلر جانا ہے اور مجھے فری سروس لینے، جو کہ میں کسی حالت میں مس نہیں کر سکتی''۔ منیزہ بولی تھی۔

''ابھی تو میں آیا ہوں اور تم جانے کی بات کر رہی ہو؟'' عارش نے ناراضی سے اسے دیکھا تھا۔

''میری چائے ختم ہونے تک جتنی باتیں کرنی ہیں کر لو، جس دن میں تم سے ملنے آؤں گی پہلے کال کر کے کنفرم کر لوں گی کہ تم گھر پر ہو یا نہیں، آج تو میں بس خاص طور پر چچی جان اور خرمن سے ملنے آئی تھی''۔

''اب تو تم بھی پیپرز سے فارغ ہو، کیا کر رہی ہو آج کل؟'' سائیڈ ٹیبل کے کنارے ٹکی خرمن نے منیزہ سے سوال کیا تھا۔

''مکھیاں مارنے کے علاوہ اور کیا کر سکتی ہوں، اس عارش کے بچے نے میرے گھر میں سب کے کان بھر رکھے ہیں کوئی مجھے جاب کی اجازت ہی نہیں دے رہا''۔ خرمن کو بتاتے ہوئے اس نے عارش کو بھی گھورا تھا۔

''بس ایک ماہ اور مکھیاں مار لو، اس کے بعد انسٹیٹیوٹ میں ایڈمیشن شروع ہو رہے ہیں، سیدھی طرح وہاں آ جانا''۔ عارش کے لہجے میں تاکید کم دھمکی زیادہ تھی۔

''بھئی! مجھ سے نہیں ہو گا یہ خشک کام''۔ منیزہ جھنجھلائی تھی۔

''بہانے مت بناؤ میرے سامنے، اچھی خاصی کمپیوٹر ایکسپرٹ ہو، تمہیں تو کہیں بھی آسانی سے اچھی جاب مل سکتی ہے''۔ عارش نے اسے گھرکا تھا۔

''تو پھر کیوں میرے باپ بھائیوں کے برین واش کیے تم نے، اب تو میں ضرور جاب کے لیے اپلائی کروں گی''۔

''میرے انسٹیٹیوٹ کے علاوہ تم کہیں بھی گئیں، میں وہاں سے تمہیں نکلوا دوں گا''۔ عارش اطمینان سے بولا تھا۔

''یہ اچھی دھونس ہے تمہاری''۔ منیزہ کے حیران لہجے پر خرمن نے مسکراتے ہوئے چائے کا کپ عارش کی سمت بڑھا دیا تھا۔

''مان جاؤ منیزہ! ہو سکتا ہے تمہاری وجہ سے اسٹوڈنٹس کی لائن لگ جائے ورنہ ان سب کی رف اینڈ ٹف شکلیں دیکھ کر ایڈمیشن ختم کیا شروع بھی نہیں ہوں گے''۔ خرمن نے کہا تھا۔

''اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے انسٹیٹیوٹ کو کامیاب بنانے کے لیے مجھے استعمال کرنا چاہتے ہو؟'' منیزہ نے نخوت سے عارش کو دیکھا تھا۔

''بہت اچھی بات کی ہے تم نے، ایوارڈ کی حق دار ہو تم''۔ عارش کے خشمگیں لہجے پر منیزہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

''اچھا، اب تم جلدی اپنی چائے ختم کر کے باہر آؤ، ہم باہر انتظار کرتے ہیں، میری وجہ سے خرمن کو مزید دیر نہ

ہوجائے''۔ عارش کو تاکید کرتی منیزہ جانے کے لیے اٹھ گئی تھی، جبکہ سینڈلز کے اسٹریپ باندھ کر خرمن بیگ اور دوپٹہ سنبھالتی منیزہ کے ساتھ ہی کمرے سے نکل گئی تھی۔

وہ گھر سے باہر نکلا تھا کہ منیزہ کی چہکتی آواز نے اسے اپنی طرف متوجہ کرلیا تھا۔

''یہ میری آنکھیں کیا دیکھ رہی ہیں، ایک میان میں دو تلواریں''۔ منیزہ اور خرمن کو ایک ساتھ دیکھ کر اس پر حیرت کا دورہ پڑا تھا۔

''تم اتنے بن سنور کر کہاں جارہے ہو؟ یقیناً ڈیٹ پر جارہے ہو''۔ منیزہ نے مسکراتی نظروں سے اس کا جائزہ لیا تھا۔

''میں کہاں جاتا ہوں لوگ مجھے ہی لے جانے کے لیے بے قرار رہتے ہیں''۔ وہ فخر سے بولا تھا۔

''خوش فہمی میں ہی مرجائیں گے یہ''۔ خشمگیں لہجے میں بولتے ہوئے خرمن نے منیزہ سے کہا تھا۔

''تم کیوں بول رہی ہو درمیان میں؟ استاد کا بڑا احترام ہوتا ہے، مگر دل پر جبر کر کے مجھے یہ کام کرنا پڑتا ہے''۔ عثمان جل ہی تو گیا تھا، جبکہ منیزہ کی ہنسی بھرپور تھی۔

''تم اس گھر میں رہتے ہو؟'' ہنسی کے درمیان منیزہ نے سوال کیا تھا۔

''انسان کی اولاد ہوں، گھر میں ہی رہوں گا، استانی کے پنجروں میں ٹھکانہ نہیں میرا''۔ وہ فوراً ہی بولا تھا۔

''ٹھکانہ ہونا تو وہیں چاہیے تھا''۔ مسکراہٹ چھپاتے ہوئے خرمن پھر بولی تھی۔

''تم بس خوامخواہ مجھ سے الجھنے کی کوشش میں ہلکان ہوتی رہنا، کوئی فائدہ نہیں، میں اپنے دل کے دروازے تم پر بند کرچکا ہوں''۔ عثمان کے جتانے پر وہ مسکراہٹ نہیں چھپا سکی تھی۔

''تم کیوں ہنسے جارہی ہو، آجاؤ میرے گھر میں، سچ بول رہا ہوں، اندر کوئی بھی نہیں ہے''۔ وہ منیزہ پر انکشاف کررہا تھا۔

''عثمان.....!'' خرمن کے تیور بگڑے تھے۔

''فاتحہ پڑھ لو عثمان پر''۔ وہ بھی اسی کے انداز میں بولا تھا۔

''خرمن! یہ جو بول رہا ہے، بولنے دو، مجھے عادت ہے، یونیورسٹی میں اسے بھگتنا میرا معمول رہا ہے''۔ منیزہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''تو میرے علاوہ تھا کون یونیورسٹی میں جو تمہیں پوچھتا؟'' وہ منیزہ کو جتا رہا تھا۔

''اگر ایسا تھا بھی تو صرف تمہاری اور عارش کی وجہ سے تھا، تم دونوں تو میری ایک ایک حرکت پر نظر رکھتے تھے''۔ منیزہ نے بھی فوراً جتایا تھا۔

''گھر میں آکر جھگڑا کرلو، میں ایک ساتھ دو خواتین کے لیے اسکینڈل افورڈ نہیں کرسکتا''۔ عثمان نے خشمگیں لہجے میں منیزہ کو مخاطب کیا تھا۔

''ابھی تم اتنے مشہور نہیں ہوئے کہ تصویروں کے ساتھ تمہارے اسکینڈلز بھی میگزینز میں چھپ جائیں''۔ خرمن نے کوفت سے کہا تھا تب ہی عارش کی آواز پر وہ تینوں اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

''عثمان! میں بعد میں ضرور تمہارے گھر آؤں گی، ابھی تو مجھے اور خرمن کو بیلا کی طرف جانا ہے، جس نے خاص طور پر

مجھے بلایا ہے''۔

''میں بھی ساتھ چلوں گا''۔ منیزہ کی بات پوری سنے بغیر وہ ان دونوں سے پہلے عارش کی طرف بڑھ گیا تھا۔

''میں اسے ساتھ نہیں لے جاؤں گا، فاروق بھائی نے اگر اسے دیکھ لیا تو وہ یہی سمجھیں گے کہ میں بہانے سے اسے وہاں لے گئی ہوں''۔ خرمن ناگواری کے ساتھ عارش سے مخاطب تھی جبکہ عثمان فرنٹ سیٹ سے اترنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

''مجھے اور عثمان کو ساتھ ہی انسٹیٹیوٹ جاکر کام مکمل کروانا ہے، ہم گھر کے اندر نہیں جائیں گے، اب تم بیٹھ جاؤ''۔ عثمان کی ڈھٹائی پر عارش کو التجاء کرنی پڑی تھی۔

''مگر میں بیلا کو ایک نظر دیکھوں گا ضرور، بہت دن سے نہیں دیکھا، دل بند ہورہا ہے''۔ بڑی مسکینیت کے ساتھ عثمان نے عارش کو بھی دیکھا تھا جو بس دیکھ کر رہ گیا تھا اس کی فنکاری۔

''خرمن! رحم کرلو بے چارے پر، لے چلو ساتھ''۔ بیک سیٹ پر موجود منیزہ نے بھی کہا تھا۔

''یہ بے چارہ پوری دنیا کو چارہ ڈالتا ہے''۔ کھا جانے والی نظروں سے عثمان کو دیکھتی وہ منیزہ کے ساتھ جا بیٹھی تھی۔

☆.....☆.....☆

کچھ آوازوں نے اسے گہری نیند سے یکدم بیدار کر ڈالا تھا، بمشکل آنکھیں کھلی رکھتی وہ وال کلاک کی سمت متوجہ ہوئی تھی، صبح کے چار بجنے والے تھے، اٹھ کر بیٹھتے ہوئے وہ کچھ تشویش میں مبتلا ہوئی تھی کہ باہر سے آتی آوازوں میں فاران کی آواز سب سے نمایاں تھی جو کل سے عثمان کی طرف تھا، ابھی وہ بیڈ سے اترنے کا ارادہ کررہی تھی جب کسی نے اس کے کمرے کا دروازہ تھپتھپایا تھا، حیران پریشان ہوتی وہ کمرے سے باہر نکلی تھی اور اگلے ہی پل زبردست طریقے سے دنگ ہوگئی تھی، اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا تھا، عثمان کے چہرے نے اسے وہم میں مبتلا نہیں کیا تھا مگر اس کے ساتھ موجود شخص نے اسے ہیپناٹائز ضرور کردیا تھا، وہ خواب نہیں دیکھ رہی تھی عروسہ حقیقت میں ہی برہان کے سینے سے لگی ہوئی تھیں۔

''آجاؤ، جلدی آجاؤ، وہاں کیوں رکی ہو؟'' برہان نے مسکراتی نظروں سے اس کے ہونق تاثرات کو دیکھا تھا جو منہ پر ہاتھ رکھے اب خوشگوار حیرت سے اسے دیکھتی قریب آگئی تھی۔

''یہ چار سال بعد بھی مجھے ویسی ہی دکھائی دے رہی ہے جیسی میں اسے چھوڑ کر یہاں سے گیا تھا''۔ بیلا کو ساتھ لگاتے ہوئے وہ فاروق سے مخاطب تھا۔

''تم مجھے یہ بتاؤ آنے سے پہلے خبر کیوں نہیں دی؟ کیا سوچ رہی ہوگی انیقہ، ہم میں سے کوئی اسے ایئرپورٹ ریسیو کرنے بھی نہیں گیا، تم اسے ساتھ لائے بھی ہو یا نہیں؟'' رونا دھونا بھول کر عروسہ اب ہول کر سوال پر سوال شروع کرگئی تھیں۔

''اسے بیٹھنے تو دو پہلے، یہیں ساری باتیں کروگی کیا؟'' فاروق نے درمیان میں انہیں روکا تھا۔

''ماموں! آپ کو اچانک دیکھ کر میری کاد ماغ کام کرنا بھول گیا ہے، آپ آئیں''۔ فاران نے فوراً ہی برہان کا بازو پکڑا تھا اور لاؤنج کی راہ لی تھی۔

''میں تو کچھ نہیں چھپا رہا تھا مگر بھائی نے کہا تھا کہ وہ اچانک آ کر آپ سب کو سرپرائز دینا چاہتے ہیں، صرف بچے اور فاران کو معلوم تھا کہ یہ آج رات کی فلائٹ سے آ رہے ہیں، بس ہم نے انیقہ بھابی کو گھر پر چھوڑا ہے اور بھائی کے ساتھ یہاں آ گئے''۔ عثمان نے عروسہ کو تفصیل بتائی تھی۔

''آپی! اب آپ فوراً اپنا اور سب کا سامان پیک کریں، ابھی آپ سب میرے ساتھ گھر چلیں گے، جب تک میں یہاں ہوں آپ سب امی کی طرف ہی رکیں گے''۔ برہان نے قطعی انداز میں فیصلہ سنایا تھا۔

''فاروق بھائی! بیلا کو بھی میں ساتھ لے جاؤں گا، آپ کی اجازت ہے؟'' برہان نے بطور خاص بیلا کا نام لیا تھا۔

''ہاں ضرور، کیوں نہیں''۔ ایک نظر بیلا کو دیکھ کر فاروق نے جواب دیا تھا، بیلا کو ان سے اس جواب کی توقع نہیں تھی مگر اسے یہ معلوم تھا کہ فاروق کبھی برہان کی بات نہیں ٹالیں گے، عثمان کے مقابلے میں برہان کے لیے وہ بہت مہربان رہے تھے ہمیشہ۔

سکون کی سانس لے کر بیلا نے سب کی نظروں سے بچتے ہوئے عثمان کو دیکھا تھا، جو سنجیدہ تاثرات چہرے پر غالباً فاروق کی وجہ سے سجائے کن انکھیوں سے بیلا کی طرف ہی متوجہ تھا، اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ عثمان نے پلکیں جھپکائی تھیں، جس پر کھل کر مسکراتی وہ برہان کی طرف متوجہ ہو گئی تھی جو فاروق اور عروسہ سے محو گفتگو تھا۔

برہان اور اس کی بیوی کی آمد کے بعد گھر میں ان سے ملنے کے لیے آنے والوں کا سلسلہ بڑھتا جا رہا تھا اور پھر ولیمے کے انتظامات نے بھی مصروفیات بڑھا دی تھیں، عثمان کو موقع ہی نہیں مل رہا تھا برہان سے اپنے اور بیلا کے بارے میں بات کرنے کا، بلکہ اپنے ہی گھر میں اسے بیلا کی موجودگی کا پتہ بھی نہیں چل رہا تھا، مہمانوں کے درمیان وہ گھن چکر بنی ہوئی تھی۔

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ برہان بھائی اتنے سوشل ہوں گے، تمہارا وسیع خاندان کیا کم تھا جو انہوں نے ڈھیر سارے دوستوں کی بھی لائن لگا لی ہے، اوپر سے تم بھی مجھے یہاں لا کر بھول گئے ہو''۔ اس وقت بھی کچن میں مصروف بیلا اس پر برس پڑی تھی جسے دیکھنے کی فرصت بھی اسے نہیں مل رہی تھی۔

''میں موقع ڈھونڈ تو رہا ہوں، مگر تم دیکھ رہی ہو کہ برہان بھائی کو خود وقت نہیں مل رہا، تنہائی مل نہیں رہی اور سب کے سامنے میں انہیں وہ مقصد یاد نہیں دلا سکتا جس کے لیے ہم ان کے منتظر تھے''۔ عثمان بھی پریشان حال تھا۔

''ایک ایک دن قیمتی ہے، برہان بھائی کو واپس بھی جانا ہے، بھائی کو راضی کرنے کے لیے چند دن کافی نہیں ہوں گے''۔ بیلا کا لہجہ مضطرب تھا جبکہ عثمان کچھ کہتے کہتے رک کر کچن میں آتی خرمن کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''بیلا ٹھیک کہہ رہی ہے عثمان! یہی موقع اچھا ہے فاروق بھائی سے بات کرنے کا، اب انکار کی کوئی وجہ ان کے پاس نہیں ہے، تم ایک ادارہ شروع کر چکے ہو، عنقریب کوئی اچھی جاب بھی تمہیں مل جائے گی، یہ بہت اچھا ہوگا اگر برہان بھائی تمہاری اور بیلا کی انگیجمنٹ کروا کر یہاں سے جائیں''۔ خرمن نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

''تم ایسا کرواؤ پر جاؤ، عارش کو بھی وہیں بلا لو، میں برہان بھائی کو اس بہانے سے سب کے درمیان سے نکال کر لاتی ہوں کہ تم دونوں نے اپنے انسٹیٹیوٹ سے متعلق کوئی ضروری بات کرنی ہے، جاؤ اب دیر مت کرو''۔ خرمن کی عجلت پر وہ

ہلاتا کچن سے نکل گیا تھا۔

''میرا تو یہ خیال ہے کہ تمہیں ان کے ولیمے کی تقریب تک صبر کرنا چاہیے''۔ باؤنڈری کے دوسری جانب موجود عارش نے پرسوچ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''یعنی تمہیں بھی کسی اچھی امید کے آثار نظر نہیں آتے؟'' گہری سانس لے کر عثمان نے کہا تھا۔

''مجھے بھی سے مطلب؟'' عارش نے پوچھا تھا۔

''آپی بھی تمہاری ہم خیال ہیں''۔ عثمان بولا تھا۔

''بات امید کی نہیں موقع کی نزاکت کی ہے، فاروق بھائی کی نیچر سے تم واقف ہو اور کوئی بھی یہ نہیں چاہے گا کہ خوشی کی ایک تقریب بدمزگی کی نظر ہو جائے''۔ بولتے ہوئے عارش اس جانب متوجہ ہوا تھا جہاں سے وہ برہان کے ہمراہ آ رہی تھی، پتہ نہیں کیوں ناگواری کی ایک لہر عارش کی رگوں میں دوڑی تھی، حالانکہ اب ایسا ہونا نہیں چاہیے تھا مگر یہ جذبات بھی عجیب منطق رکھتے ہیں، جس ہستی پر نچھاور ہو جاتے ہیں اسے پھر دنیا کی نظروں سے چھپائے رکھنے کے لیے مچلتے رہتے ہیں۔

''یہاں تو موسم بہت خوشگوار ہو رہا ہے، مگر یہ دو ہینڈسم بندے اتنے سنجیدہ کیوں نظر آ رہے ہیں؟'' برہان نے مسکراتی نظروں سے ان دونوں کو دیکھا تھا۔

''کیونکہ ان دو بندوں کو اپنے ولیمے کے آثار دور دور تک دکھائی نہیں دے رہے''۔ خرمن کے فوراً ہی کہنے پر برہان نے ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے عثمان کے سنجیدہ چہرے کو دیکھا تھا۔

''میں خوامخواہ لپیٹ میں آ رہا ہوں، مگر آپ کو عثمان کے لیے سنجیدہ ہو جانا چاہیے''۔ عارش کے مسکراتے لہجے پر عثمان بس اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

''بالکل، آپ صرف یہاں شادی کی رسمیں مکمل کرنے نہیں آئے''۔ خرمن نے بھی فوراً کہا تھا۔

''ہاں، میں جانتا ہوں یہاں آنے کا اہم مقصد میں نے کل ہی فاروق بھائی سے کہا تھا کہ مجھے ان سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں، اس سلسلے میں ان سے بات ان کے گھر پر ہی کروں گا''۔ سنجیدہ ہوتے ہوئے برہان نے کہا تھا۔

''آپ کو کیا لگتا ہے، وہ مان جائیں گے؟'' عثمان کا لہجہ متفکر سا تھا۔

''مجھے امید ہے کہ میں ان کو قائل کر لوں گا، مگر تم اس طرح پریشان کیوں نظر آ رہے ہو، اللہ پر بھروسہ رکھو''۔

''میں صرف ایک اسی وجہ سے پریشان نہیں ہوں''۔ باؤنڈری سے پشت لگاتے ہوئے اس نے کچھ ناراضی سے برہان کو دیکھا تھا۔

''کچھ عرصے کی تو بات ہے یار! میں ہمیشہ کے لیے تو امی، ابو کو اپنے ساتھ نہیں لے جا رہا''۔ برہان کے زچ ہونے پر خرمن چونکی تھی۔

''آپ انکل، آنٹی کو اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں، عثمان ان کے بغیر یہاں تنہا کیسے رہے گا؟''

(جاری ہے.....)

☆.....☆.....☆

شفق اقبال

افسانہ

اب خوشبو بکھرنے کو ہے

''خوشبو.....! کہاں مرگئی، کب سے کالج سے آئی ہوئی ہے، لیکن مجال ہے جو بغیر بلائے اپنے کمرے سے باہر آجائے''۔ رخسانہ بیگم کچن سے ہی چیخ چیخ کر اسے ڈانٹ رہی تھیں۔

''جی امی!'' خوشبو ڈرتے ڈرتے کچن میں داخل ہوئی تھی۔

''کیا کررہی تھی تُو اتنی دیر سے؟ اور یہ کیا.....ابھی تک چینج بھی نہیں کیا؟'' رخسانہ بیگم نے اسے کالج کے یونیفارم میں دیکھ کر ایک بار پھر سے لتاڑا۔

''وہ.....میں ہاتھ منہ دھورہی تھی''۔ خوشبو نے جواب دیا، اس کی آواز میں لڑکھڑاہٹ تھی۔

''ہاتھ منہ دھوکر تُو کون سی حور پری بن جاتی ہے، وہی منحوس شکل ہے تیری، جا، جاکے اپنے کپڑے بدل کے آ، ڈھیر سارے برتن رکھے ہیں دھونے کے لیے، پتہ نہیں اس کے آرام کرنے کی عادت کب جائے گی، بس چلے تو مہارانی پلنگ سے بھی اترنے کی زحمت نہ کرے''۔ رخسانہ بیگم گندے برتن سمیٹ کر سنک میں رکھ رہی تھیں، ساتھ ہی ان کی بڑبڑاہٹ حسب معمول جاری وساری تھی، خوشبو کی آنکھوں میں آنسو آچکے تھے، اس نے اندر ہی اندر جذب کرلیا تھا، اس سے پہلے کہ رخسانہ بیگم دوبارہ کوئی طوفان برپا کرتیں، وہ بے جان قدموں سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

☆.....☆.....☆

شایان خوشبو کو ڈھونڈتا ہوا کینٹین کی طرف آیا، تو روسہ اور نگہت سامنے والی ٹیبل پر نظر آئیں، وہ بھی وہیں چلا آیا، بلال بھی وہیں موجود تھا۔

''یار! تم لوگوں نے خوشبو کو کہیں دیکھا ہے؟ صبح سے نہیں مل رہی''۔

''آئی ڈونٹ نو یار! میں نے بھی ابھی تک اسے نہیں دیکھا، سر تقی کی کلاس میں بھی نہیں تھی''۔ بلال نے سینڈوچ کا ایک پیس منہ میں لیتے ہوئے کہا تھا، روسہ اور نگہت بھی شایان ہی کی طرف متوجہ تھیں۔

''اب اسے ڈھونڈنے کہاں جارہے ہو، یہیں بیٹھ جاؤ ہمارے ساتھ، اگلی کلاس انگلش کی ہے، ہوسکتا ہے وہیں مل جائے''۔ شایان خوشبو کو ڈھونڈنے کی خاطر ادھر ادھر نظریں دوڑا کر جانے لگا تو نگہت نے اسے وہیں بٹھالیا۔

''ہاں تو بھئی بلال! تم کب ہم سب کو آئسکریم کھلانے لے جارہے ہو؟'' شایان کے بیٹھتے ہی روسہ پھر سے بلال سے مخاطب ہوئی۔

''اگلے مہینے کی بتیس تاریخ کو''۔ بلال نے شکل کو اس طرح بگاڑتے ہوئے کہا کہ سب اس کی بگڑی شکل اور

روانی سے بولنے پر زور سے ہنسنے لگے۔

☆.....☆.....☆

خوشبو کی زندگی کا برا دور اس وقت شروع ہوا جب اس کی ماں یعنی رضیہ بانو اس دنیا فانی سے کوچ کر گئیں، اس وقت وہ تقریباً دو برس کی تھی، ابھی ان کی وفات کو ایک سال کا عرصہ بھی نہ گزرا تھا کہ طفیل احمد نے دوسری شادی کر لی، سوتیلی ماں نے شوہر کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے خوشبو کی بہت خوب دیکھ بھال کی، اور اس میں کامیاب بھی ہو گئیں، لیکن وقت گزرتا گیا، طفیل احمد کی ذمے داریاں بڑھتی رہیں، اور رخسانہ بیگم نے مکمل طور پر سوتیلی ماں کا روپ اختیار کر لیا، پندرہ سالوں میں طفیل احمد کو مزید ایک بیٹی کی خوشی نصیب ہوئی، مگر انہی پندرہ سالوں میں رخسانہ بیگم کے ترش رویے نے خوشبو کے اندر خود اعتمادی کا عنصر ختم کر دیا، وہ بات بات پر ڈرتی، سہم جاتی، اور اگر رخسانہ بیگم روبرو ہو کر اسے لتاڑتیں، تو وہ اندر تک لرز جاتی، رخسانہ بیگم ہر روز کسی نہ کسی بات پر ہنگامہ کھڑا کیے رکھتیں، وہ سارا سارا دن ان کی کڑوی کسیلی باتیں سنتی، کبھی کبھی رخسانہ بیگم کی طرف سے ایک دو تھپڑ بھی رسید کر دیے جاتے، خوشبو ہر روز سونے سے پہلے اپنا محاسبہ کرتی کہ آخر اس سے کب کہاں اور کون سی غلطی سرزد ہوئی ہے؟ جس کی سزا اسے سوتیلی ماں کی صورت میں ملی۔

☆.....☆.....☆

خوشبو جانے کے لیے اٹھی تو شایان بھی اٹھ کھڑا ہوا، اور اسے روکنا چاہا۔

''خوشبو! کہاں اتنی دیر ہوئی ہے، تھوڑی دیر تو رک جاؤ''۔

''نہیں شایان! بہت دیر ہو جائے گی، اگر گھر لیٹ پہنچی تو امی سخت ناراض ہوں گی''۔

''او کے صرف پانچ منٹ رک جاؤ پلیز''۔ شایان نے التجائیہ کہا، تو وہ پھر سے چیئر پر بیٹھ گئی، وہ بھی اس کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا، پنک کلر کے سوٹ میں بالوں کو چھوٹے سے کیچر میں قید کیے وہ اسے بہت حسین لگ رہی تھی، دو نازک سے کڑے اس کے ہاتھوں کو خوبصورتی بخش رہے تھے، وہ دونوں ایک چھوٹے سے ہوٹل میں چائے پینے کی غرض سے آئے تھے، خوشبو نے چہرہ اپنی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھا ہوا تھا۔

''ہاں بولو!''۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی، شایان نے ایک مسکراتی نظر اس پر ڈال کر اپنی جیب سے ایک گفٹ نکالا اور اس کی طرف بڑھا دیا۔

''یہ کیا ہے؟'' خوشبو کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی تھی۔

''تمہارے لیے''۔

''کس خوشی میں؟''

''آں....! خوشی میں نہیں غم میں''۔ خوشبو متجسس نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

''ہاں! دراصل یہ ہمارا آخری سیمسٹر ہے، تمہیں آگے پڑھنے کی پرمیشن نہیں''۔ شایان اب کرسی سے ٹیک لگا چکا تھا۔

''اس لیے میں سوچ رہا ہوں کہ ہم ملیں گے کس طرح، سو میں نے تمہیں سیل فون گفٹ کر دیا، تاکہ ہم باتیں کر سکیں''۔ شایان نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا تھا، خوشبو نے گفٹ پیپر کھولا تو ایک بہت ہی خوبصورت سا سیل فون نظر آیا، وہ بے اختیار مسکرا دی، لیکن پھر اچانک سے اس کے ذہن میں رخسانہ بیگم کا خیال آیا۔

''لیکن اگر امی کو پتہ چل گیا؟'' خوشبو نے شایان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''بیوقوف..... تمہیں کسی کو بتانے یا دکھانے کی ضرورت کیا ہے''۔ اس کے کہنے پر خوشبو پرسکون ہو گئی، مگر جب اس کی نظر شایان کے دائیں ہاتھ میں بندھی ریسٹ

واچ پر پڑی تو وہ ایک دم سے بوکھلاتی ہوئی کھڑی ہوئی۔

''شایان! بہت دیر ہو گئی ہے، اب مجھے جانے دو پلیز''۔

''او کے، او کے سنو! اس موبائل میں سم بھی ہے، میں رات میں کال کروں گا''۔ خوشبو دو قدم آگے بڑھی کہ شایان نے اسے رات میں کال کرنے کا کہا۔

''او کے گڈ بائے!'' خوشبو عجلت میں کہتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

☆.....☆.....☆

خوشبو کو کوششوں کے باوجود اپنی اسٹڈیز جاری رکھنے کی پرمیشن نہیں ملی، جس کی بنیادی وجہ رخسانہ بیگم تھیں، گریجویشن کے فوراً بعد ہی رخسانہ بیگم نے کچن کی ساری ذمے داری اس پر ڈال دی، وہ صبح جو کچن میں جاتی، تو رات میں ہی اسے اپنے کمرے میں آنے کی فرصت ملتی۔ کچن کے کاموں سے فارغ ہو کر وہ اپنے کمرے میں آئی، دروازہ بند کرتے ہوئے وال کلاک پر نظر ڈالی، تو گھڑی کی سوئیاں بارہ بجنے کا اشارہ دے رہی تھیں۔

''آج تو بہت دیر ہو گئی ہے''۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا اور خاموشی سے الماری کا دروازہ کھول کر تہہ لگے ہوئے کپڑوں کے درمیان سے سیل فون نکالا اور بہت آہستگی سے الماری کا دروازہ بند کیا، وہیں کھڑے ہو کر سیل فون آن کیا تو لگاتار تین میسجز ریسیو ڈ لکھا اسکرین پر نظر آیا، چیک کیا تو تینوں ہی بلینک تھے۔

''Reply کروں یا نہیں؟'' اس نے دائیں ہاتھ سے بہت سی الجھی ہوئی لٹوں کو کان کے پیچھے کیا، وہ کچھ دیر یہی سوچتی رہی اور پھر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایک بلینک میسج کیا، چند منٹ بعد ہی شایان نے کال بیک کی۔

''ہیلو! آئی ایم سوری، آج بہت لیٹ ہو گئی''۔ خوشبو نے کال ریسیو کر کے شایان کے کہنے سے پہلے ہی سوری کہا۔

''اٹس او کے یار! اس میں گھبرانے والی کیا بات ہے؟''

''ہاں! لیکن مجھے لگا کہ تم سو گئے ہو گے''۔ وہ اب بیڈ سے ٹیک لگا کر ایزی ہو کر بیٹھ گئی تھی۔

''میں تم سے بات کیے بغیر سو سکتا ہوں؟ تمہاری آواز سنے بغیر مجھے نیند کہاں آتی ہے''۔ شایان کی باتیں سن کر اسے لگا جیسے پورے دن کی تھکان ایک پل میں ہی ختم ہو گئی ہو، وہ پھر سے کہیں کھو گئی تھی اور یہ روز کی ہی بات تھی، جب بھی وہ اپنی محبت کو لفظوں میں ڈھالتا، خوشبو گم صم سی ہو جاتی اور اسے اپنے وجود میں زندگی کی لہر دوڑتی محسوس ہوتی۔

☆.....☆.....☆

''خوشبو! اپنا خیال رکھا کرو بیٹا! کیا حلیہ بنا رکھا ہے تم نے اپنا''۔

''جی ابو!'' خوشبو اتنا ہی کہہ کر خاموش ہو گئی، رات کے وقت جب سب اپنے کمرے میں سو رہے تھے اور وہ کچن کے کاموں سے فارغ ہو کر اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی، تب ہی طفیل احمد کسی کام سے کچن کی طرف آئے تھے، اور وہیں انہوں نے بیٹی کو دیکھا تھا، ملگجے لباس، سرخ آنکھوں کے نیچے گہرے حلقے، مسٹرڈ کلر کے سوٹ میں دوپٹہ سر تک اوڑھے وہ ان کے سامنے نگاہیں جھکائے کھڑی تھی، طفیل احمد کو خوشبو کی طرف سے اپنی لاپرواہی پر احساس جرم ہونے لگا۔

''جاؤ بیٹا! سو جاؤ''۔ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا، سالوں بعد ان کی اتنی سی شفقت پر خوشبو کی آنکھیں بھر آئی تھیں، سامنے کا منظر دھندلا ہو گیا تھا، اور وہ تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی کہ کہیں باپ کی محبت پر اس کی آنکھیں ضبط کا بندھن نہ توڑ دیں۔

☆.....☆.....☆

رات کے اس پہر سب ہی سو رہے تھے، مگر اسے نیند نہیں آ رہی تھی، وہ کب سے بیڈ پر ٹیک لگائے فون پر باتیں کرنے میں مصروف تھی۔

''خوشبو! جب سے کالج ختم ہوا ہے، ہم ایک بار بھی نہیں ملے، تمہیں دیکھنے کا بہت دل چاہ رہا ہے''۔ خوشبو نے شایان کی آواز میں ایک عجیب سی کیفیت محسوس کی تھی، اور پھر خود کی بے چینی پر ضبط کرتے ہوئے بولی۔

''تم جب بھی مجھے دیکھنا چاہو اپنی آنکھیں بند کر لینا، میں تمہیں نظر آؤں گی''۔ اس کے گھر سے نکلنے پر رخسانہ بیگم کی طرف سے پابندی تھی، مگر اس نے کبھی بھی کھلے لفظوں میں اسے یہ نہیں بتایا تھا۔

''اگر تمہیں دیکھنے کی یہی شرط ہے کہ میں اپنی آنکھیں بند کر لوں تو میری خواہش ہے کہ میری آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند ہو جائیں اور میں تمہیں دیکھتا رہوں''۔ شایان کے لہجے میں بلا کی سنجیدگی تھی، خوشبو کو لگا جیسے اس کے دل کی دھڑکنیں بند ہو گئی ہوں۔

''پھر کبھی ایسا مت کہنا''۔ خوشبو نے اسے مزید کچھ کہنے سے روک دیا تھا۔

''مجھ میں تمہیں کھونے کا حوصلہ نہیں''۔ خوشبو کی آواز بھرا گئی تھی، ایک ایسا درد تھا جسے شایان با آسانی محسوس کر رہا تھا، اس نے بچپن سے ہی ڈانٹ پھٹکار اور نفرت کے سوا کچھ نہ دیکھا تھا، اس لیے شایان کی محبت اس کے لیے انمول تحفہ تھی۔

☆.....☆.....☆

''اوہ ہو بھئی! آج کیسے فون کر لیا، مجھے تو لگا کہ کالج کے بعد تم مجھے بھول ہی گئیں''۔ روسہ کا انداز پرجوش ہوا تھا، اتنے دنوں کے بعد خوشبو نے خود اسے فون کیا تھا، اس لیے وہ حیران بھی تھی اور خوش بھی۔

''بھولی نہیں تھی، بس مصروف تھی''۔ خوشبو نے سامنے والے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ہاں! مجھے تمہاری مصروفیت کا اندازہ ہے، ویسے پھر بھی تمہیں فرصت مل کیسے گئی؟'' روسہ مذاق میں ہی تشویش کا اظہار کرنے لگی۔

''آج سب اشمل کے سسرال گئے ہوئے ہیں، اس لیے تھوڑا وقت مل گیا، سوچا تمہیں فون کر لوں''۔ خوشبو نے مسکراتے ہوئے تفصیل بتائی۔

''اشمل بھی گئی ہے؟''

''ہاں! وہ بھی گئی ہے''۔ خوشبو نے لب بھینچتے ہوئے کہا اور پھر خاموش ہو گئی، روسہ نے بھی اس سے زیادہ کچھ پوچھا نہیں اور پھر وہ دونوں کافی دیر تک باتیں کرتے رہے۔

☆.....☆.....☆

''یہ تو بہت خوبصورت رنگ (انگوٹھی) ہے لگتا ہے گولڈ کی ہے''۔ خوشبو کچن میں آئی تو نظر چولہے کی سائیڈ پر رکھی ہوئی ایک خوبصورت سی رنگ پر پڑی، ابھی وہ اسے دیکھ ہی رہی تھی کہ رخسانہ بیگم کچن میں داخل ہوئیں اور انہوں نے وہ رنگ خوشبو کے ہاتھ میں دیکھ لی۔

''یہ انگوٹھی..... یہ..... یہ تیرے پاس کہاں سے آئی؟ یہ تو اشمل کی ہے، صبح سے وہ اسے ڈھونڈ رہی ہے، ضرور تُو نے اس کے کمرے سے چرائی ہو گی، تجھے شرم نہیں آئی اس گھر کی چیزیں چوری کرتے ہوئے؟'' رخسانہ بیگم کا ہاتھ اٹھا اور خوشبو کے رخسار پر نشان چھوڑ گیا۔

''مجھے تو پہلے ہی شک تھا تجھ پر، آج میں نے تجھے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا، رخسانہ بیگم اس کے بالوں کو اپنی مٹھی میں جکڑے ہوئے تھیں۔

''نہیں امی! میں نے کچھ نہیں کیا، میں سچ کہہ رہی ہوں''۔ خوشبو، رخسانہ بیگم کی مٹھی سے اپنے بالوں کو چھڑانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

''امی! مجھے یاد آ گیا، میں نے اپنی رنگ کل رات کو کچن میں رکھی تھی''۔ کچن کے باہر سے اشمل کی آواز آئی تھی، اور وہ خود جب کچن میں داخل ہوئی تو رخسانہ بیگم کے اس رویے کو دیکھ کر ٹھٹھک کر رہ گئی۔

''امی! میں نے ہی یہاں اپنی رنگ رکھی تھی''۔ اشمل نے تحمل سے کام لیا تھا، جبکہ رخسانہ بیگم نے ایک جھٹکے سے خوشبو کے بالوں کو چھوڑا تھا، خوشبو کی ہچکیاں بندھ چکی تھیں، جبکہ رخسانہ بیگم اشمل کو لے کر وہاں سے جا چکی تھیں۔

☆.....☆.....☆

بخار سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا، پوری رات اضطرابی کیفیت میں گزری تھی، بخار کی شدت سے آنکھیں کھولی نہیں جا رہی تھیں، لیکن رخسانہ بیگم کے خوف سے اس نے بیڈ سے اٹھنے کی سعی کی اور کمرے سے باہر آ گئی، اسے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے اب وہ زمین پر گر پڑے گی، بمشکل اس نے خود کو سنبھالا تھا، وہ دیواروں کا سہارا لے کر ابھی پہلی سیڑھی تک آئی تھی کہ نیچے سیڑھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا، اس نے جیسے ہی اپنا پہلا قدم سیڑھی پر رکھا، اس کا پاؤں پھسل گیا اور وہ پہلی سیڑھی سے پھسلتی ہوئی آخری سیڑھی پر آ گری۔

☆.....☆.....☆

سید جبران مصطفیٰ اسپتال کے کمرے میں داخل ہوئے تھے، وہ بیڈ پر آنکھیں موندے لیٹی تھی، سر پر زیادہ چوٹ آنے کی وجہ سے بینڈیج کیا ہوا تھا۔

''خوشبو! آنکھیں کھولو بیٹا! دیکھو کون آیا ہے؟'' طفیل احمد خوشبو کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہہ رہے تھے، وہ اس کے سرہانے ہی کھڑے تھے، خوشبو نے آنکھیں کھولیں تو سامنے ایک اجنبی شخص کو پایا، وہ انہیں اس طرح دیکھنے لگی جیسے انہیں پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔

''خوشبو بیٹا! یہ تمہارے نانا ہیں، تم سے ملنے آئے ہیں''۔ طفیل احمد نے پھیکی سی مسکراہٹ چہرے پر لاتے ہوئے کہا تھا، خوشبو نے سر کے اشارے سے انہیں سلام کیا، انہوں نے بھی جواب میں سر ہلایا اور بیڈ کے سامنے رکھی ہوئی کرسی پر آ کر بیٹھ گئے، وہ تھری پیس میں ملبوس ایک بہت ہی بارعب شخصیت کے مالک لگ رہے تھے، خوشبو کی نگاہیں انہی پر جمی ہوئی تھیں۔

''میں جانتا ہوں بیٹا! کہ میں تمہارے لیے اجنبی ہوں، میں نے اپنی بیٹی کے جانے کے بعد کبھی پلٹ کر تمہیں نہیں دیکھا، میں اس کے لیے شرمندہ ہوں''۔ جبران مصطفیٰ کی باتوں میں ٹھہراؤ تھا، وہ بہت محتاط ہو کر بول رہے تھے۔

''میرے دل میں اپنی بیٹی کی موت کا جو دکھ تھا، آج تمہیں دیکھ کر کچھ کم ہو گیا ہے''۔ خوشبو کو ان کے چہرے پر شرمندگی صاف نظر آ رہی تھی، ڈاکٹر نے اسے بیڈ پر سے اٹھنے کے لیے منع کیا تھا، اس لیے وہ لیٹی ہوئی تھی۔ جبران مصطفیٰ کی باتوں میں ایک اپنائیت تھی، جسے وہ محسوس کر رہی تھی سو وہ خاموشی سے ان پر نگاہیں جمائے ان کی باتیں سن رہی تھی جبکہ طفیل احمد اس کے سرہانے کھڑے تھے۔

☆.....☆.....☆

''خوشبو کے نانا اسپتال آئے تھے، وہ اسے کچھ دنوں کے لیے اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں''۔ طفیل احمد نے کسی گہری سوچ سے نکل کر رخسانہ بیگم کو اطلاع دی تھی، وہ دونوں لان میں موجود تھے، رخسانہ بیگم سبزی کاٹنے میں مصروف تھیں جبکہ طفیل احمد ان کے سامنے والی کرسی پر براجمان تھے، ان کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔

''خوشبو کے نانا؟'' رخسانہ بیگم کا انداز سوالیہ تھا۔

''آپ نے کبھی بتایا نہیں کہ اس کے رشتے دار بھی ہیں''۔ طفیل احمد کو رخسانہ بیگم کا لہجہ طنزیہ معلوم ہوا تھا۔

''بتانے سے کیا ہوتا ہے، کیا کر لیتیں تم؟''

''کچھ نہیں، لیکن پتہ تو ہونا چاہیے تھا ناں؟''، طفیل احمد نے رخسانہ بیگم کی باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔

''اگر وہ اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں تو اچھی بات ہے، ہمیں بھی تھوڑا سکون ملے''۔ رخسانہ بیگم نے آخری جملہ دل ہی دل میں سوچا تھا۔

☆.....☆.....☆

اسے سید جبران مصطفیٰ کے گھر آئے ہوئے ایک ہفتے سے زیادہ ہو چکا تھا، وہ اس کا بہت خیال رکھتے تھے، ملازمہ ہر دو تین گھنٹے بعد آ کر خوشبو سے اس کی خیریت دریافت کرتی، اس کے کھانے پینے کا خیال رکھتی، جبران مصطفیٰ نے اس کے کمرے میں بہت سی کتابیں بھی رکھوادی تھیں، جس سے اس کا زیادہ تر وقت اسٹڈی میں گزرتا، اب فون پر خوشبو کی دوستوں سے باتیں بھی ہونے لگی تھیں، شایان سے بھی تقریباً روز ہی گفتگو ہوتی اور جب جبران مصطفیٰ اس کے کمرے میں آتے تو وہ دونوں مل کر رضیہ بانو یعنی خوشبو کی ماں کی باتیں کرتے، وہ اسے اپنی بیٹی کے بچپن کی باتیں بتاتے اور وہ اپنی ماں کے بچپن کے قصے سن سن کر خوب ہنستی۔

☆.....☆.....☆

جبران مصطفیٰ کے کئی دوست نے انہیں کھانے پر مدعو کیا تھا، وہ خوشبو کو بھی اپنے ساتھ لے کر جانا چاہتے تھے، لیکن خوشبو کا ان کے ساتھ جانے کا موڈ نہیں تھا، سو وہ اکیلے ہی گئے تھے، ان کے جانے کے کچھ دیر کے بعد خوشبو اپنے کمرے سے باہر نکلی تھی، وہ پنک کلر کے جارجٹ کے سوٹ میں شیفون کا دوپٹہ کاندھے پر لٹکائے جبران مصطفیٰ کے کمرے کی طرف سے گزری تھی، کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا، وہ کچھ سوچتے ہوئے ان کے کمرے میں چلی گئی، کچھ دیر تک یوں ہی کھڑے کھڑے کمرے کا جائزہ لیا کہ اچانک اس کی نظر بیڈ کے سرہانے پر رکھی ہوئی ایک خوبصورت سی ڈائری پر پڑی، اس نے ادھر ادھر دیکھ کر وہ ڈائری اٹھالی، ڈائری کا پہلا صفحہ کھول کر وہ وہیں بیڈ پر بیٹھ گئی اور سرسری طور پر نظریں دوڑانے لگی، ابھی کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ اسے ان سارے سوالوں کے جواب ملتے چلے گئے جو وہ رخسانہ بیگم کی ڈانٹ پھٹکار کے بعد اکیلے میں خود سے کیا کرتی تھی۔

☆.....☆.....☆

''رضیہ بانو میری اکلوتی بیٹی تھی، میں نے اور رقیہ نے بہت نازوں سے اسے پالا تھا، وہ ہماری زندگی کا ایک انمول تحفہ تھی، جسے قسمت نے ہماری جھولی میں ڈالا تھا، میں نے اپنی بیٹی کی ہر خواہش اس کی زبان پر آنے سے پہلے پوری کی، بچپن سے لے کر بڑی ہونے تک وہ خواب دیکھتی رہی اور میں اور رقیہ اسے پورا کرتے رہے، ہماری محبت نے اسے ضدی بنا دیا تھا، وہ اگر کسی چیز کو پسند کرتی تو اسے حاصل کر کے رہتی۔ جب رضیہ کی تعلیم کا آخری سال مکمل ہونے والا تھا، تو میں نے اور رقیہ نے اس کے لیے لڑکا تلاش کیا ''اعراف علی'' میرے دوست، میرے بزنس پارٹنر کا بیٹا، وہ ہر لحاظ سے اس کے لائق تھا، اتنا اچھا رشتہ ہم گنوانا نہیں چاہتے تھے، اس لیے میں نے اپنے دوست کو زبان دے دی، مگر جب رضیہ کو اس بارے میں پتہ چلا، تو اس نے صاف انکار کر دیا، وہ کسی سے محبت کرتی تھی، طفیل احمد..... اس کا کلاس فیلو۔ جب میں اس سے ملا تو مجھے اس کے اور اپنے خاندان کے درمیان بہت فرق نظر آیا، وہ فنانشلی طور پر میری بیٹی کے قابل نہیں تھا، میں نے اس رشتے سے انکار کر دیا، لیکن رضیہ..... کتنا روکا تھا میں نے اسے، مگر وہ چھپ کر اس سے ملتی رہی، جب مجھے اس کا علم ہوا تو میں نے اس کی شادی اعراف کے ساتھ طے کر دی، ایک ہفتے بعد اس کی شادی تھی، میں نے گھر سے نکلنے پر اس

پر پابندی لگا دی تھی، یونہ میں چاہتا تھا کہ رضیہ ذہنی طور پر اس رشتے کو قبول کر لے۔ بارات آ چکی تھی، اور میں لوگوں سے مبارکباد وصول کر رہا تھا، میں اور رقیہ بہت خوش تھے، اعراف کا خاندان بہت عزت دار تھا، کچھ دیر کے بعد نکاح کا شور اٹھا اور رقیہ، رضیہ کو لینے اس کے کمرے میں گئی، لیکن جب وہ کمرے سے اکیلی باہر آئی تو میرا دل دھک سے رہ گیا، اور پھر رقیہ نے میرے پاس آ کر مجھے جو خبر دی اسے سن کر میرے پیروں تلے کی زمین نکل گئی، رضیہ اپنے کمرے میں نہیں تھی، میں نے اور رقیہ نے پورے گھر میں اسے تلاش کر لیا، وہ کہیں نہیں ملی، یہ خبر آگ کی طرح ہر طرف پھیل گئی''۔

''جبران! اگر تمہاری بیٹی کسی اور میں انٹرسٹڈ تھی تو تمہیں اس کی شادی وہیں کروانی چاہیے تھی، تم نے اپنے ساتھ ساتھ میرے خاندان کا بھی تماشا بنایا، ہماری عزت تم نے خاک میں ملا دی''۔ یہ بات مجھ سے میرے دوست سعود علی نے کہی تھی اور میں جواباً خاموش تھا، اس دن مجھے لوگوں سے ایسی ایسی باتیں سننے کو ملیں جو میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا، وہاں پر موجود لوگوں کی نظروں میں، میں نے جو دیکھا تھا وہ میرے لیے اتنا تکلیف دہ تھا کہ شاید کبھی بھی اسے الفاظ نہ دے سکوں، بارات واپس جا چکی تھی اور میں بے بس، مجبور کھڑا تھا، میرے ہاتھ پاؤں شل ہو چکے تھے، مگر لوگوں کے سخت لہجے اور زہر جیسی کڑوی باتیں میری سماعتوں سے ٹکرا رہی تھیں''۔

☆.....☆.....☆

''آج بیس سال بیت گئے، مجھے کینیڈا آئے ہوئے، ان سالوں میں کتنا کچھ بدل گیا، بیس سال پہلے جو قیامت تھی، اس میں سب کچھ راکھ ہو گیا تھا، میری عزت میری اپنی بیٹی نے نیلام کر دی پھر اپنی نئی زندگی کا آغاز کیا، لیکن قسمت میں اس کی سی زندگی کا دورانیہ شاید بہت ہی کم تھا، اس لیے زندگی نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور رقیہ..... وہ تو کینیڈا شفٹ ہونے کے دو سال بعد ہی مجھے اس دنیا میں تنہا چھوڑ کر چلی گئی، مجھے آج بھی یاد ہے جب رضیہ کی موت کی خبر اسے ملی تھی، اس وقت اس کی کیا حالت تھی یہ صرف میں جانتا ہوں، میری طرح اسے بھی رضیہ کے اس غلط قدم پر صدمہ پہنچا تھا، مگر یہاں آنے کے سال بعد جب اسے رضیہ کی موت کا پتہ چلا، تو وہ برداشت نہ کر سکی اور رضیہ کے جانے کے دو سال بعد اس نے میرا ساتھ چھوڑ دیا، اب وہ اس دنیا میں نہیں رہی، اور میں اب تنہا زندگی گزار رہا ہوں''۔

☆.....☆.....☆

خوشبو کی آنکھوں میں آنسو آ چکے تھے، اس کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں بند کر لیا تھا، اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ اس کی ماں رضیہ بانو نے اپنے والدین کو ایسے دکھ بھی دیئے ہوں گے، ان کے خوابوں کو اس طرح چکنا چور کیا ہوگا، اس پل اسے سید جبران مصطفیٰ پر بہت ترس آیا تھا، وہ اپنے اندر شرمندگی محسوس کر رہی تھی کہ انہوں نے اسے اتنی محبت دی، اور اس کے ماں باپ نے ان کے ساتھ اتنا بڑا دھوکہ کیا، اس کی ماں نے اپنی محبت کی خاطر اپنے ماں باپ کی عزت کا بھی خیال نہ کیا، ڈائری پڑھ کر خوشبو کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگ چکا تھا، اس پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو چکی تھی، اس نے اپنے رخساروں پر پھیلے آنسو پونچھے اور چپ چاپ ڈائری لے کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

☆.....☆.....☆

آدھی رات گزر گئی تھی، لیکن نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی، اس نے آج صبح جو ڈائری میں پڑھا تھا، اب وہ سب کچھ اس کی نگاہوں کے سامنے گھوم رہا تھا، وہ

مسلسل کروٹیں بدل رہی تھی۔ طبیعت جب زیادہ مضطرب ہوئی تو ہاتھوں کا گول سا تکیہ بنا کر بیٹھ گئی اور سر گھٹنے پر ٹیک دیا، کافی دیر تک وہ یوں ہی بیٹھی رہی اور پھر سر اٹھایا اسے سب کچھ آہستہ آہستہ سمجھ میں آنے لگا تھا۔

''میرے ساتھ جو ہوا، وہ بلاوجہ نہیں تھا، میری ماں نے اپنے والدین کا دل دکھایا تھا، مجھے بھی بچپن سے ہمیشہ دکھ ملا، انہوں نے نانا جان کی عزت کا تماشہ بنایا تھا، بدلے میں ان کی بیٹی کی بھی پل پل سوتیلی ماں کے ہاتھوں تذلیل ہوتی رہی، میرے ابو نے ایک بیٹی کو اس کے باپ سے چھینا تھا، اور میں بھی آج تک اپنے ابو کی محبت و شفقت سے محروم رہی''۔ اب وہ بیڈ سے اتر کر آئینے کے سامنے کھڑی تھی، بہت دیر تک وہ خود کو آئینے میں دیکھتی رہی۔

''کبھی کبھی اولاد کے کیے کی سزا ماں باپ کو ملتی ہے، جس طرح میری امی کی وجہ سے نانا جان کی عزت خاک میں مل گئی، اور کبھی کبھی ماں باپ کے کیے کی سزا اولاد کو ملتی ہے، جیسے میرے امی ابو نے صرف اپنے بارے میں سوچا اور اس کی سزا مجھے ملی، امی نے بچپن میں ہی ساتھ چھوڑ دیا اور ابو..... امی کے جانے کے بعد انہوں نے تو ہمیشہ مجھے خود سے دور رکھا''۔

☆.....☆.....☆

جبران مصطفیٰ کہیں باہر گئے ہوئے تھے، جبکہ طفیل احمد اور رخسانہ بیگم خوشبو سے ملنے آئے تھے، خوشبو ان دونوں کے ساتھ لان میں موجود تھی۔

''خوشبو! ہمیں معاف کر دو بیٹا! ہم نے تمہارے ساتھ بہت ناانصافی کی، بہت دکھ دیا تمہیں''۔ طفیل احمد اب شرمندگی سے نگاہیں جھکائے خاموش بیٹھے تھے۔

''بیٹا! ہم نے تمہارے ساتھ جو کیا، ہمیں اس کی سزا مل گئی، تمہارے ابو کی نوکری چھوٹ گئی اور اسمل..... ان لوگوں نے تمہاری بہن سے منگنی توڑ دی''۔ رخسانہ بیگم کے چہرے پر اسے ندامت نظر آ رہی تھی۔

''امی، ابو! آپ لوگ معافی مانگ کر مجھے شرمندہ کر رہے ہیں، میرے دل میں آپ لوگوں کے لیے کوئی کڑواہٹ نہیں، میرے ساتھ جو بھی ہوا، وہ میرے نصیب کا لکھا تھا اور نصیب کے لکھے ہوئے کو کوئی مٹا نہیں سکتا''۔ اس نے طفیل احمد اور رخسانہ بیگم کو معاف کر دیا تھا، وہ یہ جان چکی تھی کہ اس کے ساتھ جو ہوا اس میں رخسانہ بیگم کا کوئی قصور نہیں تھا، قصور تو اس کے اپنے ماں باپ کا تھا، جس کی سزا ان کی اولاد کو ملی۔

☆.....☆.....☆

''خوشبو! تم تو کچھ کھا ہی نہیں رہیں، کہاں کھوئی ہوئی ہو؟'' خوشبو گم صم بیٹھی تھی، تب ہی جبران مصطفیٰ نے اسے ٹوکا تھا، وہ دونوں کھانے کی ٹیبل پر موجود تھے، لیکن خوشبو کا ذہن اب بھی عجیب سی کشمکش میں مبتلا تھا۔

''نانا جان! اتنے سالوں میں آپ نے کبھی مجھ سے فون پر بات نہیں کی، کبھی مجھ سے ملنے نہیں آئے اور پھر اچانک سے مجھے اپنے ساتھ یہاں لے آئے، اور اتنی محبت دی ایسا کیوں؟'' خوشبو نے جبران مصطفیٰ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا، اس کی آنکھوں میں سنجیدگی تھی۔

''بیٹا! دراصل رضیہ کے جانے کے بعد تمہارے ابو نے دوسری شادی کر لی، اس لیے مجھے ان سے یا تم سے ملنا یا فون پر باتیں کرنا مناسب نہیں لگا''۔ جبران مصطفیٰ تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو گئے تھے پھر چند لمحے توقف کے بعد انہوں نے بولنا شروع کیا۔

''جب میں وطن واپس آیا، تو تمہیں دیکھے بغیر نہیں رہ سکا، اور جب میں تم سے ملنے اسپتال آیا تو تم بے ہوش تھیں، تمہیں دیکھ کر مجھے لگا کہ اس جگہ تم نہیں بلکہ میری بیٹی رضیہ لیٹی ہوئی ہے، وہی آنکھیں، وہی چہرہ..... بس میں نے اسی وقت فیصلہ کر لیا تھا کہ میں طفیل سے بات کر کے تمہیں

کچھ دنوں کے لیے اپنے ساتھ لے آؤں گا''۔ جبران مصطفیٰ ٹھہر ٹھہر کر بول رہے تھے۔

''نانا جان! مجھ سے ایک غلطی ہو گئی ہے''۔ خوشبو اتنا ہی کہہ کر خاموش ہو گئی جبکہ جبران مصطفیٰ متجسس نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے۔

''نانا جان! میں نے بغیر اجازت آپ کی ڈائری پڑھ لی ہے''۔ خوشبو اب جبران مصطفیٰ کے کہنے کا انتظار کر رہی تھی۔

''تو پھر تمہیں یقیناً ماضی کی باتیں معلوم ہو گئی ہوں گی؟'' جبران مصطفیٰ کا انداز سوالیہ تھا، جبکہ لہجے میں نرمی تھی۔

''جی! میں جان چکی ہوں کہ امی ابو نے آپ کا اور نانی جان کا کتنا دل دکھایا''۔

''نہیں بیٹا! سچ پوچھو تو مجھے پہلے تمہارے امی ابو پر غصہ تھا، لیکن اب میں سوچتا ہوں کہ کہیں نہ کہیں غلطی میری بھی تھی، اگر میں اپنی بیٹی کی پسند تسلیم کر لیتا تو شاید کچھ نہ بگڑتا''۔ جبران مصطفیٰ کو پچھتاوا تھا، مگر وہ بظاہر نارمل انداز میں بیٹھے تھے۔

''اکثر اوقات اولاد وہ قدم اٹھا لیتی ہے جس سے والدین کو دکھ پہنچتا ہے، لیکن کبھی کبھی اولاد کو ایسا قدم اٹھانے پر والدین ہی مجبور کرتے ہیں، اگر وہ ان کے فیصلے اور پسند کا احترام کریں تو مجھے لگتا ہے کہ کسی بھی اولاد کو کبھی بھی ایسا قدم اٹھانے کی ضرورت نہ پڑے، کاش! اس بات کو میں پہلے سمجھ جاتا تو اتنا کچھ نہ بگڑتا''۔ جبران مصطفیٰ کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں، خوشبو کو یوں لگ رہا تھا کہ جیسے ان کا ذہن کہیں اور ہے، وہ کہیں کھوئے ہوئے سے تھے، شاید ماضی میں؟

☆.....☆.....☆

جبران مصطفیٰ کی زبانی اسے معلوم ہو چکا تھا کہ یہ پارٹی ان سب کے لیے کتنی اہم ہے، اس لیے اس نے خود کو بڑے اہتمام کے ساتھ تیار کیا تھا، بلیو کلر کی لمبی سی فراک اور چوڑی دار پاجامے میں اس کا مناسب پرکشش سراپا سج گیا تھا، سلیقے سے ایک کاندھے پر دوپٹہ رکھے دونوں ہاتھوں میں ہم رنگ چوڑیاں ہاتھوں کو خوبصورت بنا رہی تھیں، کھڑے نقوش میک اپ سے مبرا چہرے کو جاذبیت بخش رہے تھے، لمبی پلکوں کی جھالروں کو مسکارے، آئی لائنر اور آئی شیڈ نے مزید خوبصورت بنا دیا تھا، پنکھڑی سے ہونٹوں پر ہلکی لپ اسٹک، کانوں کی رونق بڑھاتے ہوئے دو خوبصورت سے بندے، آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر اس نے ایک نظر خود پر ڈالی اور پھر نانا جان کی آواز پر کمرے سے باہر چلی گئی، پارٹی کے لیے بنگلے کے اس پورشن کو بہت ہی خوبصورتی سے ڈیکوریٹ کیا گیا تھا، وہ جبران مصطفیٰ کے ساتھ ہی کھڑی تھی، عثمان رضا نے بہت ہی پرجوش انداز میں ان کا خیر مقدم کیا تھا۔ مسز عثمان رضا بھی خوشبو سے بہت اپنائیت سے ملی تھیں، انہوں نے اسے اپنی سہیلیوں سے بھی ملوایا تھا، جنہوں نے اس کی خوبصورتی کی تعریفیں کی تھیں، تھوڑی دیر بعد طفیل احمد اور رخسانہ بیگم بھی تشریف لا چکے تھے، وہ دونوں بڑے تپاک سے اس سے ملے تھے، اس نے بھی ان سے مل کر خوشی کا اظہار کیا تھا، رخسانہ بیگم مسز عثمان کے ساتھ باتوں میں مصروف تھیں جبکہ خوشبو طفیل احمد کے پاس ہی کھڑی تھی، وہ کافی دیر سے یہ نوٹ کر رہی تھی کہ مسز عثمان رضا کی نگاہیں بار بار اس کی طرف اٹھ رہی ہیں اور اسے دیکھ کر ان کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ واضح ہو رہی ہے، مگر وہ ان کی نگاہیں اور مسکراہٹ کی وجہ کو سمجھنے سے قاصر تھی۔

''خوشبو بیٹا! تمہیں معلوم ہے کہ یہ پارٹی کیوں رکھی گئی ہے؟'' طفیل احمد اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

''جی ابو! نانا جان نے بتایا تھا کہ آپ اور عثمان انکل

ایک فیکٹری کھڑی کررہے ہیں، اسی خوشی میں یہ پارٹی رکھی گئی ہے''۔

''ہاں یہ پارٹی تو اسی کے لیے ہے، لیکن اس کی وجہ کچھ اور بھی ہے''۔

''وہ کیا؟'' خوشبو نے ایزی فیل کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

''وہ یہ بیٹا! کہ تمہارے عثمان انکل نے تمہارا رشتہ مانگا ہے''۔ خوشبو یہ سن کر ایک دم چونکی تھی۔

''مجھے اور تمہارے نانا جان کو تو لڑکا بہت پسند آیا، اس لیے ہم نے ان لوگوں کو ہاں کردی ہے، اسی خوشی میں انہوں نے یہ پارٹی دی ہے''۔ طفیل احمد کی نگاہیں اب پارٹی میں موجود لوگوں پر تھیں جبکہ خوشبو ٹکٹکی باندھ کر بے یقینی سے انہیں ہی دیکھ رہی تھی، طفیل احمد جبران مصطفیٰ کے بلانے پر ان کے پاس چلے گئے تھے اور وہ حیرت کا مجسمہ بنی ابھی تک اسی کرسی پر بیٹھی تھی، کافی دیر بعد جب وہ اپنی سوچ سے باہر آئی تو بے بسی سے جبران مصطفیٰ کی طرف دیکھا، وہ اسے ہاتھ کے اشارے سے بلا رہے تھے، وہ ان کے پاس ہی چلی گئی۔

''خوشبو بیٹا! چلو میں تمہیں کسی سے ملواتا ہوں، شایان.....!'' انہوں نے سامنے موجود لوگوں میں سے کسی کو آواز دی، نام سن کر خوشبو کا دل زور سے دھڑکا تھا، نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ ان سے کچھ فاصلے پر کھڑا کسی سے باتوں میں مصروف تھا، بلیک کلر کے تھری پیس میں ملبوس اس کی پشت خوشبو کی طرف تھی، جبران مصطفیٰ کی آواز پر شایان نے پلٹ کر انہیں دیکھا تھا۔

''ایکسکیوزمی.....!'' وہ اب جبران مصطفیٰ کی طرف آ گیا، بہت گرم جوشی سے اور ہونٹوں پر مسکراہٹ لیے اس نے انہیں سلام کیا تھا، اور جب نگاہیں خوشبو پر پڑیں تو مسکراہٹ اور گہری ہوگئی جبکہ خوشبو حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی، البتہ جبران مصطفیٰ خوشبو کی طرف دیکھ کر مسکرا رہے تھے، وہ کچھ نہ سمجھنے کی سی کیفیت میں انہیں دیکھ رہی تھی، اسے ابھی تک کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا، جبران مصطفیٰ نے شایان کو شولڈر سے تھام کر اپنے قریب کرلیا اور پھر خوشبو کی طرف دیکھ کر کہنے لگے۔

''تمہیں کیا لگتا ہے بیٹا! کہ میں تمہاری مرضی جانے بغیر تمہاری شادی طے کردوں گا؟ ایک بار ایسی غلطی ہوچکی ہے، دوبارہ ایسا نہیں ہوسکتا''۔ طفیل احمد بھی وہیں موجود تھے، جبران مصطفیٰ کی باتیں سن کر انہوں نے اثبات میں سر ہلایا تھا اور اب رخسانہ بیگم، مسز عثمان اور عثمان رضا بھی وہاں پر آچکے تھے، وہ سب بہت خوش تھے۔

''بھئی! جب سارے لوگ یہاں موجود ہیں، تو کیوں نہ منگنی کی رسم کردی جائے؟'' مسز عثمان نے مسرت سے بھرپور لہجے میں کہا تھا، سب لوگ تائید میں سر ہلانے لگے، رخسانہ بیگم اور مسز عثمان نے منگنی کی انگوٹھی کا انتظام پہلے سے کیا ہوا تھا، منگنی کی رسم کے بعد ڈنر شروع ہوا اور سب لوگ کھانے کی ٹیبل کی طرف بڑھ گئے جبکہ خوشبو اور شایان ایک ساتھ ہی کھڑے تھے، خوشبو کی نگاہیں تھیں کہ شرم وحیا کے بوجھ تلے اٹھنے کا نام نہیں لے رہی تھیں، اور شایان اس کی اس کیفیت پر دیوانہ وار اسے دیکھے جارہا تھا۔

''تمہیں سب کچھ پتہ تھا، اور تم نے ایک بار بھی مجھے نہیں بتایا''۔ وہ اس کے اس طرح دیکھنے پر کچھ گڑبڑاتے ہوئے بولی جبکہ شایان کا قہقہہ فضاؤں میں بلند ہوا تھا، وہ اس کی گھبراہٹ محسوس کرچکا تھا، خوشبو نے اس کی طرف دیکھا، وہ بہت خوش دکھائی دے رہا تھا جبکہ خوشبو کی نگاہوں میں محبت اور اپنوں کو پالینے کی کئی شمعیں روشن تھیں، ان دونوں کا دل ایک دوسرے کی محبت سے سرشار تھا۔

☆.....☆.....☆

سعدیہ عابد

قسط نمبر 10۔

سلسلے وار ناول

بند قبا کھلنے لگی جانان

''وہ بچہ ساری زندگی کے لیے نابینا ہوگیا ہے''۔

''او مائی گاڈ!''

نوٹ: رڈا کی کوئی ویب سائٹ نہیں ہے، جو بھی رڈا کو بلا اجازت کسی بھی ویب سائٹ پر اپ لوڈ کرے گا ادارہ اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی اور ایسے لوگوں کے خلاف کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت ایف۔ آئی۔ آر۔ درج کروانے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

''وہ بچہ بہت غریب ہے، اس کی ماں جھولی پھیلا پھیلا کر بددعائیں دے رہی تھی اور اس کا منہ بند کرنے کی میں نے اسے اتنی رقم دے دی ہے کہ اس کی سات پشتوں میں کسی نے اتنی دولت کا تصور بھی نہیں کیا ہوگا''۔ وہ عام سے لہجے میں بولا تھا۔

''تُو نے یہ سب مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟'' وہ حیران تھا۔

''میں نے تجھے پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا اور اسی لیے جب فضیل کا فون آیا تو میں نے اسے بھی تسلی دے کر فون بند کر دیا، کیونکہ جب میں سب کچھ ہینڈل کر چکا ہوں تو پھر سب کو پریشان کرنا میرے نزدیک حماقت ہی تھا''۔

''مجھے تجھ سے اتنی سمجھداری کی امید تھی''۔

☆.....☆.....☆

''اسجد! آپ کیا سوچ رہے ہیں؟ جو ہوا میں نے ایسا نہیں سوچا تھا''۔ ان دونوں کے درمیان کافی دیر سے خاموشی بول رہی تھی جسے گھبرا کر یسریٰ نے توڑا تھا۔

''سوچا تو میں نے بھی نہیں تھا یسریٰ! مگر اس کے سوا چارہ بھی نہیں تھا کیونکہ ابو ہماری شادی پر راضی نہیں ہو رہے تھے اور تمہاری شادی ایک بے جوڑ شخص سے ہو رہی تھی، اور میں نہیں چاہتا تھا کہ تم جذبات میں آ کر کچھ بھی غلط کرو''۔

''تو آپ نے یہ شادی صرف مجھے کچھ غلط کرنے سے روکنے کی غرض سے کی ہے، مجھے تو لگا تھا کہ میری طرح آپ بھی مجھے کھونا نہیں چاہتے''۔ اس کے لہجے میں افسردگی سی در آئی۔

''یسریٰ! تم ہمیشہ نیگیٹو کیوں سوچتی ہو؟''

''میں پوزیٹو نہیں سوچ سکتی، مجھے زندگی میں مثبت ملا ہی کیا ہے جو مجھے کچھ پوزیٹو لگے گا، زندگی بھر رشتوں کو ان کی محبتوں کو ترستی، ایک واحد آپ تھے جس نے میرے لبوں پر مسکراہٹ کھلائی، اور میں اپنی زندگی کی واحد خوشی و محبت کھونا نہیں چاہتی تھی، آپ کو کھو کر جینے سے بہتر میرے لیے موت تھی، مگر موت بھی مہربان نہیں ہوئی''۔ وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے بری طرح رونے لگی اور اسجد سامنے صوفے سے اٹھ کر اس کے برابر آ بیٹھا اور وہ اس کے کاندھے سے لگ کر سسکنے لگی۔

''آئی ایم سوری اسجد! میں آپ کو پریشان کرنا نہیں چاہتی تھی، میں یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ آپ مجھے اپنے پیرنٹس کے خلاف جا کر اپنائیں، مگر میں کیا کرتی، مجھے کوئی دوسرا راستہ نظر نہیں آ رہا تھا''۔ وہ اس کے کاندھے سے لگی رہی تھی اسجد کا ہاتھ اس کے سر پر آ ٹھہرا۔

''پلیز، چپ کر جاؤ، جو ہوا یہ سب اسی طرح ہونا تھا، اب خود کو ہلکان مت کرو''۔ اسجد نے اس کا چہرہ اوپر کرتے ہوئے آنسو صاف کیے۔

''مجھے تو لگتا ہے کہ میری پوری زندگی تمہیں روتے دیکھ کر اور تمہارے آنسو صاف کرتے ہی گزر جائے گی''۔ اسے چپ ہوتے نہ دیکھ کر وہ شرارت سے بولا۔

''آپ زندگی بھر میرا ساتھ تو دیں گے ناں؟'' وہ نم پلکوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''ہاں بھئی! محبت کرتا ہوں تم سے، اور اب تم بیوی ہو میری، ہمارا ساتھ آخری سانس تک کا ہے''۔ اس کے ہاتھ تھام لیے۔

''آپ کے پیرنٹس..... جب ان کو ہماری شادی کا پتہ چلے گا.....!''

''ابو کو راضی کرنے کی کوشش تو کر چکا ہوں، اب امی سے بات کروں گا''۔

''اگر وہ بھی راضی نہ ہوئیں تو؟'' اسے نئی فکر لاحق ہوئی۔

''یہ باتیں ہم پھر کبھی کر لیں گے''۔ اسے ٹالنا چاہا۔

''آپ مجھے یہاں کیوں لائے، اپنے گھر کیوں نہیں لے گئے؟''

''میں تمہیں اچانک نہیں لے جا سکتا تھا یسریٰ''۔

''آپ مجھے اپنے گھر لے چلیں اسجد! میں آپ کے پیرنٹس کے قدموں میں گر کر.....!''

''یہ پاسیبل نہیں ہے یسریٰ! کیونکہ گھر میں میری شادی کی تیاریاں چل رہی ہیں، اس طرح تمہیں لے جاؤں گا تو بنتی ہوئی

''میں نے یہ سب کیوں اور کیسے کیا میں خود حیران ہوں''۔

''تُو حنین کو لے کر سیریس ہے؟''

''ابھی کچھ کہہ نہیں سکتا، مگر صرف اتنا ہے کہ میں صرف وہاں اس لیے رکا کہ وہ حنین تھی، اور جس شام وہ ارحم کے ساتھ گاڑی خریدنے گئی تھی میں نے ان دونوں کو ساتھ دیکھا تھا اور اس کا ہنستا مسکراتا روپ جتنا مجھے اچھا لگا تھا، اس سے کہیں زیادہ برا احساس ان دونوں کی بے تکلفی کو دیکھ کر جاگا تھا، اس کو سوچنا اچھا لگتا ہے اور اس کو لے کر میں پوزیسو بھی ہو رہا ہوں، اور یہ سب محبت کے انداز ہیں۔ تو میں کہنے میں عار محسوس نہیں کروں گا کہ مجھے حنین عالم سے محبت ہے، اور جس دن یہ احساس مکمل طور پر ہوا اور محبت کی شدت جس دن شدت سے محسوس ہوئی، اسی دن حنین عالم کو حنین ماہ کنعان نہیں بنایا تو میرا بھی نام ماہ کنعان نہیں''۔ ماہ کنعان کے خوبصورت چہرے پر اپنی ذات کا غرور اور دولت و اسٹیٹس کی حاکمیت رقصاں ہو گئی۔

''تیری ضدی و حاکمیت پسند فطرت مجھے اکثر یہ سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے کہ.....!''

''تیرے جیسے کول مائنڈیڈ اور نرم فطرت کے حامل شخص سے میری دوستی کیسے ہو گئی''۔ ماہ کنعان نے اس کی بات کاٹ کر اس کے منہ کی بات کہہ دی تھی۔

''مگر میں ساری دنیا کے لیے برا ہو سکتا ہوں فیصل! یہاں تک کہ اپنے لیے بھی، مگر تیرے لیے کبھی نہیں، میری تمام تر حاکمیت پسندی و سختی ان کے لیے ہے جو مجھے ناپسند ہیں یا میرا برا رویہ ڈیزرو کرتے ہیں''۔ اس نے فیصل کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''آئی نو یار! بٹ اتنی سختی بھی اچھی نہیں ہوتی، اگر تُو حنین کے لیے اپنے دل میں سوفٹ کارنر محسوس کر رہا ہے تو ٹھیک ہے نا، میں خود اسے تیرا بنانے کی ہر ممکن کوشش کروں گا، مگر صرف کوشش''۔ اس نے دوست کو دیکھتے ہوئے اسے بہت کچھ باور کرانا چاہا تھا۔

''مگر میں کوشش پر یقین نہیں رکھتا''۔

''آئی نو، بٹ تمہیں حنین کے معاملے میں احتیاط سے کام لینا پڑے گا''۔

''بٹ وائے؟'' وہ حیران ہوا تھا اس کی بات پر۔

''صرف اس لیے کہ تُو میرا دوست ہے، میرے سرکل میں میرے توسط سے تیری پہچان ہے، میرے دوست احباب تجھے اس لیے جانتے ہیں کہ تُو میرا دوست ہے، میرے احباب تجھے اس لیے نہیں جانتے کہ تُو بہت بڑے پولیٹیشن کا بیٹا ہے، اور جب تُو کچھ غلط کرے گا تو انگلیاں تو مجھ پر بھی اٹھیں گی؟''

''یہ بات ہے تو میرا تجھ سے وعدہ رہا کہ میرے سبب تجھ پر انگلیاں نہیں اٹھیں گی، تُو کہے نہ تو ہنستے ہنستے جان دے دوں ایک لڑکی اور اس کی محبت سب تیرے آگے ہیچ ہیں''۔ اس کے انداز میں دوست کی محبت اور دوستی پر جانثار کر دینے کا عزم سا جھلک رہا تھا۔

''تجھے میری خاطر اتنا کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے یار! بس حنین.....!''

''تُو جیسا چاہے گا ویسا ہی ہوگا''۔ اس نے گویا بات ہی ختم کر دی تھی اور وہ محض اسے دیکھ کر رہ گیا تھا کیونکہ جانتا تھا کہ وہ اپنی بات سے ہٹے گا نہیں۔

بات ہمیشہ کے لیے بگڑ جائے گی، اس لیے مجھے امی سے بات کرنا ہوگی اس کے بعد ہی میں تمہیں وہاں لے جاسکتا ہوں''۔ اس نے گویا کوئی دھماکہ کیا تھا، یسریٰ تو ساکت رہ گئی تھی۔

''تم پریشان نہ ہو، میں اپنے پیرنٹس سے بات کرلوں گا''۔ اسے ساکت دیکھ کر ہاتھ پکڑ کر دلاسہ دینا چاہا۔

''اور اگر وہ راضی نہ ہوئے تو آپ.... آپ شادی کرلیں گے؟'' وہ اسے دیکھ رہی تھی، اسجد نے اس کا چہرہ دیکھا، خوبصورت چہرے پر سائے سے لہرا رہے تھے۔

''میں تمہیں دکھی نہ دیکھ سکتا ہوں نہ ہی دکھی کرنا چاہتا تھا، اسی لیے میں نے تم سے کہا تھا کہ میری منگنی ہوگئی ہے اور تم بھی وہیں شادی کرلو جہاں تمہاری خالہ کررہی ہیں، مگر میرے اور تمہارے کچھ کہنے سے کب کچھ ہوتا ہے، ہماری شادی ہونا طے تھی سو وہ ہوگئی، اب میں اپنے پیرنٹس کو راضی کرنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا''۔ ایک ہاتھ میں اس کا ہاتھ تھا اور دوسرا ہاتھ اس کے کاندھے پر آرکا۔

''اور اب تم پلیز چپ کرجاؤ، میں اس موضوع پر تم سے بعد میں بات کروں گا''۔ اس نے بات ختم کرنے کو کہا تھا مگر وہ کچھ کہنے ہی لگی تھی کہ ڈور بیل کی آواز پر رک گئی تھی۔

''یقیناً یہ تو قیر ہوگا، میں تمہیں اندر کمرے میں چھوڑ دیتا ہوں، تم ہاتھ منہ دھو کر فریش ہوجاؤ''۔ کہتے ہوئے اسے اٹھایا تھا، مگر اس کے انکار کرنے پر وہ اسے بیڈ پر چھوڑ کر جلدی سے ڈور کھولنے کو بڑھا تھا دروازے پر تو قیر اور ایک خاتون تھیں اور تو قیر نے بتایا تھا کہ یہ خاتون ان کی بہت پرانی ملازمہ کی بہن ہیں جو ان سے ملنے گاؤں سے آئی تھیں اور اب انہیں یسریٰ کے ساتھ اس فلیٹ میں رہنا ہے، اسجد کو اطمینان سا ہوچلا اور وہ تو قیر کے ہمراہ یسریٰ کو تسلی دے کر فلیٹ سے نکل گیا۔

☆.....☆.....☆

''اسجد بھائی! اچھا ہوا کہ آج آپ آفس سے جلدی آگئے''۔ خلاف معمول اسے ساڑھے پانچ بجے گھر میں دیکھ کر حنین خوشی سے بولی۔

''کیوں، کوئی خاص بات ہے کیا؟'' وہ ماں اور چاچی کو سلام کرتا ڈھیلے ڈھالے انداز میں صوفے پر دراز ہوتے ہوئے اس کے خوشی سے جگمگاتے چہرے کو دیکھ کر اپنائیت سے کہتے ہوئے اسے دیکھنے لگا۔

''خاص بات ہی تو ہے بھائی! ہم لوگ مائدہ اپیا کے لیے ویڈنگ ڈریس لینے جارہے ہیں، اب آپ آگئے ہیں تو اچھا ہے آپ بھی ساتھ چلے جائیں گے''۔ اس کی مسکراہٹ یکدم ہی سمٹ گئی۔

''میں ساتھ نہیں جاسکوں گا، کچھ تھکا ہوا ہوں''۔ آہستگی سے کہتا کھڑا ہوگیا اور شازمین سے چائے کا کہتا اپنے روم کی طرف بڑھ گیا، اس نے کسی کو کچھ بھی کہنے کا موقع ہی نہیں دیا تھا۔

''شازمین چائے چڑھا کر زرمین سے فون کرکے پوچھ لینا کہ وہ کب تک آئے گی؟''

''ضرورت نہیں ہے مائی سوئیٹ مدر!'' زرمین کی آواز سن کر وہ سب اسے دیکھنے لگے اور وہ مسکراتی ہوئی اندر چلی آئی، سلام کرکے ان دونوں کے سامنے جھک کر سر پر ہاتھ رکھوایا اور دعائیں لیتی سیدھی ہوگئی۔

''آپ آئیں کس کے ساتھ ہیں؟''

''فضیل آفس میں تھے، مجھے فضیل چھوڑ گئے ہیں''۔

''ارے بیٹا! تو فضیل کو گھر میں کیوں نہیں لائیں؟ باہر کے باہر ہی کیوں جانے دے دیا؟''

''امی! میں نے کہا تھا مگر فضیل کو ضروری کام سے جانا تھا''۔

''فضیل بھیا! ساتھ نہیں آئے تو ہم کس کے ساتھ جائیں گے؟'' حنین کو فکر ہوئی تھی کیونکہ ان لوگوں نے یہی سوچا تھا کہ فضیل جب زرمین کو چھوڑنے آئے گا تو وہ اس کے ساتھ نکل جائیں گی، وہ لوگ مائدہ کے لیے ویڈنگ ڈریس لینے جارہی ہیں اسی لیے زرمین کو بلایا تھا۔

''ڈونٹ وری، ہم ٹیکسی سے چلے جائیں گے اور ہاں! میں نے اسجد بھائی کی گاڑی کھڑی دیکھی ہے جب وہ گھر میں ہیں تو ہم ان کے ساتھ بھی تو جاسکتے ہیں۔

''انہوں نے منع کردیا ہے''۔ حنین نے منہ بنایا اور جب ہی شازمین چائے لے کر آگئی۔

''شازمین! تم رہنے دو بھائی کی چائے میں لے جاتی ہوں، ان سے مل بھی لوں گی اور چلنے کا بھی پوچھ لوں گی''۔ وہ ٹرے میں 2 کپ لے کر اسجد کے روم میں آگئی۔

''میں ٹھیک ہوں بھائی! فضیل آفس میں تھے۔

''واپسی میں مجھے گھر لے جائیں گے؟''

''تم خوش تو ہو زرمین!'' اس نے بڑے بھائیوں والی فکر سے پوچھا۔

''جی بھائی! سب گھر والے بہت اچھے ہیں، میرا خیال رکھتے ہیں''۔

''اور فضیل، وہ کیسا ہے؟''

''وہ بھی اچھے ہیں بھائی!'' وہ دھیمے سے بولی اور اس کے چہرے سے جھلکتے اطمینان کو دیکھ کر وہ مطمئن ہوگیا۔

''اللہ تم دونوں کو ہمیشہ بہت زیادہ خوش رکھے''۔ اسجد کا ہاتھ اس کے سر پر آ ٹھہرا تھا۔

''میں آپ کے پاس جس کام سے آئی تھی، وہ تو بھول ہی گئی''۔ یکدم خیال آیا تو کہہ اٹھی۔

''اوہ.... تم میرے پاس کام سے آئی تھیں اور میں سمجھا میری بہن مجھ سے ملنے آئی ہے''۔ اسجد کا شرارتی انداز اسے گڑبڑا گیا۔

''نہیں میں تو آپ سے ملنے کے لیے ہی آئی تھی تو سوچا کام....!''

''اب بہانے مت بناؤ اور اصلی بات کہو''۔

''میں بہانے تو نہیں کررہی بھائی! میں واقعی آپ سے....!''

''مذاق کررہا ہوں''۔ اس کے ہنس کر کہنے پر اس نے اسے بات بتائی تھی اور وہ انکاری ہوگیا تھا مگر پھر اس کے کہنے پر اس نے ہامی بھرلی تھی۔

''میں صرف تم لوگوں کو ڈراپ کردوں گا اور جب فارغ ہوجاؤ تو کال کرکے بلالینا، میں آجاؤں گا''۔ اسجد کے راضی ہوجانے پر حنین، زرمین اور ساجدہ اس کے ساتھ شاپنگ سینٹر آگئی تھیں انہیں وہاں چھوڑ کر وہ واپس گھر آگیا تھا تاکہ ماں سے بات کرسکے کیونکہ راشدہ کبھی شاپنگ پر جاتی ہی نہیں تھیں اور اس وقت موقع بھی اچھا تھا وہ ماں سے اطمینان سے بات کرسکتا تھا۔

☆.....☆.....☆

''زرمین آپی! مجھے تو یہ ریڈ والا لہنگا اچھا لگ رہا ہے''۔

''نہیں ریڈ نہیں لینا، مائدہ کو یہ کلر پسند نہیں ہے''۔ اس نے حنین سے کہتے ہوئے شاپ کیپر سے اچھے کلر دکھانے کو کہا تھا اور ان لوگوں نے برات کے لیے آتشی اور رسٹ کنٹراسٹ کا لہنگا لے لیا تھا اور ولیمے کے لیے ساجدہ کے کہنے پر انہوں نے فیروزی شرارہ خریدا تھا اور جیولری اور سینڈلز بھی لے لی تھیں اور اس سب خریداری میں انہیں صرف 3 گھنٹے لگے تھے، اسی لیے حنین کے کہنے پر اب وہ اس کے لیے کپڑے دیکھ رہی تھیں، مگر جو ان لوگوں کو پسند آتا اسے وہ ریجیکٹ کر دیتی اور خود اسے تو کچھ پسند ہی نہیں آ رہا تھا، ساجدہ کو کچھ غصہ آنے لگا تھا کہ اسے تقریباً 1 گھنٹے کی کوشش کے بعد بلیک اور وائٹ کنٹراس کی کلیوں والی فراک پسند آ گئی۔

''زرمین آپی! یہ کیسی لگ رہی ہے؟''

''بہت اچھی ہے''۔ ان دونوں نے اس کی پسند کو اوکے کر دیا۔

''آئی ایم سوری میم! یہ ڈریس سیل ہو چکا ہے''۔

''واٹ.....؟ بٹ مجھے یہی ڈریس لینی ہے''۔ حنین چیخی تھی۔

''اسٹاپ اٹ حنین!'' زرمین نے اس کے چیخنے پر اسے ڈپٹا۔

''آپی! یہ فراک مجھے کتنی مشکل سے پسند آئی ہے، مجھے بس یہی لینی ہے''۔ اس کے انداز میں بے چارگی اور لہجے میں ضد تھی، فیصل اس کو دیکھنے لگا۔

''آر یو سیریس؟'' وہ دونوں شاپ کی لیفٹ سائیڈ پر کھڑے تھے۔

''ہنڈریڈ پرسنٹ.....تُو جا Pay میں کر دوں گا''۔ ماہ کنعان نے اس کے گلابی چہرے سے نگاہ ہٹا کر اسی سے کہا تھا۔

''سوری میم! یہ سیل ہو چکی ہے، آپ کوئی دوسری ڈریس پسند کر لیں''۔

''نو.....وے، مجھے یہی لینی ہے''۔

''ہم اگر ڈبل Pay کر دیں تو؟''

''سوری میم! یہ پاسیبل نہیں ہے، ہم اپنے کسٹمر کو کوئی ڈریس فروخت کرنے کے بعد اس سے نہیں لیتے، ہاں آپ چاہیں تو خود ان سے یہ ریکویسٹ کر سکتی ہیں''۔ شاپ کیپر شائستگی سے کہہ رہا تھا۔

''السلام علیکم!'' وہ تینوں چونکی تھیں اور فیصل کو دیکھنے لگی تھیں۔

''فیصل.....آپ؟''

''جی بھابی! بس وہ سمیرا کے لیے شاپنگ کرنے آیا تھا، اس نے جھوٹ کا سہارا لیا تھا، کیونکہ وہ تو کنعان کے کہنے پر یہاں آ گیا تھا کیونکہ ماہ لاج نے انٹر میں تھرڈ پوزیشن لی تھی کنعان کو اس کے لیے گفٹ لینا تھا، اسے کچھ سمجھ نہ آیا تو کال کر کے اسے بلا لیا اور فیصل کے کہنے پر ہی وہ لاج کو ڈریس دینے کا سوچ کر اس شاپ میں آیا تھا جہاں اس نے بلیک اور وائٹ کنٹراس کی کلیوں والی فراک جس کی فرنٹ اور بیک پر کڑھائی تھی لاج کے لیے پسند کر لی تھی اور پے منٹ بھی کر چکا تھا تبھی فیصل سمیرا کے لیے کوئی ڈریس دیکھنے لگا تھا، جبھی وہ تینوں شاپ میں آئی تھیں، فیصل ان تک پہنچتا کہ حنین نے پہلی ہی نظر میں اس ڈریس کو اوکے کر دیا تھا وہ ان کی باتیں سن چکے تھے، اس لیے کنعان کے کہنے پر وہ ان تک آیا تھا۔

''سمیرا کہاں ہے، دکھائی نہیں دی؟''

''وہ میرے ساتھ نہیں آئی، میں اکیلا ہی آیا ہوں، آپ لوگوں کو کچھ پسند آیا کہ ابھی تلاش جاری ہے؟'' اس کے کہنے پر حنین نے ڈریس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

''ایک گھنٹے میں یہ ایک ڈریس پسند آیا، مگر یہ سیل ہو چکا ہے''۔ وہ قدرے فاصلے پر کھڑا حنین کو دیکھ رہا تھا جس کے منہ کے زاویے بری طرح بگڑے ہوئے تھے۔

''یہ ڈریس تمہیں اچھی لگ رہی ہے تو لے لو''۔

''آپ نے شاید سنا نہیں کہ یہ سیل ہو چکی ہے''۔ اس کے آرام سے کہنے پر وہ خفگی سے بولی۔

''حنین! بس اب چپ کر جاؤ، کوئی اور ڈریس خریدنا ہے تو ٹھیک ورنہ گھر چلو''۔ ساجدہ کی برداشت جواب دے گئی۔

''ایکسکیوزمی مسٹر! یہ ڈریس پیک کر کے میم کو دے دیجیے''۔ سیلز مین اوکے کہتا ڈی کی جانب بڑھ گیا تھا اور وہ تینوں متحیر رہ گئی تھیں۔

''فیصل! یہ آپ.....!''

''بھابی! یہ ڈریس میں نے خریدی ہے، بٹ حنین کو پسند ہے تو کوئی بات نہیں، میں سمیرا کے لیے کوئی دوسری ڈریس لے لوں گا''۔

''لیکن بیٹا.....!''

''پلیز آنٹی! مجھے اچھا لگے گا کہ میری بہن اپنی پسند کا ڈریس لے کر خوش ہو''۔ اس نے ان دونوں کو کچھ کہنے سے روکا تھا اور اس کے تو دل کی کلی کھل گئی تھی۔

''تھینک یو سو مچ فیصل بھیا!'' خوشی اس کے چہرے پر بکھر سی گئی تھی اور کنعان اسے خوش دیکھ کر دل میں سکون سا اترتا محسوس کر رہا تھا، اور وہ اپنی پسند کا ڈریس لیے خوشی خوشی پونی جھلاتی، آنچل لہراتی شاپ سے نکل گئی تھی اور اسے لگا تھا کہ اس کے دل میں یکدم ہی اندھیرے در آئے ہیں۔

☆.....☆.....☆

''امی! مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے''۔ وہ لاؤنج میں بیٹھی شازمین کے ساتھ مل کر دوپٹوں میں لیس لگا رہی تھیں وہ کچھ دیر ٹی وی کے چینل سرچ کرنے کے بعد ان سے بولا تھا۔

''ہاں کہو بیٹا! کیا بات کرنی ہے؟''

''امی! مجھے اکیلے میں آپ سے بات کرنی ہے''۔

''میں باقی دوپٹے اپنے کمرے میں مکمل کر لیتی ہوں''۔ شازمین فوراً ہی پھیلا ہوا سامان اٹھا کر وہاں سے چلی گئی۔

''ایسی کیا بات ہے بیٹا! جو تم بہن کے سامنے مجھ سے نہیں کر سکتے تھے؟'' راشدہ غور سے بیٹے کے سنجیدہ انداز کو دیکھتے ہوئے بولی تھیں اور اس نے لمحوں میں جیسے کوئی دھماکہ کر دیا تھا۔

''جانتے بھی ہو کیا کہہ رہے ہو؟''

''امی! میں مائدہ سے شادی نہیں کر سکتا''۔

''یہ خیال تمہیں اب آ رہا ہے جب شادی میں محض 8 دن رہ گئے ہیں؟'' اس کے زور دے کر کہنے پر وہ غصے سے بولی تھیں کیونکہ انہیں کب امید تھی کہ وہ ان سے ایسی کوئی بات کرے گا۔

''ابو سے میں نے اس وقت یہ بات کی تھی جب میری منگنی کی بات چلی تھی، مگر انہوں نے میری کسی بات پر توجہ نہیں دی، مجھے منگنی کرنے پر مجبور کر دیا''۔

''تم کیا کہہ رہے ہو مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا''۔

''امی! میں مائدہ سے شادی نہیں کرنا چاہتا، کیونکہ میں کسی اور سے محبت کرتا ہوں اور اسی سے شادی کرنا چاہتا ہوں، یہ بات میں نے منگنی ہونے سے قبل ابو سے کہہ دی تھی، لیکن انہوں نے کہا کہ وہ انکل یوسف اور پھپھو کو زبان دے چکے ہیں اور میں نے منگنی نہیں کی تو وہ مجھ سے ہر ایک رشتہ ختم کر لیں گے، میں نے مجبور ہو کر منگنی کر لی اور جب میری منگنی کا اسے پتہ چلا تو اس نے سوسائیڈ کرنے کی کوشش کی، اس لیے ابو سے میں نے پھر بات کی لیکن ابو کی یہی ایک رٹ ہے کہ میری شادی مائدہ سے ہوگی، میں ابو کی خاطر یہ شادی کر لیتا، مگر یسریٰ کو میری ضرورت ہے، اور میں اسے ایسے وقت میں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا''۔ وہ ماں کو تفصیل سے آگاہ کر رہا تھا کہ باپ کی آواز پر رک کر انہیں دیکھنے لگا۔

''ماں باپ کو تو چھوڑ سکتے ہو؟'' وہ اندر چلے آئے۔

''میں کیوں آپ لوگوں کو چھوڑنا چاہوں گا؟''

''تمہیں یا تو اس لڑکی کا خیال دل سے نکالنا ہوگا یا پھر ہمیں چھوڑنا ہوگا، مائدہ سے شادی سے انکار کرو گے تو میں تم سے ہر ایک رشتہ ختم کر کے تمہیں اپنی زندگی سے بے دخل کرتے ہوئے اپنی جائیداد سے عاق کر دوں گا''۔ ان کا لہجہ و تیور بے لچک تھے۔

''نوید! یہ کیا کہہ رہے ہیں؟''

''آپ کو کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں ہے''۔

''نوید! جب اسجد شادی کرنا ہی نہیں چاہتا تو آپ کو اس کے ساتھ زبردستی.....!''

''اچھا تو پھر کیا کروں، اکلوتی بہن کو چھوڑ دوں، اس نابنجار اولاد کی خاطر؟'' وہ بہت تیز لہجے میں بولے تھے۔

''ابو! بات اتنی بڑی نہیں تھی، جب میں نے اس رشتے سے انکار کیا تب بات گھر کے لوگوں کے درمیان تھی، بات ختم کی جا سکتی تھی، مگر آپ نے اسے شادی تک پہنچا دیا، لیکن میں یہ شادی ہرگز نہیں کروں گا''۔ اس کا لہجہ بھی سخت ہو چلا تھا۔

''اسجد! تمیز سے بات کرو، باپ ہیں یہ تمہارے''۔

''میں نے ایسی کوئی بدتمیزی نہیں کی ہے امی! ابو کو صرف حکم چلانے کا شوق ہے، دیکھنے میں انتہائی نرم خو، مگر فیصلے ایک دم اٹل کرتے ہیں''۔

''مجھے اپنی زبان کا پاس ہے اور میں کبھی اسے جھوٹا پڑنے نہیں دوں گا، مائدہ بیٹی سے شادی نہیں کی تو.....!''

''آپ مجھے عاق کر دیں گے، تو ٹھیک ہے جب آپ کو بیٹے کی خوشیوں کی پرواہ نہیں ہے صرف اپنی بات خراب ہونے کا خیال ہے تو میں صرف اپنی خوشی کا خیال کروں گا، مجھے کل بھی مائدہ سے شادی سے انکار تھا اور آج بھی ہے، گھر چھوڑ کر جانے کو کہیں گے تو میں چلا جاؤں گا''۔

''اسجد.....!''

''امی! آپ بیچ میں مت بولیں، اول و آخر فیصلہ تو ابو نے ہی لینا ہے''۔ اس کے لہجے میں بھرپور طنز کی آمیزش صاف جھلک رہی تھی۔

''ٹھیک ہے تم میرے گھر سے جا سکتے ہو، میں تمہیں اپنی زندگی سے بے دخل کرتا ہوں''۔

''نوید! پلیز اس طرح نہ کریں''۔

''جب ٹھوکریں لگیں گی زمانے کی تو والدین کی قدر آئے گی، جانے سے پہلے لیکن یہ یاد رکھنا کہ برأت کی شام سے قبل تک لوٹ آئے تو اس گھر کے دروازے تمہیں کھلے ملیں گے، مگر میرے اور میری بہن کے سروں پر خاک ڈالنے کے بعد اگر تم آؤ گے تو صرف باپ کا مرا منہ دیکھو گے''۔ وہ اپنی بات کا اثر دیکھے بنا ہی وہاں سے واک آؤٹ کر گئے تھے اور وہ فیصلہ جو اس نے بہت سوچ بچار کے بعد کوئی راہ نہ پا کر تھک ہار کر کیا تھا وہ باپ کے فیصلے کے آگے کھڑا منہ چڑا رہا تھا کیونکہ وہ اپنے باپ کی فطرت سے بہ خوبی واقف تھا ضدان کی فطرت میں نہیں تھی مگر جس بات پر آ کر اٹک جاتے تھے اس سے کوئی انہیں ہٹانے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

☆.....☆.....☆

''اسجد بیٹا! آپ اس وقت؟'' وہ 6 سے 7 دنوں میں پہلی دفعہ رات کے ڈیڑھ بجے اسے یہاں دیکھ کر قدرے حیران اور پریشان سی پوچھ رہی تھیں۔

''گھر ہے میرا کبھی بھی کسی بھی وقت آ سکتا ہوں''۔ اسجد نے کہاں کا غصہ کہاں نکالا تھا جبکہ وہ شرمندہ ہو گئی تھیں۔

''آپ اس وقت نہیں آتے بس اس لیے''۔

''فضول کی تشویش کرنے سے کہیں بہتر یہ ہوگا کہ آپ میرے لیے چائے بنا دیں، اور یسریٰ کہاں ہے؟'' صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔

''یسریٰ بٹیا تو سو گئی ہیں، آپ کہو تو میں انہیں اٹھا دوں؟''

''نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے''۔ منع کرتے ہوئے اس نے ٹی وی کھول لیا تھا مگر اس کا ذہن اس قدر منتشر تھا کہ وہ بس چینل سوئچ کرتا رہا تھا اور چائے بھی رکھے رکھے ٹھنڈی ہو گئی تھی، اس نے ماں باپ سے مایوس ہو کر کل دوپہر میں مائدہ کو فون کیا تھا مائدہ جو منگنی کے بعد پہلی دفعہ اس کا فون سن کر ہی گھبرا گئی تھی اس کی بات اسے یکدم ہی عرش سے فرش پر بڑی بے دردی سے پٹخ گئی تھی۔

''مائدہ! میں تم سے شادی نہیں کر سکتا''۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' اس کی آواز حلق میں پھنس سی گئی تھی۔

''وہی جو تم نے سنا کہ میں تم سے شادی نہیں کر سکتا''۔ اس کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا تھا جبکہ اس کا وجود زلزلوں کی زد پر تھا اور وہ تو کچھ بول بھی نہیں سکی تھی اور وہ مزید کہہ رہا تھا۔

''میں کسی اور سے محبت کرتا ہوں مائدہ! اس لیے تم سے شادی نہیں کر سکتا''۔

''ہمارا رشتہ جڑے 8 سے 10 ماہ ہو گئے ہیں، یہ خیال آپ کو اب آ رہا ہے کہ آپ کسی اور سے شادی کرنا چاہتے ہیں، وہ

بھی اس وقت کے اس کے اگلے دن رسم حنا ہے''۔اس کی آنکھیں ضبط کی کوشش کے باوجود برس رہی تھیں اور اس نے یہ سب کیسے کہا تھا یہ بس وہی جانتی تھی۔

''مائدہ! میں نے ابو اور امی کو سمجھانے کی بہت کوشش کی اور ان سے مایوس ہو کر میں نے یہ سب تم سے کہا ہے کیونکہ یہ شادی ہو بھی گئی تو میں تمہیں خوش نہیں رکھ سکوں گا''۔

''آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟''

''تم اس شادی سے انکار کر دو''۔

''میں ایسا کیسے کر سکتی ہوں؟''

''تمہیں ایسا کرنا ہوگا مائدہ!''

''میں ایسا کبھی نہیں کروں گی، آپ پر کوئی الزام نہ آئے اس لیے مجھے مشق ستم بنا رہے ہیں، مگر میں ایسا نہیں کر سکتی''۔اپنے ہی پیروں پر کھڑے رہنا اسے دشوار لگ رہا تھا۔

''پھر آگے کی ذمے دار تم خود ہو گی، مجھ سے اچھے کی امید مت رکھنا، تم ہمارے گھر کا حصہ میرے حوالے سے ضرور بنو گی مگر میں تمہیں بیوی کا حق اور درجہ کبھی نہیں دوں گا''۔وہ ریسور کان سے لگائے ساکت کھڑی تھی۔

''تم صرف بہو بن کر ہمارے گھر میں رہو گی''۔

''میں اپنی خوشی اور ذات کا مان اہم سمجھتی ہوں، مگر اپنے والدین کی عزت پر میں خود کو بھی قربان کر سکتی ہوں''۔اس نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا تھا، اور آج ان کی نایوں مہندی کی رسم ایک ہی ہال میں ایک ساتھ ہی کی گئی تھی جہاں مائدہ نے اپنے دکھ کو باہر نہیں آنے دیا تھا، وہیں اسجد کا سنجیدہ اور قدرے بیزار انداز سب ہی نے محسوس کیا تھا مگر اس سے کہا کسی نے کچھ نہیں تھا اور وہ رسموں سے فارغ ہو کر گھر جانے کے بجائے تو قیر کے فلیٹ پر آ گیا تھا، جہاں یسریٰ رہ رہی تھی، اسجد نے یہ فلیٹ اس سے خرید کر یسریٰ کے نام کر دیا تھا اور اکیلے پن کی وجہ سے بوا جی چوبیس گھنٹے ساتھ ہی رہتی تھیں، وکیلہ بی بی کی ایک بہن جو تو قیر کے گھر ملازمہ تھی کہ علاوہ کوئی بھی نہیں تھا، شوہر کو مرے 15 برس ہو گئے تھے اور اکلوتا بیٹا 16 برس کی عمر میں ٹائیفائیڈ کا شکار ہو کر 6 ماہ قبل چل بسا تھا اور بیٹے کی موت کے بعد ہی وہ اپنا آبائی گاؤں چھوڑ کر بہن کے پاس آ گئی تھی جو بے اولاد تھی اور شوہر بھی نہیں تھا، تو قیر کے گھر برسوں سے نوکری کر رہی تھی، وکیلہ بی بی کو اور کیا چاہیے تھا نوکری تو ملی ہی تھی سر چھپانے کو چھت بھی مل گئی تھی۔

''اسجد بیٹا! چائے نہیں پی، رکھے رکھے ٹھنڈی ہو گئی ہے''۔وہ اس وقت تک سو جاتی تھیں، مگر اسے کسی چیز کی ضرورت نہ پڑے اس خیال سے جاگ رہی تھیں، فلیٹ میں دو بیڈ روم تھے جس میں سے ایک ان کے تصرف میں تھا۔

''جی، خیال نہیں رہا، مگر آپ سوئی نہیں؟'' وہ کسی خیال سے چونک اٹھا تھا۔

''میں نے سوچا آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو گی''۔

''نہیں آپ جا کر سو جائیے، کسی چیز کی ضرورت ہو گی تو میں خود لے لوں گا''۔وہ دکھتے سر کو انگلیوں سے دبا رہا تھا، وہ اثبات میں سر ہلاتی مڑی ہی تھیں کہ یسریٰ انہیں آوازیں دے رہی تھی وہ اس کے روم میں چلی گئی تھیں اور ان کے بتانے پر کہ اسجد آیا ہے وہ گھڑی پر نظر ڈالتی متحیری بولی تھی۔

''اسجد! اور اس وقت.... سب خیریت تو ہے؟'' وہ بال سمیٹتی اٹھ بیٹھی تھی اور جبھی اسجد دروازے پر ہلکے سے دستک دیتا اندر

چلا آیا تھا اور بوا جی کمرے سے نکل گئی تھیں۔

''اسجد! سب خیریت تو ہے آپ....!''

''میں اس وقت فضول بات نہیں سننا چاہتا، سر میں شدید درد ہو رہا ہے، کچھ کر سکتی ہو تو میرا سر دبا دو، ورنہ خاموشی سے سو جاؤ''۔وہ نہایت سنجیدگی سے کہتا شرٹ کے کف فولڈ کرنے لگا تھا، موبائل اور گاڑی کی چابی سائیڈ ٹیبل پر رکھی تھی اور بیڈ کی بائیں جانب لیٹ گیا تھا۔کیونکہ دائیں طرف یسریٰ بیٹھی تھی، اس نے پیروں پر پھیلایا کمبل اس پر ڈالا تھا اور سرک کر اس کے سرہانے آ بیٹھی تھی اور دھیرے دھیرے اس کا سر دبانے لگی تھی۔

''اسجد! آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں، مجھے اپنی پریشانی کی وجہ نہیں بتائیں گے؟'' اس کے لہجے میں بلا کی نرمی تھی تو اس نے آنکھیں کھول کر یسریٰ کے چہرے کو دیکھا تھا گلابی چہرہ تیکھے نقوش وہ اس کا ہاتھ تھام گیا تھا۔

''کوئی پریشانی نہیں ہے''۔ہلکے سے کہتے ہوئے اس کے گلابی ہاتھ کا جائزہ لینے لگا تھا، اس کی آنکھوں میں ایسا کچھ تھا کہ اس نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے نکالنا چاہا تھا جس میں وہ کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔

''تمہارے ہاتھ بہت خوبصورت ہیں یسریٰ!'' کہتے ہوئے وہ اس کے ہاتھ کی پشت پر لب رکھ گیا تھا جسے وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں کھینچ گئی تھی۔

''اسجد! آپ کو اس وقت یہاں نہیں آنا چاہیے تھا''۔گھبراہٹ اور شرم وحیا اس کے چہرے کو مزید دلکش بنا رہے تھے اور وہ بیڈ کے سرے پر جا بیٹھی تھی۔

''کیا مطلب نہیں آنا چاہیے تھا، کون ہے جو مجھے میرے ہی گھر میں میری بیوی کے پاس آنے سے روک سکے؟'' وہ اس کی گھبراہٹ سے محظوظ ہوا تھا اور اسے یاد آیا تھا ان کی تیسری یا چوتھی ملاقات تھی وہ پی سی میں لنچ کرنے گئے تھے یسریٰ کافی کنفیوژ ہو رہی تھی، اسے ریلیکس رہنے کا کہتے ہوئے وہ یسریٰ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ گیا تھا اور وہ تو جیسے کرنٹ کھا کر سیٹ سے ہی اٹھ گئی تھی، چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں اور اس دن کے بعد اس نے کبھی ایسی کوئی کوشش نہیں کی تھی، وہ بڑے محتاط انداز میں اس سے فاصلے پر ہو کر ہی بیٹھا کرتی تھی اور اس کی یہ احتیاط اسجد کو بڑی بھلی لگتی تھی، اس کا شرارت بھرا لہجہ اس کی نگاہیں جھکا گیا تھا اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے کھینچا تھا اور وہ اس کے کاندھے سے آ لگی تھی اس نے ٹھوڑی سے پکڑ کر چہرہ اونچا کیا تھا، گلابی چہرے پر سیاہ پلکیں لرزتے ہوئے سایہ فگن تھیں، اس نے پہلی دفعہ اپنے حق کا استعمال کرتے ہوئے بھرپور استحقاق سے جسارت کی تھی۔

''پلیز اسجد! آپ نے کہا تھا''۔اس کے لب لرزے تھے۔

''میں نے تو بہت کچھ کہا تھا، مگر یہ وقت ان باتوں کو دہرانے کا نہیں ہے''۔وہ مکمل اس کے حسن کے سحر میں جکڑا جذبات کی رو میں بہنے کو بے قرار تھا، اور وہ کہاں اس کی جسارتوں پر بند باندھ سکتی تھی۔

☆.....☆.....☆

''شازمین! پلیز رو نہیں، سب ٹھیک ہو جائے گا''۔

''زرمین آپی! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے''۔زرد کپڑوں میں پھولوں کا زیور پہنے وہ بے حد پژمردہ لگ رہی تھی۔

''تم خوامخواہ میں ڈر رہی ہو، میں اسجد بھائی کو اچھے سے جانتی ہوں، وہ کہیں نہیں جائیں گے، وہ گھر آ جائیں گے''۔

''آپ نہیں جانتیں آپی! اسجد بھائی گھر چھوڑنے کا کہہ رہے تھے''۔جب وہ سب ہال سے گھر آئے تھے اسجد کو نہ پا کر

تشویش میں مبتلا ہوگئے تھے، مگر نوید عالم بیوی سے یہ کہہ کر چلے گئے تھے۔

''وہ گھر پر نہیں ہے تو نا سہی، اسے کال کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے، شادی پر وہ نہیں پہنچا تب اسے بتاؤں گا کہ وہ میرا باپ نہیں میں اس کا باپ ہوں''۔ نوید عالم کے صاف منع کرنے پر بھی راشدہ نے اس کا نمبر ملایا تھا جو بند آ رہا تھا اور شازمین نے زرمین کو کل سن لینے والی باتیں بتا دی تھیں۔

''وہ گھر چھوڑ کر نہیں جائیں گے، تم کیوں پریشان ہو رہی ہو؟'' زرمین نے اس کا سرد ہاتھ تھام لیا تھا۔

''آپی! اگر اسجد بھائی نہیں آئے اور پھپھو کی فیملی کو پتہ چلے گا تو کیا ہوگا؟''

''کیوں فضول کی سوچیں پال رہی ہو؟''

''مجھے خوف آ رہا ہے آپی! اگر بھائی کی عین شادی والے دن شادی ٹوٹے گی تو ساتھ میں میری بھی شادی ٹوٹ جائے گی''۔

''پاگل مت بنو، ایسا کچھ نہیں ہوگا''۔ اس کے آنسو صاف کیے تھے۔

''ایسا ہی ہوگا آپی! جب بھائی مائدہ اپیا سے شادی نہیں کریں گے تو راحم بھی مجھ سے شادی نہیں کریں گے، اور میں ان کے بغیر مر جاؤں گی، بہت محبت کرتی ہوں میں راحم سے''۔ شازمین اس کے کاندھے سے لگی سسک رہی تھی، خوفزدہ تو وہ خود بھی تھی اس لیے بلکتی ہوئی بہن کو تسلی و دلاسے بھی ڈھنگ سے نہیں دے پا رہی تھی، بمشکل اسے پانی پلا کر چپ کروایا۔

''مجھے لگتا ہے جب اسجد بھائی، مائدہ سے شادی کرنا ہی نہیں چاہتے تو ابو کو ان کے ساتھ زبردستی نہیں کرنی چاہیے''۔ وہ کچھ دیر بعد کچھ سوچ کر بولی تھی۔

''مائدہ اپیا کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے، اس بات سے مجھے انکار نہیں ہے اور میں بھائی کے جانے سے اس لیے خوفزدہ نہیں ہوں کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ ان کی شادی ٹوٹی تو میری بھی ٹوٹ جائے گی، اگر شادی ٹوٹ جانے میں اپیا کی بھلائی ہے تو میں بھی چاہوں گی کہ یہ شادی ٹوٹ جائے، مگر آپ خود بتایئے، عین شادی والے دن اسجد بھائی کا شادی سے انکار اپیا کی زندگی برباد نہیں کر دے گا، جبکہ شادی ہوگئی تو بھائی ابھی نہیں مگر کچھ سالوں میں انہیں محبت کرنے لگیں گے جبکہ پہلی صورت میں کتنی ہی انگلیاں ان پر اٹھیں گی، اسجد بھائی کو اس شادی پر اعتراض تھا تو پہلے کہتے یوں مہندی کی شب تو فرار حاصل نہ کرتے''۔ شازمین کو بھائی پر بے انتہا غصہ آ رہا تھا۔

''ہاں، اسی خیال سے تو میں بھی خوفزدہ ہوں، اور اگر پھپھا اور پھپھو کو اس سب کا پتہ چلے گا تو وہ کتنے دکھی ہوں گے، عمر بھر کے لیے رشتوں میں دراڑیں پڑ جائیں گی جنہیں قیامت تک بھرا نہیں جا سکے گا''۔ زرمین کو بھی بھائی کے فیصلے نے رنج پہنچایا تھا، مائدہ کی وہ واحد دوست جو اس کے تمام جذبوں سے واقف تھی، اسی لیے بھی چاہتی تھی کہ شادی ہو جائے کیونکہ اسے یقین تھا کہ مائدہ کی محبت اسجد کا دل جیت لے گی مگر وہ یہ کہاں جانتی تھی کہ اسجد کے دل پر جس کا بسیرا تھا وہ اس کے تن من کا ساتھی بن کر اسے اپنی زندگی میں بہت اہم جگہ دے چکا تھا ایسے میں مائدہ کی جگہ کہیں نکلتی ہی نہیں تھی، یہ شادی مائدہ کی عزت نفس کے قتل کے مترادف تھی، جہاں اسے روز جینا اور روز مرنا تھا، اس کے اپنے اس کے لیے اچھا بہت اچھا سوچ رہے تھے مگر اپنوں کے اچھا کرنے اور سوچ لینے سے قسمت کے اندھیرے کبھی نہیں مٹتے اور مائدہ کے مقدر میں فی الحال تو اندھیرا ہی رقم تھا۔

☆.....☆.....☆

''اسجد بھائی! خدا کے لیے گھر آ جائیں، اگر آج آپ نہ آئے تو کتنے ہی دل اجڑ جائیں گے، رشتے بکھر جائیں گے، اپنوں کی خاطر بہن کی خوشی کے لیے ہی یہ شادی کر لیں، ورنہ سب ختم ہو جائے گا، ہیلو.... بھائی! آپ سن رہے ہیں ناں؟'' زرمین نے جواب نہ پا کر ہیلو ہیلو کرنا شروع کیا تھا کہ یسریٰ نے جلدی سے لائن کاٹ دی تھی۔

''اسجد کی آج شادی ہے اس لیے یہ رات سے یہاں ہیں''۔

''کہاں گم ہیں مسز اسجد!'' وہ شاور لے کر نکلا تھا اسے گم صم دیکھ کر اس کے برابر بیٹھتے ہوئے آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا تھا اور وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی یہ وہ شخص تھا جسے وہ خود سے زیادہ چاہتی تھی، جس کی خاطر جان دینے چلی تھی، جو کل تک اس کے دل کا مکین تھا، آج وہ اس کی روح اس کے جسم و جان کا مکین بنا بیٹھا تھا، جس کا نام اس کے نام کے ساتھ جب سے لگا تھا اسے اپنا نام معتبر لگنے لگا تھا۔

''مسز! رات کے سحر سے باہر نکل آیئے''۔ شرارت سے اس کے رخسار پر چٹکی لی تھی۔

''اسجد! آپ رات میرے پاس کیسے آئے تھے؟''

''کیسے آیا تھا، ابھی بتا دیتا ہوں''۔ وہ شرارت سے اس پر جھکا تھا مگر وہ اس کو پرے دھکیلتی بیڈ کے کونے پر سرک گئی تھی۔

''اسجد! آپ نے کہا تھا کہ آپ کا یہاں اس گھر میں میرے پاس رات گئے تک آنا مشکل ہوگا، تو آپ رات کیسے آ گئے؟'' اس کی غیر معمولی سنجیدگی اسے چونکا گئی۔

''تم کیا پوچھنا چاہ رہی ہو؟''

''آپ نے کہا تھا کہ جب تک آپ کے پیرنٹس کو آپ راضی نہیں کر لیں گے جب تک آپ دوریاں مٹانے کی کوشش نہیں کریں گے، یہ بات میں نے رات کو بھی آپ کو یاد دلانا چاہی تھی، مگر آپ کے منہ زور جذبوں نے جسے ناکام بنا دیا، مگر مجھے اب اس سوال کا جواب چاہیے کہ آپ کیا کہہ کر رات سے اب تک یہاں ہیں؟'' اس کی نگاہیں اس کے پرکشش چہرے پر جمی تھیں۔

''تمہیں میرا اپنے نزدیک آنا اچھا نہیں لگا؟''

''ایسی بات ہوتی ناں تو میں رات کو ہی کہتی، ایک بیوی کے لیے اس کے شوہر کی محبت اور اس کا قرب ہی زندگی ہوتا ہے''۔

''تو پھر فضول کی باتوں کا مطلب کیا ہے؟''

''آپ مجھے صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ آپ، اپنے پیرنٹس کو چھوڑ آئے ہیں؟'' وہ اسے دیکھ رہی تھی اور وہ بری طرح چونکا۔

''تم سے کس نے کہا؟''

''اس بات کو رہنے دیں اور میری بات کا جواب دیں''۔

''میں اپنے باپ کا گھر چھوڑ آیا ہوں، مل گیا جواب ہوگئی تسلی؟'' وہ کھڑا ہوتے ہوئے آئینے کے سامنے جا کھڑا ہوا اور برش کرنے لگا۔

''لیکن کیوں اسجد؟'' اسے دکھ ہوا تھا۔

''کیونکہ آج میری مائدہ سے شادی ہے، اگر وہاں رہتا تو مجھے شادی کرنا پڑتی اس لیے میں وہاں سے چلا آیا''۔

''یہ کہیں کہ بھاگ آئے ہیں''۔

''اب جو بھی کہہ لو''۔ وہ تپ کر کہتا دوبارہ اس کے برابر آ بیٹھا۔

''آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا اسجد!''

''تو پھر کیا کرتا، ہر ممکن کوشش کی ابو کو راضی کرنے کی، امی کو منانا چاہا مگر سب بے سود، مہندی کا فنکشن میرے جذبات پر ہتھوڑے سے برسا رہا تھا، اس لیے میں نے گھر چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا، میں مائدہ سے شادی نہیں کر سکتا اور کیا تم یہ برداشت کر لوگی؟'' اس نے الٹا اسی سے پوچھ لیا تھا اور اس نے جو جواب دیا تھا کہ کم از کم اس کی اسے امید نہیں تھی۔

''جانتی ہو کیا کہہ رہی ہو؟''

''ہاں اسجد! آپ کو مائدہ سے شادی کر لینی چاہیے، اس طرح کتنی ہی زندگیاں تباہ ہونے سے بچ جائیں گی''۔

''دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا، اپنے شوہر کو دوسری شادی کرنے کا کہہ رہی ہو؟''

''ہاں میں اپنی خوشی اور مرضی سے آپ کو دوسری شادی کی اجازت دے رہی ہوں''۔ وہ اس کو بغور دیکھ رہا تھا، یہ سب بظاہر وہ مضبوط لب و لہجے میں کہہ رہی تھی مگر دل کے اندر کیسی طغیانی تھی وہ محسوس کر سکتا تھا، اس نے ہی تو اس پاگل لڑکی کی شدتیں آنکھوں سے دیکھی اور دل سے محسوس کی تھیں۔

''اوہ...! اجازت دے تو رہی ہو، مگر میرے بغیر جی سکو گی، مجھے کسی اور کے ساتھ بانٹ لینے کا حوصلہ رکھتی ہو اپنے دل میں؟''

''نہیں اسجد! نہیں.... آپ بن تو میں مر جاؤں گی، یہ اجازت میں جس دل سے دے رہی ہوں بس میں ہی جانتی ہوں''۔ وہ رو رہی تھی۔

''تو تم سے کون کہہ رہا ہے کہ تم ایسا کچھ کرو؟'' اپنی پوروں پر اس کے آنسو چنتے ہوئے برہمی سے بولا۔

''آپ کے رشتے اسجد! انہیں آپ کی ضرورت ہے، ایک بیٹے کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنے باپ کے فیصلے کی لاج رکھے، ماں کے ارمان پورے کرے، بہنوں کو خوش رکھے، یہ بھائی کا فرض ہوتا ہے، آپ نے مائدہ سے شادی نہیں کی تو آپ کی بہن کی شادی ٹوٹ جائے گی، اور میں نہیں چاہتی کہ میرے اسجد، رشتوں کے مقروض ہو جائیں''۔ وہ اس کا ہاتھ تھامے ہوئے تھی۔

''میں نے آپ سے محبت کی ہے مگر میری محبت خود غرض نہیں ہے، میرے لیے تو اتنا ہی کافی ہے کہ آپ کا نام میرے نام کے ساتھ جڑا ہے، آپ کے وجود کی مہک میرے وجود میں اور میرا وجود آپ کے وجود کو مہکا رہا ہے اور اس مہک کو بانٹنا میرے لیے بہت مشکل ہے مگر میں ساری زندگی رشتوں کو ترسی ہوں ان کی اہمیت جانتی ہوں اور نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے آپ کے رشتے آپ سے بچھڑ جائیں، آپ کے رشتے اب میرے بھی ہیں، آج آپ اپنے پیرنٹس کا مان رکھیں گے تو ہو سکتا ہے وہ ایک دن میرے وجود کو تسلیم کر لیں، مگر آج آپ نے میری خاطر انہیں چھوڑ دیا تو میں ساری زندگی خود سے نظر نہ ملا سکوں گی، رشتے ملنے کی جو آس بندھی ہے وہ بھی ساتھ چھوڑ جائے گی اور میں ایسا نہیں چاہتی اس لیے آپ سے ریکویسٹ کرتی ہوں کہ آپ گھر چلے جائیں اور جا کر شادی کر لیں''۔

''پاگل ہو گئی ہو، یہ سب جتنی آسانی سے کہہ رہی ہو، برداشت نہیں کر سکو گی، اور ابھی میں نے گھر میں ہماری شادی کا نہیں بتایا، مائدہ سے شادی کے بعد تو بالکل نہیں بتا سکوں گا، تو پھر میرے والدین تمہیں ایکسیپٹ کریں گے؟''

''ابھی نہیں بتایا، آئندہ بھی کبھی مت بتایئے گا، کم از کم اس طرح آپ کے گھر والے تو خوش رہیں گے''۔

''میں کچھ چھپانا نہیں چاہتا''۔

''مگر مجبوری ہے، آپ کو میری قسم اسجد! انکار مت کریں''۔ اسے منہ کھولتے دیکھ کر وہ لجاجت سے بولی تھی۔

''اسلام میں تو چار شادیوں کی اجازت ہے، اور عورتیں بھی تو برداشت کرتی ہیں میں بھی کر لوں گی، آپ سے کبھی شکایت نہیں کروں گی، بس میری آپ سے اتنی ہی ریکویسٹ ہے کہ مجھ سے جب تک میں زندہ ہوں اپنا نام اور محبت مت چھینئے گا، ورنہ میں مر جاؤں گی''۔ وہ اس کے سینے سے لگ کر بلک اٹھی تھی۔

''مائدہ! اگر تم اس شادی سے انکار کر دیتیں تو آج سچویشن الگ ہوتی، تم سے اپنی بیسٹی کے ایک ایک آنسو کا حساب لوں گا''۔ اس نے بیسٹی کے آنسو پونچھتے ہوئے نفرت سے سوچا تھا۔

☆.....☆.....☆

شازمین رخصت ہو کر راحم کے ساتھ چلی گئی تھی اور مائدہ رخصت ہو کر اسجد کے سنگ چلی آئی تھی، شازمین سسرال والوں کی بھی من چاہی تھی اور راحم کے دل پر بھی اس کا بسیرا تھا جبکہ مائدہ جس کے سبب آئی تھی وہی اس سے انجان تھا، رسمیں ادھوری چھوڑ کر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اپنے کمرے میں چلا گیا تھا، وہ دونوں بہنیں ایک دوسرے کی شکل دیکھ کر رہ گئی تھیں اور ساجدہ کے کہنے پر زرمین اسے اسجد کے کمرے میں لے آئی تھی۔

''تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہے تو بتا دو؟''

''زرمین! ایک گلاس پانی دے دو''۔ مائدہ کے کہنے پر اس نے روم فریج سے نکال کر پانی پلایا تھا، دو دن سے تو اس کی بھوک ہی اڑی ہوئی تھی وہ برائے نام ہی کھا رہی تھی اور آج دوپہر سے تو اس نے ایک لقمہ گلے سے نیچے نہیں اتارا تھا۔ زرمین کے بہت کہنے پر بھی وہ کچھ کھانے کو تیار نہیں ہوئی تھی اور وہ اسے وہاں چھوڑ کر نکل گئی تھی اس کے جاتے ہی وہ بیڈ سے اتری تھی واش روم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی اس لیے وہ الماری سے سادہ کاٹن کا سوٹ نکال کر ڈریسنگ روم میں چلی گئی تھی، سارے زیورات اور کپڑے وغیرہ اتار کر اس نے وہیں رکھ دیئے تھے اور تقریباً 20 منٹ میں اس سب سے فارغ ہو کر وہ دروازہ کھول کر نکلی اور ادھر ادھر دیکھے بنا واش روم میں چلی گئی، ٹشو پیپرز سے میک اپ صاف تو کر چکی تھی، مگر اس نے فیس واش سے اچھی طرح منہ دھویا اور ٹاول سے منہ خشک کرتی کمرے میں آ گئی تو اس کی نگاہ بیڈ کی سائیڈ جانب بیٹھے اسجد پر پڑی اور اسی وقت اس نے بھی مائدہ کو دیکھا، مگر جسے وہ نظر انداز کرتی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا رکی اور قد آدم آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر بال بنانے لگی۔ وہ جس طرح زرمین کی شادی میں اسے دیکھ کر گھبراہٹ کا شکار ہوتی رہی تھی، اس کے بعد مائدہ کا اتنا پراعتماد انداز اسجد کو اندر ہی اندر حیران کر گیا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ وہ جب واش روم سے نکلے گا تو وہ بیڈ پر بیٹھی اس کی منتظر ہو گی، مگر وہ تو سرے سے غائب تھی اور لوٹی بھی تو اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئی تھی، بلکہ اسے بری طرح اگنور کر دیا تھا، وہ اس کے پہلے جھٹکے سے نہیں سنبھلا تھا کہ وہ اپنے کام سے فارغ ہوتی بیڈ کی دائیں طرف کا تکیہ درست کرتی بیڈ پر دراز ہو گئی تھی اور وہ کچھ پل تو ساکت سا بیٹھا رہا تھا پھر یکدم غصے سے تنتناتا ہوا اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

(جاری ہے.....)

☆.....☆.....☆

سائرہ شفق ناز

افسانہ

بدلتی رُت

تیرے پہلو میں کیا ہے؟
دل ہے درد دل کی دوا ہے
سچے پیار کی خوشبو تیرے پہلو میں
جیون کا ہر پہلو تیرے پہلو میں
ہم کو پتہ ہے، ہم کو خبر ہے

''کیوں بند کیا تم نے ٹیپ؟'' کنول زور سے چلائی۔

''ہر وقت نامستی مذاق مت کیا کرو، اٹھو اور کام کرو''۔ جیا نے چلاتے ہوئے کہا۔

''سننے دو ناں، ابھی تھوڑی دیر بعد بند کر دوں گی، اور کون سا کام کرنا ہے؟'' کنول نے چڑتے ہوئے کہا۔

''کنول! کبھی تو سیریس ہو جایا کرو''۔ جیا نے بھی لتاڑتے ہوئے کہا۔

''ہاں! تم سب تو جیسے ساری ہر وقت سیریس رہتی ہو ناں؟ اللہ نے چڑیا گھر کے سارے جانور اس گھر میں بھیج دیئے ہیں''۔ کنول نے ٹیپ کے بند ہو جانے کا غصہ نکالا۔

''کیا کام کرنا ہے، اب پھوٹو بھی؟'' کنول نے جیا کی طرف کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھا۔

''دیکھو تو دعا! کتنی زبان ہے اس کی''۔ جیا نے دعا کو آتا دیکھ کر کہا۔

''جیا! دعا نے مجھے دیکھا ہوا ہے، تم کوئی اور بات کرو''۔ کنول نے ہنستے ہوئے کہا۔

''جیا تم کیوں اس کو کام بول رہی ہو؟'' حنا نے کنول کو ہنستا دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں! اس کو بول دو، سارے گھر کی ذمے داری تو جیسے اس کے اوپر ہے ناں؟'' کنول نے حنا کو گھورا۔

''میں جا رہی ہوں یہاں سے، ہر وقت چیخ و پکار ہوتی رہتی ہے''۔ دعا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''ہاں! جاؤ تم سے تو ویسے بھی کوئی کام ہوتا نہیں ہے''۔ جیا نے دعا کو جاتا دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ بات اس کے سامنے کہتی ناں؟'' حنا نے جیا کی طرف دیکھ کر کہا۔

''ہاں! جو تھوڑی بہت بے عزتی رہ گئی ہے وہ یہ پوری کر دے گی''۔ جیا نے حنا کو اور کنول کو ہنستے دیکھ کر کہا۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' دعا نے علی کو آتا دیکھ کر پوچھا۔

''تم سے ملنے کی تمنا ہے، پیار کا ارادہ ہے...'' علی پنک کپڑوں میں ملبوس دعا کو شرارت سے دیکھ کر گنگنایا۔

''علی! تمہیں مارنے کا ارادہ ہے، بھاگنے کا ارادہ ہے اور ایک خون کا وعدہ ہے ہو....ہو....!'' حنا نے پیچھے سے علی کے کان میں گایا۔ دعا، حنا کو دیکھ کر بھاگ گئی۔

''تم تو سدا کی میری دشمن ہو، سالی آدھی گھر والی''۔ علی شرارت سے باز نہیں آیا۔

''علی! تم سے کتنی بار بولا ہے، مجھے یہ لفظ مت بولا کرو سمجھے؟'' حنا نے غصے سے کہا۔

''کیوں نہ بولوں، میں تو بولوں گا''۔ علی نے شرارت سے کہا۔

''ہاں! اور کیا آتا ہے تم لوگوں کو ہمارا مذاق اڑانے کے سوا'' حنا نے غصے سے کہا۔

''حنا! شٹ اپ! ہر وقت ہر بات کا الٹا مطلب مت لیا کرو، اگر تمہیں ہم سے بات نہیں کرنی ہے تو بول دو، ہر وقت ہمارے پیار کو شک کی نگاہ سے مت دیکھا کرو'' علی غصے سے بولا۔

''علی! تم کب آئے ہو؟'' جیا نے علی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''جب میری عزت افزائی ہو رہی تھی'' علی نے حنا کو خشمگیں نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا۔ حنا غصے سے واک آؤٹ کر گئی۔

''علی! تم اس کی نیچر جانتے ہو، وہ رشتوں کو لے کر کتنی پوزیسیو ہو جاتی ہے'' ۔ جیا نے اداسی سے کہا۔

''آئی نو جیا! بٹ جو پیار کرتا ہے اس کو تو سمجھنا چاہیے، اپنے اردگرد رہنے والے لوگوں کو تو سمجھے، ہر ایک انسان ایک جیسا نہیں ہوتا'' ۔ علی نے جیا کو سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''علی! امی کے مرنے کے بعد تو کوئی رشتہ بھی ہمارے پاس نہیں تھا اور ابو نے بھی ہمارا ساتھ چھوڑ دیا، تو تم ہی بتاؤ، ہم کس رشتے پر اعتبار کرتے؟'' جیا بے اختیار رونے لگی۔

''جیا..... جیا یار! تم بھی رونے لگی ہو، ہم لوگ تو تمہارے پاس ہیں ناں؟'' علی نے جیا کو چپ کراتے ہوئے کہا۔

''علی! اگر تم لوگوں کا ساتھ نہ ہوتا تو شاید ہم لوگ تو آج بھی یہاں پر نہ ہوتے'' ۔ جیا نے چپ ہوتے ہوئے کہا۔

☆.....☆.....☆

جلال کا تعلق ایک مڈل کلاس گھرانے سے تھا، جلال کے گھر ایک کے بعد ایک لڑکی کی پیدائش نے انہیں چڑچڑا کر دیا تھا، بیوی کے ساتھ مار پیٹ، گالم گلوچ ان کے مزاج کا حصہ بن چکی تھی، ایک دن جلال کی بیوی مریم کی دماغ کی شریان پھٹ جانے سے ان کی موت واقع ہو گئی، جلال کو تو جیسے آزادی مل گئی، اس نے دوسری شادی کر لی اور اپنی تینوں بیٹیوں کو زمانے کی ٹھوکریں کھانے کے لیے چھوڑ دیا۔ ان کی خالہ نے تینوں کو اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔ کنول بہت چڑچڑی ہو گئی تھی، اسے لگتا تھا جب باپ نے ساتھ چھوڑ دیا، تو اور کوئی کیا اس کا ساتھ دے گا، دعا اور جیا دونوں جاب پر جاتی تھیں، باوجود اپنی خالہ کے منع کرنے پر کہ وہ کسی پر بوجھ نہیں بننا چاہتی تھیں۔ علی، دعا کو لائک کرتا تھا اور کنول علی سے بہت چڑتی تھی۔ وہ سب کے پیار کو ایک ہمدردی سمجھتی تھی، اسے لگتا تھا وہ لوگ سب پر بوجھ ہیں۔

☆.....☆.....☆

''خالہ! ابو اسپتال میں ہیں؟'' جیا نے خالہ کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

''تمہیں کس نے بتایا؟'' انہوں نے پوچھا۔

''فون آیا تھا ان کی بیوی کا'' ۔ جیا نے اداسی سے کہا۔

''کیا کہہ رہی تھی؟'' خالہ نے پوچھا۔

''ابو کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہے اور وہ ہمیں یاد کر رہے ہیں'' ۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے ہمیں ان کے پاس جانے کی'' ۔ کنول نے اندر آتے ہوئے کہا۔

''کنول بیٹا! میں بات کر رہی ہوں ناں؟'' خالہ نے کنول کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''کیوں جائیں ہم اس شخص کے پاس، جس نے

ساری زندگی ہمیں دکھ دینے کے سوا کچھ بھی نہیں کیا، حیرت ہے خالہ! اس شخص نے کبھی اپنے سکھ میں ہمیں یاد نہیں کیا تو دکھ میں کیسے یاد آ گئے؟'' کنول نے روتے ہوئے کہا۔

''اس لیے خالہ! میں نہیں بتا رہی تھی، دیکھیں کیسے رو رہی ہے'' ۔ جیا نے کنول کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ دعا بھی دونوں کو دیکھ کر رونے لگی۔

''پاگل ہو گئی ہو کیا تم لوگ، میں نہیں ہوں کیا تم لوگوں کے پاس؟'' خالہ نے اس کو چپ کرواتے ہوئے کہا۔

''تم لوگوں کو جانا چاہیے'' ۔

''خالہ! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟'' جیا نے حیرت سے اپنی خالہ کو دیکھا۔

''ہاں! میں جانتی ہوں تم لوگ کیا سوچ رہی ہو، اور خاص طور سے یہ کنول، یہ تو ہمیشہ سے ہی مجھے غلط سمجھتی ہے، شاید اس وقت بھی سمجھ رہی ہو گی'' ۔

''خالہ! کنول تو.....!'' دعا گھبرا کر بولی۔

''بیٹا! جانتی ہوں'' ۔ خالہ نے دعا کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''آخری بار جا کر دیکھ آؤ، تمہاری ماں ہوتی تو شاید وہ بھی یہی کہتی، بیٹا! انسان کتنا بھی اونچا چلا جائے بڑی بڑی باتیں کرے، لیکن جب قدرت کی پکڑ میں آتا ہے، تو تب پتہ چلتا ہے، غرور و تکبر تو اس رب پاک کی ذات کو بالکل پسند نہیں ہے اور بیٹا! بیٹیاں تو رحمت ہوتی ہیں، دیکھو ناں اس کا انصاف، تمہارا باپ ہی تم لوگوں کو زحمت سمجھتا تھا اور آج تم لوگوں سے ملنے کے لیے تڑپ رہا ہے'' ۔ انہوں نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''جیا! میں تیری ماں نہیں ہوں ناں شاید اس لیے میں جانتی ہوں بیٹا! ماں صرف ماں ہی ہوتی ہے، کوئی اس کی جگہ نہیں لے سکتا، پر بیٹا! خدا گواہ ہے میں نے کبھی تم لوگوں کو اپنے علی سے کم نہیں سمجھا، تم لوگوں نے جیسا چاہا کیا، میں نے کبھی نہیں روکا، یہ سوچ کر کہ شاید تم لوگوں کو یہ نہ لگے کہ ہماری ماں ہوتی تو ہمارے ساتھ ایسا نہ ہوتا صرف اس وجہ سے میں نے تم لوگوں کو جاب کی اجازت بھی دی، پر بیٹا! آج تم لوگوں کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کہتی ہوں جا کر اپنے باپ سے آخری بار مل لو'' ۔ خالہ نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

''خالہ! یہ آپ کیا کر رہی ہیں، کیوں ہمیں گنہگار کر رہی ہیں، مجھے معاف کر دیں خالہ! میں کتنی بری ہوں ناں، ہمیشہ آپ لوگوں کو غلط سمجھتی رہی'' ۔ کنول نے خالہ کے گلے لگتے ہوئے کہا۔

''کنول! میری بچی، تُو مجھ سے معافی مت مانگ، تُو تو میری سب سے اچھی بچی ہے'' ۔ خالہ نے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا۔

''تو خالہ جانی! ہم سب کیا برے ہیں؟'' دعا نے ماحول کی افسردگی ختم کرنے کے لیے کہا۔

''نہیں! تم سب بہت اچھی ہو'' ۔ خالہ نے بھی ہنستے ہوئے کہا۔

☆.....☆.....☆

''تم لوگ مجھے معاف کر دینا، میں آخری بار تم لوگوں سے ملنا چاہتا تھا، میں اس قابل تو نہیں ہوں کہ تم لوگ مجھے معاف کرو، پر ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا'' ۔ انہوں نے روتے ہوئے کہا۔

''ابو! ہم نے آپ کو معاف کیا'' ۔ جیا نے آگے بڑھ کر کہا۔

''خ.....خو.....خوش رہو تم'' ۔ اور ان کی روح پرواز کر گئی۔

''He is no more''۔ڈاکٹر نے کہا۔تینوں کو لگا جیسے ہاسپٹل کی چھت ان کے اوپر گر گئی ہو۔

''ابھی تو ہم ٹھیک طریقے سے ابو سے ملے بھی نہیں تھے کہ وہ ہم سے اتنی دور چلے گئے کہ اب واپس بھی نہیں آسکتے۔

''کیوں جیا! کیوں محبت ہمیں راس نہیں آتی ہے؟'' کنول یہ کہتے ہوئے رودی۔

''ارے کنول! کیا ہوا تمہیں، کیوں ایسے رو رہی ہو؟'' علی نے کنول کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

''علی بھائی! ابو بھی ہمیں چھوڑ کر چلے گئے، ہم کتنے بدنصیب ہیں جو آخری وقت میں ان کے پاس نہیں تھے، علی بھائی! آپ بھی پلیز مجھے معاف کر دینا، میں نے آپ کے ساتھ بھی کتنا برا کیا ہے''۔کنول نے روتے ہوئے کہا۔

''ارے کنول! میں نے کبھی نہیں چاہا تھا کہ تم مجھ سے معافی مانگو اور اب بالکل مت رونا ورنہ تمہارے ابو کی روح کو تکلیف ہوگی''۔علی نے کنول کو چپ کراتے ہوئے کہا۔

''ویسے کنول! میں اب تو تم کو سالی بول سکتا ہوں ناں؟'' علی نے کنول کی طرف شرارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''علی بھائی! آپ کبھی بھی نہیں سدھر سکتے ہیں''۔ کنول نے علی کو گھورتے ہوئے کہا۔

''بالکل ٹھیک بولا تم نے، سالی جی! جو سدھر جائے وہ علی نہیں، کتنے دن ہو گئے تم بہنوں میں کوئی جھگڑا نہیں ہوا''۔علی جیا کو پاس آتا دیکھ کر بولا۔

''علی! ہم کیا تمہیں ہر وقت جھگڑا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں؟'' جیا نے علی کو خشمگیں نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''یار! میرا مطلب وہ تھوڑی تھا جو تم مجھے اتنے غصے سے گھور رہی ہو''۔علی ہنستے ہوئے بولا۔

''جیا آپی کا خالہ جانی رشتہ فائنل کرنے والی ہیں، اور دعا وہ تو.....!''

''اب آگے بھی بول دو''۔علی نے کنول کو گھورتے ہوئے کہا۔

''اوہو.....اتنی بے قراری''۔جیا نے علی کی طرف شرارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''دعا کی شادی آپ سے ہونے والی ہے، بے چاری دعا..... مجھے تو دعا سے بہت ہمدردی ہو رہی ہے''۔کنول نے مصنوعی غصے سے کہا۔

''کیا مطلب، کیا میں اتنا برا ہوں؟'' علی نے کنول کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ارے نہیں علی! وہ تو کنول مذاق کر رہی ہے''۔ جیا نے علی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا کہ کہیں وہ غصے میں تو نہیں ہے۔

''آئی نو جیا! میں کیوں کنول کی بات کا برا مناؤں گا؟ یہ تو میری سب سے اچھی سالی ہے''۔علی نے ہنستے ہوئے کہا۔

''اچھا جی! میں اچھی نہیں ہوں؟'' جیا نے مصنوعی ناراضی سے کہا۔

''نہیں.....نہیں جیا جی! میں آپ کو کیسے برا بول سکتا ہوں''۔علی ڈرنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے بولا۔جیا اور کنول علی کو ڈرتا دیکھ کر ہنسنے لگیں۔

''اللہ میرے گھر کو ہر دکھ و پریشانی سے محفوظ رکھے، میرا گھر یوں ہی ہنستا مسکراتا رہے، اے رب پاک تُو ان بچیوں کے نصیب اچھے کرنا''۔فاطمہ خالہ نے تینوں کو مسکراتا دیکھ کر دعا کی۔

☆.....☆.....☆

کرن خان

افسانہ

نصیب

''عظمیٰ بیٹا! یونیورسٹی نہیں جانا کیا، خود بھی لیٹ ہوتی ہو اور اپنے بھائی کو بھی لیٹ کرواتی ہو''۔

''میں اٹھ گئی ہوں امی! آپ ناشتہ لگائیں، میں دو منٹ میں آئی''۔ اور واقعی عظمیٰ دو منٹ میں ہی ڈائننگ ٹیبل پر تھی،

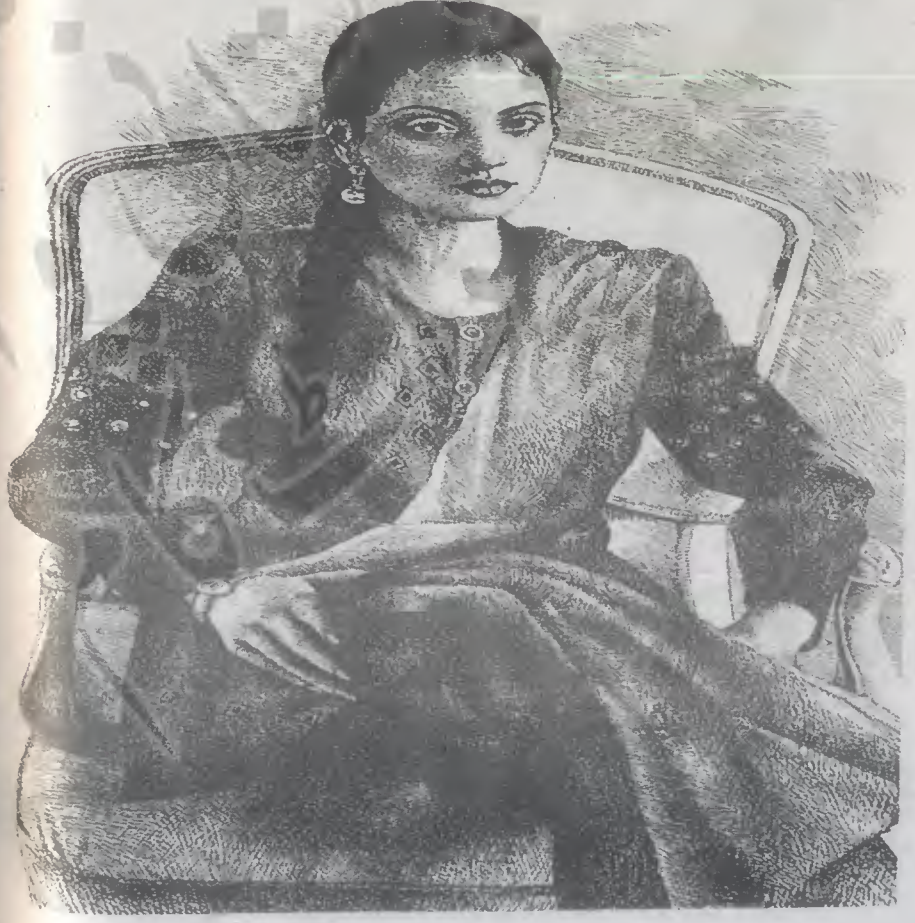

تابش بھیا مصنوعی غصے سے بولے۔

''جلدی کرو عظمیٰ! ورنہ میں تمہیں چھوڑ کر چلا جاؤں گا''۔

''آپ مجھے چھوڑ کر کیسے جاسکتے ہیں بھیا! I know آپ مجھے بہت پیار کرتے ہیں''۔ عظمیٰ چہک کر بولی۔

''اچھا اب جلدی کرو، یہ مکھن بعد میں لگانے کے لیے رکھ لو ابھی بھیا کو دیر ہورہی ہے''۔ امی نے ہنستے ہوئے کہا تو عظمیٰ منہ بناتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆.....☆.....☆

وجاہت شاہ کا ایک ہی بیٹا تھا حسن شاہ اور ان کی شادی بڑے شاہ صاحب نے اپنی ہی برادری میں صوفیہ بیگم سے کردی تھی اور ان کی دو اولادیں تھیں ایک بیٹا تابش اور بیٹی عظمیٰ جو بہت ہی خوب صورت اور معصوم سی تھی۔

صوفیہ بیگم نے اپنی بہن کی بیٹی کو تابش کے لیے بچپن ہی میں مانگ لیا تھا، جو عظمیٰ کی کلاس فیلو بھی تھی، حسن شاہ کی پانچ فیکٹریاں تھیں، پہلے ایک ہی فیکٹری تھی لیکن شاہ صاحب کی ایمانداری اور دیانتداری کی وجہ سے کاروبار میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور ایک فیکٹری سے پانچ فیکٹریاں ہوگئیں۔

☆.....☆.....☆

آج عظمیٰ جیسے ہی یونیورسٹی آئی، راستے میں اسے فرح اور ناظمہ نے آن گھیرا تو وہ بالکل ہی گھبرا گئی۔

''کیا ہوا کیوں اتنی بدحواس ہو تم دونوں؟''

''ابھی پتہ چلے گا کیا ہوا ہے بچی، تمہارے بھائی کی تاریخ پکی ہوچکی اور ہمیں بتایا ہی نہیں، چالاکو ماسی!''

''شٹ اپ، اگر اب تم لوگوں نے مجھے یہ نام دیا تو میں تم دونوں کا گلا دبا دوں گی''۔ عظمیٰ ایک دم غصے سے بولی تو ناظمہ اور فرح ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگیں پھر ایک دم ہنسنے لگیں، عظمیٰ غصے کو بھول کر ان دونوں کی شکل دیکھنے لگی پھر اچانک بولی۔

''ہنسنا چھوڑو فضول کا اور یہ بتاؤ اسلامیات کا پیریڈ لینا ہے یا میں چلوں؟''

''ہاں بھئی! تمہارا پسندیدہ سبجیکٹ جو ہے''۔

''یعنی تم دونوں کا ارادہ نہیں ہے تو میں چلتی ہوں''۔ وہ دونوں جلدی سے اس کے پیچھے بھاگیں مبادا وہ ناراض ہی نہ ہوجائے پھر تینوں چل پڑیں۔

☆.....☆.....☆

گرمیوں کی آمد کے دن تھے اور ابھی سے عظمیٰ کو گرمیوں کی شاپنگ کی پڑ چکی تھی، ایک دن امی سے کہنے لگی۔

''امی! مجھے شاپنگ کرنی ہے''۔ تو امی نے کہا۔

''بیٹا جی! ابھی تو گرمیاں شروع بھی نہیں ہوئیں اور تمہیں شاپنگ کی لگ گئی، آرام سے بیٹھو''۔

''امی! پلیز.....جانے دیں ناں، وہ کیا ہے کہ فرح اور ناظمہ نے بھی شاپنگ کرنی ہے، تو ہم تینوں ایک ساتھ کرلیں گے''۔

''اوکے بٹ ٹائم کا خیال رکھنا''۔ امی نے کہا تو عظمیٰ تھینک یو کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی، پھر فرح اور ناظمہ کو فون کیا اور پھر تینوں گھر سے نکل گئیں، عظمیٰ جیسے ہی کار پارک کرکے آگے بڑھی تو کسی مضبوط چٹان سے ایسے ٹکرائی کہ اسے دن میں تارے نظر آنے لگے اور پھر اگلے ہی لمحے وہ کسی کی بانہوں میں تھی، وہ اس شخص کو دیکھنے میں اس قدر غرق ہوئی کہ آس پاس کا ہوش ہی نہ رہا۔

''واؤ، کتنا خوبصورت ہے، بلیک سلکی بال، ذہانت سے بھرپور آنکھیں، خوبصورت ناک، عنابی ہونٹ اور ان کے اوپر خوبصورت مونچھیں اور لمبا قد''۔ وہ تھا ہی اتنا خوبصورت کہ ایک بار دیکھنے سے آنکھوں کی پیاس نہ بجھتی۔ عظمیٰ اس قدر گم تھی کہ اس شخص نے کہا۔

''ہیلو مس! آپ ٹھیک تو ہیں؟'' عظمیٰ کے منہ سے ایک دم نکلا۔

''بہت خوب صورت ہے''۔

''جی.....کچھ کہا آپ نے؟'' عظمیٰ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی، تو سامنے ہی اسے فرح اور ناظمہ اپنی طرف آتی ہوئی نظر آئیں تو وہ لپک کر ان تک پہنچی اور ان کو سارا قصہ سنا ڈالا دور کھڑے اس شخص نے اسے ناگواری سے دیکھا اور آگے بڑھ گیا۔

☆.....☆.....☆

فائز خان، امیر خان کا اکلوتا بیٹا تھا، اور تمام جائیداد کا اکیلا وارث تھا، فائز اس قدر مغرور تھا کہ ہر چیز کو اپنے قدموں کی دھول سمجھتا اور اگر کوئی بھی چیز اسے پسند آجائے تو اسے ہر قیمت پر خرید لیتا تھا، زاویار خان اس کا بہت قریبی دوست ہونے کے ساتھ اس کا کزن بھی تھا، فائز اور زاویار کی عادتیں بالکل مختلف تھیں، زاویار عورت کی جس قدر عزت کرتا، فائز خان عورت ذات سے اس قدر نفرت کرتا تھا۔

☆.....☆.....☆

عظمیٰ جب سے شاپنگ سے آئی تھی، اسی دن سے کچھ کھوئی کھوئی تھی، وہ اس شخص کو نہیں سوچنا چاہتی تھی، جس کا وہ نام تک نہیں جانتی تھی اور نہ ہی یہ جانتی تھی کہ وہ اسے دوبارہ بھی ملے گا یا نہیں، لیکن ان سب باتوں کے باوجود وہ شخص عظمیٰ کے دل و دماغ سے نہیں نکل رہا تھا، وہ راتوں کو اٹھ کر بیٹھ جاتی، ٹی وی لگا کر کسی سوچ میں گم ہوجاتی اور اب تو یونیورسٹی میں بھی گم صم رہتی۔ اس تمام صورتحال کو کئی دن سے فرح اور ناظمہ بھی نوٹ کررہی تھیں، مگر کہا کچھ نہیں لیکن آج کلاس سے باہر ہی کھوئی کھوئی سی عظمیٰ کو جالیا اور اس سے پوچھا۔

''عظمیٰ! تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ نہ ہی تم پہلے کی طرح ہنستی ہو، اور نہ ہی ہم سے باتیں کرتی ہو، آخر تمہیں کیا ہوگیا ہے، اگر کوئی مسئلہ ہے تو تم ہم سے شیئر کرسکتی ہو، ہم صرف تمہاری دوست ہی نہیں بلکہ بہنوں کی طرح ہیں، کہہ دو! ہم سے تمہارے دل کا بوجھ اتر جائے گا''۔ عظمیٰ ان دونوں کو دیکھتے ہوئے سوچنے لگی۔

''کیوں نہ ان دونوں سے کہہ دوں، یہی دونوں تو میری خیرخواہ ہیں اور میں نے ان سے یہ راز چھپایا''۔ عظمیٰ اب اس کشمکش سے تھک سی گئی تھی تو اس نے فیصلہ کرلیا کہ اب میں ان سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گی، سب بتادوں گی۔

''اب بتا بھی دو عظمیٰ پلیز!'' ناظمہ کی آواز اسے ہوش میں لائی تو عظمیٰ نے شروع سے آخر تک ساری کہانی ان دونوں کو سنادی تو وہ دونوں ہنسنے لگیں اور عظمیٰ پریشان سی ان دونوں کو دیکھنے لگی، ناظمہ اور فرح نے ایک آواز میں کہا۔

''ہماری جان سے پیاری اور بھولی بھالی دوست! تمہیں بہت خطرناک بیماری ہوگئی ہے، اور اب تم اس بیماری سے نہیں بچ سکتیں''۔

''کیا مطلب ہے تمہارا فرح؟ مجھے کون سی بیماری ہوگئی ہے؟''

''میڈم! آپ جو کیفیت بتارہی ہیں یہ کیفیت عشق کے مریض کو ہوا کرتی ہے''۔ ناظمہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

''اور ہوتی بھی کیوں ناں، بندہ واقعی ڈیشنگ تھا، ویسے اگر اس دن میں ٹکرا جاتی تو اسی وقت اظہار محبت کردیتی''۔ فرح نے کہا تو عظمیٰ نے کہا۔

''بکواس مت کرو''۔

''اف خدایا! اب تو غراکت بھی پسند نہیں''۔ تو یکدم عظمیٰ نے گھبرا کر کہا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے اور میں ان صاحب سے کوئی عشق وشق نہیں کرتی، سمجھ میں آئی؟''

''ہاں! بہت اچھی طرح سے''۔ دونوں نے کورس میں کہا۔

☆.....☆.....☆

''یار فائز! تُو کب تک یوں ہی زندگی گزارے گا، دیکھ یار! میں تیرا دوست ہوں اور تیری بھلائی چاہتا ہوں''۔

''چپ کر زاویار! تجھے پتہ ہے ناں کہ مجھے اس ٹاپک

سے اور خاص طور پر عورت ذات سے کتنی نفرت ہے"۔ فائز قدرے غصے سے بولا۔

"ہاں! میں جانتا ہوں اور تیری اس نفرت کی وجہ بھی جانتا ہوں، مگر یار! کب تک تُو تنہا زندگی بسر کرے گا اور پھر اپنی بیٹی کے بارے میں سوچ، آج وہ تین سال کی ہے تو تُو اسے سنبھال سکتا ہے، مگر کل کو وہ بڑی ہو جائے گی تو تم اسے کیسے سنبھالو گے؟ اسے باپ سے زیادہ ایک ماں کی ضرورت ہے"۔

"زاویار! اس کی سگی ماں اسے دو ماہ کا چھوڑ کر بھاگ گئی، تو کوئی پرائی عورت رانیہ کو کیسے سنبھالے گی، جبکہ رانیہ معذور بھی ہے"۔ فائز نے کہا۔

"لیکن فائز! تجھے کسی نہ کسی پر تو بھروسہ کرنا ہی ہوگا، پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں، اس طرح سارے لوگ پھر ایک جیسے نہیں ہوتے، یار! میری بات پر غور ضرور کرنا"۔ زاویار نے کہا اور خدا حافظ کہتا ہوا چلا گیا اور فائز سوچوں میں گھر گیا۔

☆.....☆.....☆

فائز اور روما کلاس فیلو تھے، وقت کے ساتھ ساتھ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے اور اس محبت میں زیادہ ہاتھ روما کا تھا، کیونکہ روما ایک بگڑی ہوئی لڑکی تھی اور پھر فائز دولت مند ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد خوبصورت بھی تھا، فائز بہت بڑی اسامی تھی جسے روما کسی بھی حال میں نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔ فائز نے اپنی ممی سے روما کے بارے میں بات کی تو اس کی ممی نے کہا۔

"مجھے اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں، تمہاری خوشی میں ہی میری خوشی ہے"۔

پھر فائز کی ممی جب رشتہ لے کر ان کے گھر گئیں تو وہ لوگ تو جیسے اسی انتظار میں بیٹھے تھے، لیکن صالحہ بیگم (فائز کی ممی) کو ان کے گھر کا ماحول کافی عجیب سا لگا، مگر جب صالحہ بیگم نے اپنے بیٹے کے چہرے کی خوشی دیکھی تو اپنے وہم کو دل میں ہی دبا دیا اور رشتہ کیا ڈالا کہ انہوں نے شادی کی تاریخ بھی مانگ لی، مگر فائز کے پاپا لندن میں تھے اس لیے صالحہ بیگم نے کہا۔

"ہم فی الحال منگنی کر لیتے ہیں، شادی ان کے پاپا کے آنے کے بعد کریں گے"۔

فائز بہت خوش تھا ان دنوں، واقعی وہ روما سے بہت محبت کرتا تھا۔ اس طرح ان کی شادی بھی ہو گئی، شروع شروع کے دنوں میں تو وہ لوگ بہت خوش تھے مگر جیسے جیسے دن گزرتے گئے روما کے مزاج میں تبدیلی آتی گئی، وہ روما جو پہلے صالحہ بیگم کی بہت عزت کرتی تھی، صرف دکھاوے کی اور فائز سے محبت کا جو ڈھول پیٹتی تھی، وہ دونوں جذبے کہیں سو گئے تھے اور اب اکثر کسی نہ کسی بات کو ایشو بنا کر وہ جھگڑا کرتی، کبھی صالحہ بیگم سے تو کبھی فائز کے ساتھ کیونکہ روما کی وہ آزادی اب سمٹ گئی تھی، کیونکہ اب اسے گھر کو ٹائم دینا ہوتا تھا اور روما تو ایک بگڑی ہوئی عیاش لڑکی تھی، ایسے میں وہ یہ سب کیسے برداشت کر سکتی تھی، اس کی یہی کوشش تھی کہ وہ کسی بھی طریقے سے الگ ہو جائے مگر یہ سب ممکن نہیں تھا، کیونکہ فائز اپنے والدین سے الگ نہیں ہونا چاہتا تھا، اسی طرح دن گزرتے گئے اور ایک دن روما نے ایک بہت ہی پیاری سی بچی کو جنم دیا مگر وہ بچی قدرتی طور پر معذور پیدا ہوئی، دکھ تو سب کو ہوا مگر اللہ کے کام میں کسی کا کیا دخل اور سب نے دل سے اس بچی کو قبول کیا کیونکہ اس میں اس بچی کا کوئی قصور نہیں تھا، مگر روما کو وہ بچی اپنی انسلٹ لگی، اس بچی کو وہ دیکھنا بھی پسند نہیں کرتی تھی، ایک دن روما نے فائز سے بہت لڑائی کی اور کہا۔

"تمہاری بیٹی جسمانی طور پر معذور ہے اور تم ذہنی طور پر معذور ہو، میں تم دونوں کے ساتھ رہ کر اپنی زندگی برباد نہیں کرنا چاہتی اور ویسے بھی اولاد کی چاہ تمہیں اور تمہاری ماں کو تھی مجھے نہیں، لہٰذا مجھے تمہارے ساتھ نہیں رہنا، مجھے ابھی اسی وقت طلاق چاہیے"۔ فائز اس کا یہ مطالبہ سن کر دنگ رہ گیا۔

"اگر تم نے مجھے طلاق نہ دی تو میں تمہاری بیٹی کو جان سے مار دوں گی"۔ وہ نفرت سے بولی تھی، فائز نے نہ چاہتے ہوئے اسے طلاق دے دی، مگر اس کا عورت پر اعتبار ختم ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

عظمیٰ کے دن رات بہت بے چین گزر رہے تھے کیونکہ ہر وقت وہ شخص اس کے حواسوں پر چھایا رہتا تھا، عظمیٰ چاہتے ہوئے بھی اسے ذہن سے نہیں نکال پا رہی تھی۔

فائز نے رانیہ کی خاطر شادی کے لیے رضامندی دے دی اور یہ بھاری ذمے داری زاویار کے کندھوں پر تھی، یعنی لڑکی اسے تلاش کرنی تھی، اور زاویار تو جیسے اسی انتظار میں بیٹھا تھا، چٹ پٹ فائز کا نکاح کروا دیا اور خاموشی سے رخصتی بھی کرالی، کیونکہ ہنگامہ وغیرہ فائز کو سخت ناپسند تھا۔

عظمیٰ اپنے کمرے میں بیٹھی کمرے کا جائزہ لے رہی تھی کہ دھڑم سے دروازہ کھلا، وہ قدم بڑھاتا ہوا آیا اور بیڈ پر بیٹھ گیا، گھونگھٹ اٹھائے بغیر اسے رونمائی کا گفٹ دیا اور گویا ہوا۔

"میں تمہیں اپنے لیے بیاہ کر نہیں لایا اور نہ مجھے شادی کی چاہ تھی، بلکہ میں تمہیں اپنی معصوم بیٹی کے لیے لایا ہوں، آج سے تمہیں اس کا خیال کرنا ہوگا اور میں اپنی بیٹی کے لیے بہت حساس ہوں، یاد رکھنا"۔ یہ کہتے ہی وہ واش روم میں گھس گیا اور پیچھے عظمیٰ یہ سوچتی رہ گئی۔

"یہ شادی تھی یا پھر ایک سودا، یہ شخص کتنا دھوکے باز ہے"۔ ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ فائز واش روم سے باہر آیا اور کہا۔

"تم بھی چینج کر لو"۔ اور عظمیٰ نے بہت غصے سے کہا۔

"اگر آپ کو اپنی بیٹی کا اتنا ہی خیال تھا تو کوئی گورنس رکھ لیتے، میری زندگی کیوں خراب کی؟" یہ کہتے ہی اس نے جیسے نیچے کیا ہوا اپنا سر اوپر اٹھایا تو سکتے میں رہ گئی۔

"ارے یہ تو وہی ہیں، جن کے نہ ملنے پر میں نے کتنے آنسو بہائے تھے اور اب ملے بھی تو کیسے، ان کے مل جانے پر خوشی مناؤں یا ان کے سرد رویے پر آنسو بہاؤں، میں کیا کروں؟ کچھ سمجھ نہیں آ رہا"۔

"میں نے تمہاری زندگی برباد نہیں کی اور ویسے بھی میں نے پہلے ہی تمہارے گھر والوں کو بتا دیا تھا اور اگر اب بھی تم جانا چاہتی ہو تو میں تمہیں ہرگز نہیں روکوں گا"۔ فائز یہ کہتے ہی بیڈ کی ایک سائڈ پر لیٹ گیا، عظمیٰ آنسو بہاتی چینج کر کے بیڈ کے دوسرے سرے پر لیٹ گئی۔

☆.....☆.....☆

صبح عظمیٰ، فائز سے پہلے بیدار ہوئی اور نہا کر ڈریسر سے بال سکھا ہی رہی تھی کہ فائز اٹھ بیٹھا اور اسے مکمل نظر انداز کرتے ہوئے واش روم چلا گیا، اور عظمیٰ کمرے سے جلدی نکل گئی اور سیدھی رانیہ کے روم میں آئی، اس نے رانیہ کو پہلی بار دیکھا تو بہت پیار آیا، کیونکہ وہ تین سال کی چھوٹی سی بچی سکون سے سو رہی تھی، اسے پیار کرتے ہوئے تھوڑی دیر وہیں بیٹھی رہی پھر کچن میں چلی آئی، وہاں بوا پہلے سے موجود تھیں۔

"ارے دلہن بیٹی! اتنی جلدی اٹھ گئیں؟"

"جی بوا! مجھے جلدی اٹھنے کی عادت ہے، ہٹیئے آپ میں ناشتہ بنا لیتی ہوں"۔ عظمیٰ نے کہا۔

"نہیں بیٹی! تم ایک دن کی دلہن ہو اور کام کرتی ہوئی اچھی نہیں لگو گی، جاؤ بیٹھو میں ناشتہ لے کر آتی ہوں"۔ اور عظمیٰ نے دل میں سوچا۔

"بوا! "دلہن وہ جو پیا من بھائے" میں کہاں کی دلہن؟" اور ایک آنسو پلکوں پر آ ٹھہرا۔

☆.....☆.....☆

دن یونہی پر لگا کر اڑے کہ پتہ ہی نہ چلا، عظمیٰ، رانیہ سے اتنا پیار کرتی کہ شاید اس کی سگی ماں بھی اتنا نہ کرتی، اور رانیہ کی تو تلی زبان میں اسے "مما، مما" کہنا بہت اچھا لگتا، رانیہ بھی مما کہتے نہ تھکتی، اب تو وہ اپنے پاپا کو بھی اکثر نظر انداز کر جاتی اور فائز بہت حیرت سے ان کے درمیان پیار کو دیکھتا اور اکثر

اوقات دل میں سوچتا

''شاید عظمیٰ یہ سب دکھاوے کے لیے کرتی ہے''۔ وہ رانیہ سے سچا بالکل اپنی بیٹی کی طرح پیار کرتی تھی اور ویسے بھی فائز اس کا پیار تھا وہ فائز کو دکھ نہیں دینا چاہتی تھی۔

☆.....☆.....☆

پہلے تو کبھی کبھار عظمیٰ رانیہ کے کمرے میں سوجاتی تھی اور فائز کو کوئی اعتراض نہ ہوتا تھا، مگر اب اکثر اوقات وہ رانیہ کے کمرے میں سوجاتی تھی جس سے فائز کو تکلیف ہوتی کیونکہ شاید فائز کو عظمیٰ سے پیار ہوگیا تھا، مگر کہنے میں انا آڑے آرہی تھی۔

☆.....☆.....☆

ایک دن عظمیٰ رانیہ کو سلا کر اوپر چھت پر آ کر دھوپ میں تخت پر لیٹ گئی وہ بالکل اپنے آپ سے اور آس پاس سے بے خبر لیٹی فائز کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ ان کی شادی کو چھ ماہ ہوگئے اور فائز نے کبھی بھولے سے بھی اس پر نظر نہیں ڈالی، ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ فائز آفس سے جلدی گھر لوٹ آیا اور رانیہ کو سوتا ہوا اور عظمیٰ کو نہ پا کر سیدھا اوپر چھت پر چلا آیا اور وہاں کا منظر دیکھ کر اسے بے حد غصہ آیا کیونکہ عظمیٰ کا دوپٹہ تخت سے نیچے جھول رہا تھا اور سامنے والی چھت پر کوئی لڑکا مزے سے اسے دیکھ رہا تھا، یہ منظر دیکھ کر اسے اتنا غصہ آیا کہ چنگھاڑتی ہوئی آواز میں کہا۔

''عظمیٰ! کس نے کہا تھا تمہیں اوپر آنے کو؟'' وہ یک دم گھبرا کر اٹھ بیٹھی، فائز کی آنکھوں میں بے حد غصہ تھا وہ تو اور زیادہ گھبرا گئی اور ڈرتے ڈرتے کہا۔

''وہ.....وہ.....م.....میں تو''۔

''دفع ہو جاؤ، جاؤ نیچے'' فائز نے جیسے ہی کہا وہ پاؤں سر پر رکھ کر بھاگی، مبادا کہیں پکڑ ہی نہ لے، سیدھی کچن میں آئی جہاں بوا کھانا بنانے کے لیے تیل کا ڈبہ کھلا ہی نیچے زمین پر رکھ کر اپنے کوارٹر میں کسی کام سے گئی تھیں، عظمیٰ کو جیسے ہی اپنے دوپٹے کا خیال آیا وہ دوپٹے کے لیے اوپر جانے کو جیسے ہی مڑی تو فائز کے کشادہ سینے سے ٹکرا گئی اور فائز ہاتھ میں دوپٹہ پکڑے جیسے ہی آگے بڑھا، عظمیٰ دو قدم پیچھے ہوئی اور تیل کا ڈبہ ٹھوکر کے ساتھ ساری زمین چکنی کر گیا، اور وہ جیسے ہی پھسلی فائز اسے بچانے کی خاطر دو قدم آگے بڑھا ہی تھا کہ سنبھل نہ پایا اور دھڑم کے ساتھ عظمیٰ کے نازک وجود پر آ گرا، وہ دونوں حواس باختہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے، عظمیٰ کا ایک ہاتھ فائز کی کمر پر دھرا تھا اور دوسرا اس کے بائیں کندھے پر، اسے اپنی پوزیشن کا احساس ہوا تو کندھے سے فائز کو ہلایا جو کسی اور ہی دنیا میں پہنچا ہوا تھا تو وہ جیسے کسی خیال سے جاگتے ہوئے بہت احتیاط سے کھڑا ہوا، اور ہاتھ بڑھا کر عظمیٰ کو کھڑا کیا، فائز کے کپڑے بہت کم گندے ہوئے تھے مگر عظمیٰ کے کپڑے اور بال بہت گندے ہوئے تھے، فائز نے اپنی ہنسی کو تقریباً روکتے ہوئے کہا۔

''جاؤ جلدی سے نہالو، تمہارا حلیہ بہت خراب ہوگیا ہے''۔ اور وہ سرپٹ بھاگتے ہوئے سیدھی واش روم میں گھس گئی، جلدی میں وہ الماری میں ہینگ کیا ہوا اپنا سوٹ لینا بھول گئی جب نہانے کے بعد دیکھا تو اپنا سر پیٹ ڈالا۔

''اف خدایا! کیا کروں، وہی گندے کپڑے پہنوں یا....اب تو فائز بھی کمرے میں آ گئے ہیں''۔ کیونکہ مسلسل گانے کی آواز آرہی تھی۔ پتہ نہیں فائز کا غصہ کہاں جا سویا تھا۔ وہ اب گندے کپڑے پہن کر دوبارہ اپنا تماشہ نہیں بنانا چاہتی تھی اور اس سے کپڑے مانگنے میں بھی بے حد شرم آرہی تھی، کیونکہ دونوں میں بے تکلفی جو نہ تھی مگر نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اسے مخاطب کر گئی۔

''فائز! پلیز الماری سے میرا سوٹ دے دیں''۔

''تمہارا سوٹ....کون سا سوٹ؟''

''وہ....میں....جلدی میں اپنے کپڑے لینا بھول گئی''۔

وہ شرمندگی سے بولی تو فائز نے کہا۔

''اچھا''۔ اور ایک ریڈ کلر کا کام والا سوٹ نکال کر اسے دے دیا، سوٹ لے کر عظمیٰ کو بہت شرم آئی۔

''اف! ریڈ کلر....یہ میں کیسے پہنوں؟'' اسے بہت شرم آرہی تھی، مگر ''مرتی کیا نہ کرتی'' اس نے وہ سوٹ پہن تو لیا مگر اب باہر نکلنے میں شرم بھی آرہی تھی اور شرمندگی بھی ہو رہی تھی، مگر اپنے آپ میں ہمت جمع کرتے ہوئے وہ باہر نکل آئی اور فائز بیڈ پر لیٹا اسے ہی دیکھے جا رہا تھا، مگر عظمیٰ نے اسے نظر انداز کیا اور ڈریسنگ کے سامنے بال سکھانے لگی تو فائز کو اپنی شادی کی پہلی صبح یاد آ گئی، وہ اٹھ کر عظمیٰ کے پیچھے کھڑا ہوا اور اسے بانہوں کے حصار میں لے لیا اور کہا۔

''عظمیٰ! پلیز تم مجھے معاف کردو، کیونکہ میں سمجھتا تھا کہ ہر عورت ایک طرح کی ہوتی ہے، مگر تم نے ثابت کردیا کہ جس طرح پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں اس طرح ہر عورت بھی ایک سی نہیں ہوتی، عظمیٰ! تم مجھے معاف کردو پلیز''۔ کہتے ہی اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے جنہیں عظمیٰ نے جلدی سے تھام کر کہا۔

''نہیں فائز! مجھے کبھی آپ سے کوئی گلہ نہیں رہا، بس افسوس ہوتا تھا کہ جس سے مجھے پہلی نظر میں پیار ہوا وہ مجھے پسند نہیں کرتا''۔ تو فائز بے قراری سے بولا۔

''ارے یہ تم سے کس نے کہا کہ میں تمہیں پسند نہیں کرتا، بلکہ میں تو تم سے بہت پیار کرتا ہوں، اور تم نہیں جانتیں کہ اس پہلی ملاقات میں تم مجھے بھی اٹریکٹ کر گئی تھیں اور معلوم نہیں کہ اللہ کو میری کون سی نیکی پسند آئی کہ مجھے تم جیسی پیاری اور مخلص بیوی دی، میں اللہ تعالیٰ کا بہت شکر گزار ہوں، اچھا ایک بات تو بتاؤ! تم نے کبھی مجھ سے اپنا حق کیوں نہیں مانگا اور ہمیشہ رانیہ کا ہی خیال کیا، کبھی اس کے پاپا کا خیال نہ کیا کہ وہ کب سے پیاسا ہے''۔ فائز نے کہا تو وہ اسے دیکھ کر بولی۔

''آپ ہی نے تو کہا تھا کہ آپ مجھے رانیہ کے لیے لائے ہیں''۔

''ہاں یار! سچ تھا، مگر یہ دل بے ایمان نکلا، اور اپنے لیے طلب کر بیٹھا، کیوں ناں عظمیٰ! ایسا کریں کہ رانیہ کے لیے ایک بھائی لے آئیں، بھائی رانیہ کا اور تم میری، ٹھیک کہا ناں؟ کیا زبردست آئیڈیا ہے''۔

''بالکل نہیں، یہ آئیڈیا بالکل اچھا نہیں ہے''۔ عظمیٰ نے شرارتاً کہا تو فائز مصنوعی غصے سے بولا۔

''تمہارے لیے اچھا نہیں ہوگا، مگر میرے لیے اچھا ہے اور میں اس پر عمل بھی کروں گا''۔ کہتے ساتھ ہی عظمیٰ کو بانہوں میں بھر لیا اور عظمیٰ سوچنے لگی کہ اگر پیار نصیب میں ہو تو مل ہی جاتا ہے۔

☆.....☆.....☆

ادارہ رداڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوبصورت ناول
بھیگی ہوئی رت میں
قیمت 150 روپے
صالحہ محمود
کچی کلیاں آنگن کی
قیمت 500 روپے
صالحہ محمود
تم میرے ہو کے رہو
قیمت 500 روپے
صالحہ محمود
ملنے کا پتہ:
ویل کم بک پورٹ اُردو بازار کراچی

سلسلے وار ناول

اس دل میں بس ہو تم

''او کے بیسٹ آف لک!'' وہ اونچی آواز میں بولی۔
مشارب شاہ نے گاڑی باہر نکالنے سے پہلے اس کی طرف اسمائل پاس کی تھی، مین روڈ پر گاڑی ڈالتے ہوئے وہ

نوٹ: رڈا کی کوئی ویب سائٹ نہیں ہے، جو بھی رڈا کو بلا اجازت کسی بھی ویب سائٹ پر اپ لوڈ کرے گا ادارہ اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی اور ایسے لوگوں کے خلاف کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت ایف۔ آئی۔ آر۔ درج کروانے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

چہرے پر مسحور کن مسکراہٹ سجائے ہوئے تھا، آنکھوں میں لطیف سا انداز تھا، اندر تھوڑی بہت جھجک اور ہچکچاہٹ بھی تھی، پہلی مرتبہ اپنے احساسات کو زبان دینے جا رہا تھا، ذہن الفاظ کے تانے بانے بننے میں مصروف عمل تھا، پندرہ بیس منٹ کی ڈرائیو کے بعد وہ مستبشرہ جمال کے اسکول کے سامنے تھا، گاڑی پارک کرنے کے بعد وہ چوکیدار سے مصافحہ کرتا مین گیٹ عبور کر کے مستبشرہ جمال کے آفس کی طرف بڑھا تھا، وہاں پہنچا تو اسے کوئی فائل پڑھنے میں منہمک دیکھ کر توقف کے لیے دروازے میں ایستادہ ہو کر اسے آنکھوں کے رستے دل میں اتارا، وہ ہنوز بے خبر تھی، خود پر پراشتیاق نگاہوں کی حدت سے انجان سر جھکائے دائیں ہاتھ کی پہلی دو انگلیوں میں پن گھمانے میں محو تھی، توقف کے بعد مشارب شاہ نے

دروازہ نوک کر کے اس کی محویت کو توڑا تھا۔

''مے آئی کم اِن میم!'' مستبشرہ کی نظر خود پر پڑتے ہی وہ مسکرا کر بولا۔ مستبشرہ غیر متوقع طور پر اسے سامنے پا کر اول تو چونکی تھی پھر سیدھی ہو کر بیٹھی۔

''یس کم اِن...!'' اسے اندر آنے کو کہا۔

''تھینکس!'' وہ اندر آیا، چیئر کھینچ کر بیٹھا۔

''تم کس وقت آئے ہو، مجھے تو پتہ ہی نہیں چلا'' ۔سامنے رکھی فائل کو بند کرتے ہوئے سائیڈ پر رکھ کر وہ پوچھنے لگی۔

''تھوڑی دیر ہی ہوئی ہے، لیکن لگتا ہے تم بزی تھیں، میں نے آ کر تمہیں ڈسٹرب کر دیا ہے''۔

''نہیں.... میں بس فائل دیکھ رہی تھی، تم سناؤ! اسلام آباد سے کب آئے ہو؟''

''دو دن پہلے آیا ہوں، سوچا تم سے مل بھی لوں اور کچھ ضروری باتیں بھی کر لوں، لیکن تم بتاؤ تمہارا اسکول کیسا جا رہا ہے، بور تو نہیں ہوتیں؟'' وہ پوچھنے لگا۔

''جہاں شوق ہو وہاں بوریت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، میں یہاں بہت انجوائے کرتی ہوں، بہت ریلیکس فیل کرتی ہوں اور اسکول ماشاءاللہ بہت اچھا جا رہا ہے''۔ وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں شائستہ آواز اور نرم لہجے میں بولی تھی۔

''ویٹس گریٹ!'' وہ مسکرایا۔

''چائے پیو گے، منگواؤں؟'' مستبشرہ نے اخلاق سے پوچھا۔

''نہیں، ابھی ناشتہ کر کے ہی ادھر آیا ہوں، تم سے ایک بات کرنی تھی مستبشرہ!'' منع کرتے ہوئے اس نے اصل بات کی طرف آنا چاہا، سوالیہ اسے دیکھا۔

''کہو مشارب!'' وہ مکمل توجہ سمیٹ کر اس کی طرف ہوئی۔

''کہتے ہوئے جھجک بھی ہو رہی ہے، کئی سالوں سے یہ بات دل میں ہے اب وقت مناسب ہے تو کہنا ضروری لگ رہا ہے''۔ وہ آہستگی و سنجیدگی سے بولا۔

''کون سی بات؟''

''میں نے پہلے امی سے بات کی ہے اور امی پھپھو سے بات کریں، اس سے پہلے سوچا تم سے بات کر لوں''۔ وہ تمہید باندھ رہا تھا۔ مستبشرہ جمال ٹیبل پر کہنی رکھے چہرہ ہتھیلی پر ٹکائے ہمہ تن گوش تھی۔

''میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں مستبشرہ!'' بالآخر مشارب نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''واٹ....؟'' مستبشرہ کو گویا سنتے ہی ہزار وولٹ کا کرنٹ لگا ہو، بری طرح چونکتے ہوئے بھویں سکیڑ کر مشارب شاہ کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا، اسے اپنی سماعتوں پر یقین نہ آیا۔

''کیا کہا تم نے؟'' دماغی تسلی کے لیے فوراً بولی۔ مشارب کی بات، انکشاف اسے متعجب زدہ کرنے کے لیے کافی تھا۔

''تمہاری حیرت بجا ہے، لیکن یہ ابھی کا نہیں کئی سال پہلے کا فیصلہ ہے، جس کا ذکر میں نے پہلے کبھی نہیں کیا، تاکہ تم اپنا اسکول بنانے کی خواہش کو وجہ بنا کر انکار نہ کر دو''۔ البتہ مشارب شاہ اطمینان سے بولا تھا۔

''لیکن مشارب....!''

''میں تم سے محبت کرتا ہوں''۔ اس نے لطیف سے انداز میں دھیرے سے اعتراف کیا۔

''کیسے ہو سکتا ہے یہ؟'' جبکہ مستبشرہ کی حیرت کم ہونے کو نہیں آ رہی تھی۔

''کیوں نہیں ہو سکتا؟''

''تم تو فلک سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے''۔ اس نے وجہ بتائی۔

''نہیں بلکہ میرے لیے یہ بات عجیب ہے، جب تم سے شادی کی بات میں نے امی سے کی تو انہوں نے بھی یہی کہا، ایسا کچھ نہیں ہے، میں حیران ہوں کہ سب کو ایسا کیوں لگ رہا ہے؟'' مشارب شاہ اس مرتبہ اپنی جگہ حیران ہوا تھا۔ وضاحت دینے کے ساتھ ناسمجھی کے عالم میں استفسار کرنے لگا۔

''کیوں کہ تم اور فلک شروع سے بہت کلوز (Close) ہو، اتنا تو کوئی بھی نہیں ہوتا، مجھے کیا سب کو ایسا لگتا ہے کہ تم دونوں، آئی مین....!'' کہتے ہوئے اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑی تھی۔

''یہی تو.... ہم صرف بہت اچھے دوست ہیں، ہم دونوں نے کبھی ایسا سوچا تک نہیں ہے، لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ ہم دونوں کی فرینڈ شپ کو باقی سب محبت کے ترازو میں تول رہے ہیں''۔ وہ الجھ کر بولا تھا۔

''یہ میرے لیے غیر یقینی بات ہے مشارب!''

''لیکن یہ سچ ہے''۔ اس نے اپنے الفاظ پر زور دیا۔

''پھر بھی....!''

''اپنی تسلی کے لیے تم فلک سے بھی پوچھ سکتی ہو''۔ مشارب نے اس کے سامنے Option رکھا، مستبشرہ نے اس کے لہجے کے وثوق کا اندازہ لگایا۔

''میں نے ہمیشہ تم دونوں کو کپل کی صورت میں دیکھا ہے''۔

''میں اپنے ساتھ صرف تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں مستبشرہ!'' خمار آلود آواز میں اس نے بات بدلی، آنکھوں کے حصار میں مستبشرہ کے چہرے کو سمایا، مستبشرہ جمال نے اپنی نگاہوں کا رخ بدلا۔

''میں خلوص دل سے تمہیں اپنانا چاہتا ہوں مستبشرہ! کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟'' مشارب نے باقاعدہ اسے پرپوز کیا، آنکھوں میں الوہی چمک تھی، انداز میں دبی دبی سی گرمجوشی تھی، مستبشرہ نے اب کے عجیب نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ اندر دل میں مقیم شخص کی موجودگی کا احساس دماغی سوچوں کو منتشر کرتا اسے فوراً انکار پر اکسانے لگا تھا، مگر وہ خاموش رہی تھی۔ دل و دماغ نے اسے بولنے کی اجازت ہی نہیں دی تھی۔

''مجھے کوئی جلدی نہیں ہے مستبشرہ! میں جانتا ہوں اتنی بڑی بات یوں اچانک سے لمحوں میں نہیں طے کی جاتی، میرے دل میں تمہارے لیے محبت اور قدر ہے، میں تھوڑا انتظار کر سکتا ہوں، تم مجھے بعد میں بھی جواب دے سکتی ہو، لیکن میں چاہوں گا کہ کوئی بھی فیصلہ کرتے وقت تم میرے دل کو مت بھولنا جہاں صرف تم بستی ہو''۔ فوراً جواب طلب کرنے کے بجائے مشارب شاہ نے اسے سوچنے کی مہلت دی۔ ساتھ ہی اپنے دل کے فسانے کی حقیقت اسے بتائی۔ مستبشرہ سب بھی کچھ نہیں بولی تھی، بس صرف دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''میں اب چلتا ہوں''۔ مشارب شاہ توقف کے بعد اٹھ کھڑا ہوا تھا، مستبشرہ نے بھی اسے مزید بیٹھنے کو نہیں کہا تھا کہ دل میں ہلچل سی مچ گئی تھی۔ اس سب کی اسے امید نہیں تھی، خالی نظروں سے اس کو جاتا دیکھ کر پر سوچ انداز میں اپنے اندر جھانکنے لگی تھی، جہاں علی کے سوا کسی کے لیے کوئی گنجائش نہیں تھی۔

☆.....☆.....☆

''بہت بہت مبارک ہو تمہیں عمر!'' علی نے خوشگوار انداز میں اسے مبارک باد دی تھی، اس کے دوست عمر کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی تھی۔ عمر اگرچہ اس سے اب بھی اپنی شادی پر نہ آنے کو لے کر ناراض تھا، مگر علی اس کے تمام گلے شکوے اور ناراضی کو سائیڈ پر رکھے اسے ہفتے میں دو تین مرتبہ ضرور کال کرتا تھا۔ عمر اسے سخت سناتا بھی تھا مگر وہ اس کی محبت بھری دوستانہ ڈانٹ پر بالکل کان نہیں دھرتا تھا، ساجدہ گیلانی سے جب عمر کی بیٹی کی پیدائش کا سنا تو فوراً ان سے اجازت چاہ کر علی کو کال کی۔

''تھینکس!''

''کیسی ہے میری بھتیجی؟'' علی نے اشتیاق سے پوچھا۔

''ٹھیک ہے!''

''کس پر گئی ہے؟''

''فی الحال تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی، مگر خوبصورت ہے، بہت پیاری کومل سی، بالکل گڑیا جیسی''۔ عمر کے لہجے میں بیٹی کے لیے محبت ہی محبت تھی۔

''سو سویٹ یار! ماشاءاللہ!'' علی توصیفی انداز میں بولا، پھر کچھ سوچتے ہوئے اپنی بات میں مزید اضافہ کیا۔

''عمر! تمہاری بیٹی کا نام میں رکھوں؟'' لہجہ سوالیہ تھا، انداز استحقاق بھرا تھا، عمر کو بھلا کیا اعتراض تھا، فوراً بولا۔

''مجھے خوشی ہوگی''۔

''مستبشرہ!'' عجیب دلنشیں سی کیفیت میں اس نے نام بتایا۔

''ہرگز نہیں!'' عمر نے فوراً دوٹوک کہا، سنتے ہی علی پر غصہ بھی آیا۔

''وہ کیوں اس نام میں کیا برائی ہے؟'' وہ حیران ہوا، عمر کا انداز بھی کچھ ناگوار گزرا۔

''اس نام میں نہیں، اس نام سے جڑی ان یادوں میں برائی ہے علی! جن کو تم نے خود پر سوار کیا ہوا ہے''۔ وہ صاف گوئی سے بولا۔

''مجھے یہ نام اچھا لگتا ہے، اگر تم رکھ لیتے تو مجھے خوشی ہوتی، لیکن بیٹی تمہاری ہے، نام رکھنے کا مجھے کوئی حق نہیں ہے، تمہیں جو مناسب لگے اپنی بیٹی کا نام رکھ لینا، میں فون رکھتا ہوں، پھر بات کریں گے''۔ علی یک دم سنجیدہ ہوا، کچھ خفگی بھی ہوئی، طویل بحث میں بھی نہیں پڑنا چاہتا تھا۔

''ایک منٹ علی....!'' عمر نے سرعت سے اسے روکا۔ علی نے اس کی آواز پر کال ڈسکنیکٹ تو نہیں کی البتہ منہ سے بھی کچھ نہ بولا۔

''آئی ایم سوری، تمہیں میرا انداز، میرا منع کرنا برا لگا''۔ عمر نے خاموشی کو توڑا۔

''اٹس اوکے!''

''تمہیں اس حال میں دیکھ کر ہم نہ خوش ہیں نہ مطمئن ہیں، ہمیں تمہاری پرواہ ہے، تمہارا دکھ ہمیں بھی بہت تکلیف دیتا ہے علی!''۔ عمر آہستگی سے بولا۔

''میں ٹھیک ہوں عمر!'' البتہ علی کی آواز قدرے مضبوط کرنے کی کوشش میں بھی کمزور ہوئی تھی۔

''خود کو دھوکہ دینا چھوڑو علی! ہم میں سے کوئی پاگل یا تم سے بے خبر نہیں ہے جو ہر بار تمہارے بہلاووں پر یقین کرے، کچھ ماہ کا کہہ کر گئے تھے تم اور اب سالوں بیت گئے ہیں، لیکن نہ تم نے یقیناً خود کو بدلنے کی یا مستبشرہ کو بھولنے کی کوشش کی ہے نہ پرائے دیس کی آب و ہوا نے تم پر اثر کیا ہے، تم اب بھی ایک مخصوص خول میں مقید رہنا چاہتے ہو، جہاں صرف نارسائی کا دکھ، ٹھکرائے جانے کا ملال اور نہ ختم ہونے والی اذیت ہے''۔ عمر نے دوستانہ انداز میں اسے صاف شفاف آئینہ دکھایا تھا۔ علی آیان حسن گیلانی نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبائے تحمل سے اسے سنا تھا، اس حقیقت سے وہ آنکھیں چرا سکتا تھا نہ خجلت پن کا مظاہرہ کر کے اس بھنور سے باہر نکلنا چاہتا تھا۔

''کم از کم آنٹی کا ہی خیال کر لو''۔ عمر نے اسے احساس دلانا چاہا۔

''میں روزانہ ان سے فون پر بات کرتا ہوں''۔ جواباً بے تکی سی بات کو اس نے جواز بنایا۔

''یوں تم سمجھتے ہو کہ ان پر بہت بڑا احسان کر رہے ہو؟'' وہ طنزیہ ہوا۔

''یہاں کا بزنس اب میں سنبھال رہا ہوں''۔ اس نے نہ آنے کا عذر پیش کیا۔

''بہت اچھی بات ہے''۔ عمر تو گویا تپ اٹھا تھا، طنزیہ تلخ لہجے میں بولا۔

''میں مجبور ہوں عمر!''

''شٹ اپ.... بھاڑ میں جائے ایسی مجبوری جو خونی رشتوں سے غافل کر دے انسان کو، مجبوری بھی ایسی جو خود پالے ہوئے ہو، جو صرف خسارہ دلا رہی ہے تمہیں''۔ عمر نے کھرے لہجے میں اسے سخت سنائیں، ساتھ ہی کال ڈسکنیکٹ کر دی تھی۔

علی آیان نے عمر کے ردعمل میں موبائل کان سے ہٹاتے ہوئے آنکھیں بند کی تھیں۔ وہ خود تو کسی کو بھی جان بوجھ کر اپنی ذات سے تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا مگر اتنے سال گزر جانے کے باوجود بھی وہ اپنے دل کے ہاتھوں بے بس تھا۔ رگوں میں پھیلتی بے بسی نے اسے مجبور کیا ہوا تھا، اپنے حق میں بہتر فیصلہ اسے ناممکنات میں سے ایک لگ رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

بے یقینی ہنوز اپنی جگہ تھی، مگر وہ عجیب کشمکش کا شکار تھی۔ مشارب شاہ کے پرپوزل کا اسے گمان نہیں تھا، مگر اس کے پرپوزل کے بعد وہ بری طرح الجھ گئی تھی، اچانک سے اسے جواب نہیں دیا تھا اور نہ اب سوچنے کے بعد جواب ایک حتمی فیصلے تک پہنچ پائی تھی۔ دل کی سلطنت کا حکمران علی آیان حسن گیلانی تھا۔ تمام جذبے اور احساسات پر وہ قابض تھا، اس کی موجودگی سے وہ کتنی آسودہ اور مطمئن تھی، قدم قدم اس کی یادوں کے سنگ وہ کتنی محویت سے محبت کی راہ گزر کو عبور کیے جا رہی تھی، ایسے میں مشارب شاہ نے آ کر دستک دیئے بغیر ہاتھ آگے بڑھا کر اسے الجھتے بھنور میں پھنسا دیا تھا۔ ایک طرف دل میں علی کے لیے بے پناہ محبت تھی، اس کی محبت کا ایک قد آور، مضبوط، شاخ در شاخ پھیلا ہوا شجر تھا اور دوسری

طرف مشارب شاہ ہاتھ بڑھائے اس کے ساتھ اور محبت کا خواہش مند تھا، کوئی بھی فیصلہ اس لمحے اس کے لیے کرنا مشکل تھا۔ رات دھیرے دھیرے پھیل رہی تھی، وہ باہر بالکونی میں کھڑی تھی، اوپر آسمان پر موجود تنہا چاند ہزاروں لاکھوں ستاروں کے جھرمٹ کے سنگ اس کی ہر سوچ کو پرکھنے میں مصروف ایک حتمی فیصلے کے منتظر تھے۔ ہوائیں، فضائیں بھی گویا اس کی الجھن کو سلجھتا دیکھنے کے لیے ٹھہری گئی تھیں، وہ غیر جانبداری سے فیصلہ کرنا چاہتی تھی، اپنی ذات کو درمیان میں لائے بغیر محبت کے حساس جذبوں کو تقدس کو سمیٹ کر ایک حتمی فیصلہ کرنا چاہتی تھی۔ محبت میں نارسائی زندگی کا المیہ بن جاتی ہے۔ اس نے علی آیان حسن گیلانی کی محبت کو نارسائی دان کر کے شاید جانتے بوجھتے اپنے دل کے لیے عمر بھر کا روگ چنا تھا، علی آیان کو اذیتوں کے بے کراں سمندر کی بے رحم موجوں کے حوالے کر کے اپنے لیے بھی تڑپتے لمحوں کا ساماں پیدا کیا، مگر مشارب شاہ کو ایسی کسی بھی صورتحال و کیفیت سے بچانا اس کے اختیار میں تھا۔ علی کے لیے وہ درد بنی تھی، مشارب شاہ کے لیے وہ دوا بن سکتی تھی، علی سے کیے اپنے سنگین عمل کا مداوا وہ مشارب شاہ کی محبت کو امر کر کے کر سکتی تھی، ایک کے بعد دوسرے شخص کو اپنی ذات سے اب وہ تکلیف دے کر پچھتاؤں میں نہیں گرنا چاہتی تھی، بے چینی، وحشت و بے سکونی کو ایک مرتبہ پھر اپنے تعاقب میں نہیں لگانا چاہتی تھی تو کیا وہ اپنے سنگین عمل کا مداوا ایک مرتبہ پھر علی آیان حسن گیلانی کو دل سے نکال کر کرنے جا رہی تھی؟

''نہیں علی! تم ہمیشہ میرے دل میں رہو گے، میری پہلی اور اولین چاہت تم ہو، بس میں خود کو مزید کسی کے حق میں گناہ گار نہیں کرنا چاہتی، میری ہر سوچ تمہاری ہو گی، میرا ہر خواب تم سے منسلک ہو گا، بس میں پچھتاوے کی زد سے نکلنا چاہتی ہوں، میں ایک مرتبہ پھر کسی کو دکھ دے کر مجرم نہیں بننا چاہتی''۔ وہ نفی میں سر ہلاتی علی آیان حسن گیلانی سے مخاطب ہوئی تھی۔

''میں خود غرض نہیں ہوں علی! میں اپنے لیے یہ فیصلہ نہیں کر رہی، مگر یقین جانو یہ فیصلہ اب ضروری ہے، ورنہ شاید میری آخری سانس تک میں کبھی خود کو معاف نہیں کر سکوں گی''۔ وہ زیر لب بڑبڑائی تھی۔ نہ اس کا دل اس فیصلے سے مطمئن ہوا تھا نہ دماغ کو تسکین ملی تھی۔ مستبشرہ جمال نے فیصلہ البتہ اٹل کر لیا تھا، تبھی چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی واپس کمرے میں آئی تھی، ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے پڑا موبائل اٹھا کر اس نے مشارب شاہ کا نمبر ڈائل کیا تھا۔

''ہیلو مستبشرہ!'' تیسری بیل پر دوسری جانب سے کال پک کر لی گئی تھی، مشارب کی گرم جوش آواز اس کے کان میں ابھری تھی۔

''مشارب! میں نے تمہارے پرپوزل کے بارے میں بہت سوچا ہے''۔ اس نے بات شروع کی، اندر دل کٹا جا رہا تھا، مگر وہ اپنی بات پر قائم رہنا چاہتی تھی۔

''میں تمہارا فیصلہ جاننا چاہوں گا''۔ اس کے جسم کا ہر عضو سماعت بنا۔

''مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے''۔ وہ آہستگی سے بولی۔ دوسری جانب مشارب شاہ کے ہونٹوں کو جاذب، مسحور کن مسکراہٹ نے چھوا تھا۔

''تھینک یو سو مچ مستبشرہ!'' فرط مسرت سے بولا۔ مستبشرہ جمال اس کی آواز میں موجود خوشی کا اندازہ کرنے لگی، کتنی کھنک تھی اس کے لہجے میں، ایسی ہی کھنک اس سے بات کرتے وقت علی آیان حسن کے لہجے میں ہوتی تھی، مستبشرہ کے

چہرے کا طواف کرتے وقت اس کی آنکھیں کس قدر چمکتی تھیں، مگر ہائے افسوس....!

''میں بہت خوش ہوں مستبشرہ! اور اپنی محبت کو گواہ بنا کر اسی لمحے تم سے کہتا ہوں کہ میں تمہیں زندگی کی ہر خوشی دوں گا''۔ وہ بے حد چہک رہا تھا۔ خواہش بھر آئی تھی، خواب سچ ہونے والا تھا، مستبشرہ البتہ فیصلے کے بعد دل میں اٹھتی کسک کو برداشت کرتی چپ تھی۔

''تم نے آج مجھے ایک نئی زندگی کی نوید سنائی ہے، I love you so much!'' مبہم سا گرم جوش انداز مشارب شاہ کی خوشی کا حال بتا رہا تھا، لیکن وہ.... دوسری جانب آنکھ میں آئے آنسوؤں کی کہانی میں کھوئی ہوئی تھی۔

☆.....☆.....☆

کئی مہینوں بعد ادینہ چھ ماہ کے لیے رہنے آئی تھی، معید کو کام کے سلسلے میں 6 ماہ کے لیے ملک سے باہر جانا تھا، جانے سے پہلے وہ ادینہ کو اس کے میکے چھوڑ گیا تھا کیونکہ اپنی ماں کی فطرت سے وہ واقف تھا، سب اس کے آنے پر خوش ہوئے تھے، نایاب بھی اس سے خاصی مانوس تھی، اریبہ البتہ مہ روش کو ہی تھکانے میں مصروف تھی۔ ادینہ گھر کی ٹھہری ہوئی فضاء میں اریبہ کی مستیوں کو انجوائے کرتی تھی، نایاب صبح اسکول میں جاتی تھی، شام کو مدرسے اور باقی وقت مہ روش کے پاس رہتی تھی، آج کل ادینہ مہ روش کے حالت کے پیش نظر اسے زیادہ تر اپنے ساتھ ہی مصروف رکھتی تھی، ادینہ کی اپنی اولاد نہیں تھی، شادی کو سات سال گزر گئے تھے، معید اور وہ دونوں اللہ کی رضا سے مطمئن تھے، حالانکہ معید ماں باپ کا لاڈلا بیٹا تھا، کوثر نے بھائی سے بغض کو دل میں رکھے کئی مرتبہ اسے دوسری شادی کا کہا تھا، مگر ادینہ سے محبت میں اسے باقی کوئی خواہش زیادہ عزیز نہیں تھی، سو کبھی اس نے ادینہ کے سامنے بھی اولاد کی شدید خواہش نہیں کی تھی، لیکن ادینہ کو اولاد کی بہت خواہش تھی۔

''اللہ! مجھے بھی نایاب جیسی ایک بیٹی دے''۔ نایاب کی معصومیت ادینہ کو بہت اچھی لگتی تھی، جب بھی اسے گود میں بٹھاتی ہمیشہ دعا کرتی۔

''اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں، انشاء اللہ ایک دن تمہاری دعا ضرور قبول ہو گی''۔ ماہی اس کا ہاتھ تھام کر یقین دلاتی، ادینہ کے لہجے کی حسرت دیکھ کر وہ ہمیشہ اس کے لیے خود بھی دعا کرتی تھی، اس کی خود کی زندگی کے ون سو گواریت میں سموئے بہت سستی سے گزر رہے تھے۔ ادینہ کو یہاں آئے ایک ہفتہ ہونے والا تھا، عموماً وہ ایک دو دن کے لیے آتی تھی، جس میں وہ سرسری ہی تمام گھر والوں کو الجھن آمیز تاثرات میں گھرا دیکھ کر خود الجھتی تھی، مگر اس مرتبہ اس ایک ہفتے میں وہ تھوڑی بہت اکتائی تھی۔

تمام افراد کی روٹین اسے بہت عجیب لگی تھی، ماہی صبح اٹھ کر ناشتہ بنانے کے بعد نایاب کو اسکول کے لیے تیار کرتی تھی، اتنے میں مراد چہرے پر سنجیدگی سجائے ناشتہ کرتا اور خاموشی سے آفس کے لیے نکل جاتا تھا، نایاب خالی نظروں سے اسے جاتا دیکھتی تھی، اریبہ ناشتے کے وقت دادی کے پاس ہوتی تھی، انہی کے ہاتھ سے ناشتہ کرتی تھی، ماہی نایاب کو اسکول بھیجنے کے بعد خود آخر میں ناشتہ کرتی، پھر برتن سمیٹتی، کچن کا پھیلاوا سنبھالتی، گھر کی صفائی ستھرائی کرتی، کھانا آج کل کلثوم بیگم بناتی تھیں، مہ روش کا شام مراد کے آنے تک کا وقت دیگر کاموں اور اریبہ کے ساتھ گزرتا، مراد آتا تو وہ بنا اس کے کہے چائے بنا کر اسے دیتی اور اس کے سامنے دوبارہ رات کے کھانے کے وقت آتی، نہ اس نے مراد کو کبھی ماں کے

سامنے بیٹھ کر بیٹیوں کی باتیں کرتے دیکھا تھا نہ بیٹیوں سے پیار کرتے دیکھا تھا اور نہ اس نے کبھی مراد اور ماہی کو آپس میں بیٹھ کر باتیں کرتے دیکھا تھا۔

مراد منصور کے چہرے پر سنجیدگی اور ماہی کے بے تاثر چہرے کو دیکھ کر اسے الجھن ہونے لگتی، شادی کے محض 5 سال گزرنے کے بعد کوئی بھی میاں بیوی کم از کم ایسے نہیں ہو سکتے اور مراد کی تو ماہی سے پسند کی شادی تھی، پھر کیوں اسے اس پسند کی کوئی رمق ان دونوں کی آنکھوں میں ایک مرتبہ بھی محسوس نہیں ہوئی تھی؟ یہ سوال اسے حیرت میں ڈال گیا تھا، کوئی خاص تجسس اسے نہیں ہوا تھا، مگر وہ کم از کم جواب جاننا چاہتی تھی۔

''یہ تمہارا وہم ہے''۔ تمام بات سننے کے بعد کلثوم بیگم اتنا ہی بولی تھیں، وہ ماں کے کمرے میں ہی ہوتی تھی، رات سونے سے پہلے ایک مرتبہ پھر ان سے پوچھنا چاہا۔

''یہ وہم نہیں ہے امی! مجھے بار بار ایسا لگتا ہے جیسے.....!'' نفی کرتے ہوئے اس نے بولنا چاہا، مگر کلثوم بیگم رسانیت و سہولت سے اسے ٹوک گئیں۔

''اپنے بھائی کو تو تم شروع سے جانتی ہو، ہمیشہ سے وہ ایسا ہی ہے، سنجیدہ اور خود میں مگن رہنے والا اور ماہی ایک تو وہ اس حالت میں ہے کہ خود کو سنبھالنا مشکل ہوتا ہے اوپر سے دو بچیوں کے پیچھے بھاگنا، ان کے ہزار کام کرنا، اریبہ تو ویسے بھی اسے بیٹھنے نہیں دیتی، ساتھ گھر کے کام بھی میرے منع کرنے کے باوجود کرتی ہے، ایسے میں تم خود سوچو کہاں وہ خود کو پہلے جیسا رکھ سکتی ہے؟'' کلثوم بیگم نے کئی جواز اس کے سامنے رکھے۔

''امی! لیکن اتنا بھی تو انسان بیزار نہیں ہو سکتا، عندلیب کو دیکھ لیں آپ، دو بچے تو اس کے بھی ہیں، لیکن اس نے خود کو پہلے سے بھی فٹ رکھا ہوا ہے، بچے بھی سنبھالتی ہے اور اریش کو بھی برابر وقت دیتی ہے، دونوں کتنا خیال رکھتے ہیں ایک دوسرے کا، گھومنے پھرنے جاتے ہیں، ایک دوسرے کو مکمل وقت دیتے ہیں، لیکن مراد اور ماہی کو تو کبھی میں نے بات کرتے بھی نہیں دیکھا، دن بھر ایک دوسرے سے ایسے برتاؤ کرتے ہیں جیسے دو اجنبی ہوں''۔ وہ وضاحت سے بولی۔

''مراد سارا دن آفس میں گزار کر آتا ہے، تھکا ہوا ہوتا ہے''۔ کلثوم ماہی سے وعدے کے بعد ٹال مٹول کر رہی تھیں۔

''لوگوں کی تھکن اولاد کو ہنستا مسکراتا دیکھ کر اتر جاتی ہے، چاہے دن بھر کتنے ہی خوار کیوں نہ ہو لیں، گھر واپس آ کر اپنی اولاد کے ساتھ وقت گزارتے ہیں، کھیلتے ہیں ان کی خوشی میں خوش ہو کر ان کی ننھی منی خواہشات پوری کرتے ہیں، مگر میں نے تو مراد کو کبھی نایاب اور اریبہ کے ساتھ بھی نہیں دیکھا، بلکہ جب وہ کھیل رہی ہوں تو انہیں جھڑکتا ہی دیکھا ہے اسے، کیا ہے یہ سب؟ مجھے بہت الجھن ہو رہی ہے''۔ سچ مچ ادینہ الجھ کر ہی تو رہ گئی تھی۔

''یہ فضول کا سوچنا چھوڑ دو، نہیں ہو گی الجھن پھر''۔ وہ البتہ بات ختم کرنا چاہتی تھیں۔

''کاش! یہ فضول کی سوچ ہی ہو''۔ وہ بولی۔

''سو جاؤ اب ادینہ!'' کلثوم بیگم نے لیٹتے ہوئے اسے تاکید کی۔

''جی!'' ادینہ نے اٹھ کر لائٹ آف کی، لیکن اندر سے وہ مطمئن نہیں ہوئی تھی۔ گھر کا ماحول اور ماہی اور مراد کا اجنبیوں سا برتاؤ اسے عجیب کشمکش میں ڈال گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

''افریشم! کہاں ہو تم؟'' کوئی چوتھی مرتبہ علی نے اس کے کیبن میں جا کر اسے دیکھا تھا، مگر وہ ہنوز نہیں آئی ہوئی تھی، لنچ کا ٹائم بھی ہونے والا تھا، اپنے آفس میں آ کر اس نے افریشم کا نمبر ڈائل کر کے اس سے استفسار کیا تھا۔

''آج میرا خیال کیسے آ گیا ہے جناب کو؟'' جواب دینے کے بجائے وہ بولی، لہجے میں مصنوعی حیرانگی تھی۔

''اس بے تکی بات کا مطلب؟''

''ویسے تو تم ہمیشہ اپنی محبوبہ کے دھیان میں رہتے ہو''۔ اس نے بتایا۔

''اس وقت تو تم مجھے اس کا دھیان دلا رہی ہو''۔ علی نے جتایا۔

''کیونکہ تم اسی بات سے خوش ہوتے ہو''۔ وہ اسی کے انداز میں بولی۔

''کافی سمجھدار ہو گئی ہو، اور ابھی تک تم آفس کیوں نہیں آئیں، لنچ ٹائم ہو گیا ہے، تم جانتی ہو میں لنچ صرف تمہارے ساتھ کرتا ہوں''۔ وہ اصل مدعے کی طرف آیا۔

''آج تم لنچ اپنی پرنسز کی یادوں کے ساتھ کر لو''۔ وہ بے لچک آواز میں بولی۔

''اوہ..... ہر وقت طنز..... یار! کبھی تو سیدھا جواب دے دیا کرو''۔ علی کو ناگوار گزرا۔

''اوکے تم لنچ کر لینا مجھے آج دیر لگے گی آنے میں یا شاید میں آج نہ آ سکوں''۔

''لیکن کیوں؟''

''کیوں کہ مجھے لگتا ہے میں پاگل ہو گئی ہوں یا ہونے والی ہوں''۔ اب کہ وہ سنجیدہ ہوئی۔

''تم ہو کہاں اس وقت؟'' علی کچھ نہ سمجھا۔

''کل اپائنمنٹ لی تھی ابھی سائیکالوجسٹ کی طرف جا رہی ہوں''۔ اس نے بتایا۔

''کیوں؟'' وہ چونکا پھر مزید حیرانگی کے ساتھ پوچھا۔

''کیا ہوا ہے تمہیں؟''

''کہا نا کہ مجھے لگتا ہے میں پاگل ہو گئی ہوں یا ہونے والی ہوں''۔ وہ بے حد سنجیدہ ہوئی کہ علی اس کی بات کو مذاق نہ سمجھے۔ علی ہی تو تھا اس سب کی وجہ، افریشم دل کے ہاتھوں مجبور ہو گئی تھی، ہر وقت کی سوچوں سے اسے ٹینشن ہونے لگتی تھی، ہر وقت یکطرفہ محبت میں عمر بھر کی تشنگی کا احساس دیمک کی طرح اسے اندر ہی اندر کھائے جا رہا تھا، نہ وہ علی کے سامنے اپنے جذبات کا اعتراف کر سکتی تھی نہ اس کے دل سے مستبشرہ جمال کو نکال کر اسے اپنی طرف مائل کر سکتی تھی، ایسے میں بے شمار الجھتی، بکھرتی سوچیں اسے نچوڑ رہی تھیں، اسے لگنے لگا تھا جیسے وہ اس ادھوری الجھتی کہانی کو سلجھا نہ سکی تو پاگل ہو جائے گی۔ اور پاگل ہو کر وہ اپنی ذات کو ادھورا نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔

''یہ کیسا مذاق ہے؟''

''یہ مذاق نہیں ہے علی!''

''پھر اچانک سے تمہیں کیا ہو گیا ہے؟''

''اچانک سے تو نہیں ہوا مجھے کچھ، لیکن تم کہاں سمجھو گے یہ سب باتیں''۔ افریشم کا لہجہ روکھا پھیکا سا تھا۔ علی آیان نے الجھن آمیز تاثرات سے بھویں سکیڑی تھیں۔

(جاری ہے.....)

ردا کی ڈائری

افشاں علی کی ڈائری سے

ایک خوبصورت نظم

وہ لڑکی شاید پاگل تھی
دن رات ہی گم صم رہتی تھی
کچھ شرم وحیا کا پیکر تھی
کچھ نرم مزاج رکھتی تھی
آنکھوں میں نیم نشہ سا تھا
باتوں سے دیوانی لگتی تھی
ہم راز نہ تھا اس کا کوئی
بس خود سے باتیں کرتی تھی
اک شرم کے آنچل میں اکثر
جذبات چھپایا کرتی تھی
ڈرتی تھی جدا ہو جانے سے
یا پھر پیار سے شاید ڈرتی تھی
کیا صبر تھا اس دیوانی کا
کیا ضبطِ محبت رکھتی تھی
ہے رشک مجھے اس پگلی پر
کیا خوب محبت کرتی تھی
وہ جس سے محبت کرتی تھی
کیا خوب محبت کرتی تھی
وہ لڑکی شاید پاگل تھی...!

ریما نور رضوان کی ڈائری سے

نامعلوم شاعر کی نظم
اس کو کچھ بھی یاد نہیں!

کوئی عید بھی اس کو یاد نہیں
کوئی بات بھی اس کو یاد نہیں
اک شخص نے اس کو چاہا تھا
وہ شخص بھی اس کو یاد نہیں
جب شب کی بجلی چمکی تھی
اور.....
بادل ٹوٹ کر برسا تھا
وہ برسات بھی اس کو یاد نہیں
وہ ساحل، ڈائری، پھول، ہوا
وہ وعدہ ساتھ نبھانے کا
اور.....
شب بھر چاند کو دیکھا تھا
وہ رات بھی اس کو یاد نہیں
وہ کہتا تھا میں سنتی تھی
ان لاکھوں باتوں میں
کوئی بات بھی اس کو یاد نہیں

سیدہ امبر ہاشمی کی ڈائری سے

محسن نقوی کی نظم

اگر تم آئینہ دیکھو تو

خود سے نظریں چرا لینا
کہ اکثر بے وفا لوگوں کو
آنکھیں چور لگتی ہیں

حنا علی کی ڈائری سے

قتیل شفائی کی خوبصورت غزل

اک اک پتھر جوڑ کے میں نے جو دیوار بنائی تھی
جھانکوں اس کے پیچھے تو رسوائی ہی رسوائی تھی
یوں لگتا ہے سوتے جاگتے اوروں کا محتاج ہوں
آنکھیں میری اپنی ہیں پر ان میں نیند پرائی ہے
دیکھ رہے ہیں سب حیرت سے نیلے نیلے پانی کو
پوچھے کون سمندر سے تجھ میں کتنی گہرائی ہے
آج ہوا معلوم مجھے اس شہر کے چند سایوں سے
اپنی راہ بدلتے رہنا سب سے بڑی دانائی ہے
توڑ گئے پیمان وفا اس دور میں کیسے کیسے لوگ
یہ مت سوچ قتیل کہ بس اک یار تیرا ہرجائی ہے

زوبیہ شیخ کی ڈائری سے

ایک خوبصورت غزل

غم نہ کر تیرے لیے چراغ بن جاؤں گا
خود جل کر تیری راہ میں روشنی کر جاؤں گا
ڈر ہے کہ مجھ سے رسوائیں نہ ملیں تمہیں
ترک تعلق میں خود سے ہی کر جاؤں گا
تیرے آنچل میں ہوں پھول خواش میری
اپنا دامن میں کانٹوں سے بھر جاؤں گا
لاکھ بھلانے سے بھی نہ بھول سکو گی تم
میں پیار ہی تم سے اتنا کر جاؤں گا
سنوارو اپنا نصیب تم خوشی اے ایمان
میں کہ برف پہ بنی تصویر آخر مٹ جاؤں گا

امبرین حیدر کی ڈائری سے

ایک خوبصورت غزل

بس میری جانب دو قدم کر کے چلے جانا
پلٹ کر دیکھنا پھر آنکھ نم کر کے چلے جانا
کسی کو روکنا تو دور صدا تک نہ دے سکوں
میری اس بے بسی کا تم بھی غم کر کے چلے جانا
یہاں اب کوئی نہ آئے، یہ اندھیروں کی بستی ہے
میرے دلبر میرے دل پر رقم کر کے چلے جانا
فقط اک بیوفائی ہی نہیں کہ اب تلک مجھ سے
سو میرے ساتھ تم یہ بھی ستم کر کے چلے جانا
ابھی تک پھر ملیں گے کہہ نہیں پائے ہو تم مجھ سے
میری جاں یہ ہے رخصت کی رسم، کر کے چلے جانا
جو کہتی ہیں کہ میں تم سے دوبارہ مل نہ پاؤں گی
لکیریں وہ میرے ہاتھوں سے کم کر کے چلے جانا

نور بانو کی ڈائری سے

محسن نقوی کی خوبصورت نظم

اگر تم آئینہ دیکھو
تو خود سے نظریں چرا لینا
کہ اکثر بے وفا لوگوں کو
آنکھیں چور لگتی ہیں

☆.....☆.....☆

اشعار

سباس گل.....رحیم یار خان

بندھے ہیں ہاتھ اور شرط ہے سفر کی
میں کس سے کہوں کہ پاؤں سے کانٹا نکال دو

رضوانہ آفتاب.....کراچی

محبت میں اکثر ایسا ہی ہوتا ہے
کوئی ہنستا ہے تو کوئی روتا ہے
سوچ سمجھ کر دل لگانا میری جان
اس محبت میں کیا کچھ دل نہیں کھوتا ہے

سیدہ امبر ہاشمی.....کراچی

کسی سے ہاتھ کسی سے نظر ملاتے ہوئے
میں بجھ رہی ہوں رواداریاں نبھاتے ہوئے
کسی کو میرے دکھوں کی کیا خبر
میں ہر ایک سے ملتی ہوں مسکراتے ہوئے

سحر انجم.....کراچی

ہم نے خیرات میں یہ پھول نہیں پائے ہیں
خون دل صرف کیا ہے تو بہار آئی ہے

مسرت نواز.....لاہور

وہ بھی نہ تجھکو میرا بنا سکا
جس نے قسمت میری بنائی ہے

عانیہ نیازی.....ربوہ

قسمت پر ناز ہے تو وجہ تیری دوستی
خوشیاں جو پاس ہیں تو وجہ تیری دوستی
تم مجھ سے دوستی کی طلب کیسے کرو گے
چلتی جو سانس ہے تو وجہ تیری دوستی

حنا علی.....سیالکوٹ

میں تو سمجھا تھا لوٹ آتے ہیں جانے والے
تُو نے تو جا کے جدائی میری قسمت کر دی

نگہت توقیر.....چیچہ وطنی

میری قسمت میں غم اگر اتنا تھا
دل بھی یارب اتنے دیئے ہوتے

خدیجہ کمال.....راولپنڈی

وہ کسی خیال میں ہو اور اسی خیال میں ہی
کبھی میرے راستے میں وہ گلاب بھول جائے
مجھے غم وہ دے رہا ہے مگر اس پر چاہتا ہے
میں حساب نہ رکھ پاؤں وہ حساب بھول جائے

عینی علی.....شاہ پور

اگر تم بھول بھی جاؤ تو یہ حق ہے تم کو
میری بات اور ہے میں نے تو محبت کی ہے

رابعہ منیر.....سرگودھا

دل جسے یاد کر کے روتا ہے
وہ بھی رویا مگر کسی کے لیے
دل کا دروازہ تیرے بعد
ہم نے کھولا نہیں کسی کے لیے

ثناء حیات.....کراچی

تجھ سے مانگوں میں تجھ کو کہ سب ہی کچھ مل جائے
سو سوالوں سے یہی اک سوال اچھا ہے

شازیہ رحمت.....گجرات

بہت کم یاد کرتے ہو مختصر سا وقت دیتے ہو
کیا بات ہے صاحب بچھڑنے کا ارادہ ہے

نور بانو.....کوئٹہ

تم بھی تو قرار و قول بھولے
کون اپنا کہا نبھا سکتا ہے
اب یاد نہ آ کہ کچھ دنوں سے
دل کسی اور کو چاہتا ہے

صبا سحر.....ہارون آباد

جدا کر کے اسے خود سے میں گھر آ کر بہت رویا
جہاں جاتے تھے ہم دونوں وہاں جا کر بہت رویا
میں پہلے اس کا رونا سوچ کر ہنستا رہا پہروں
میں پھر اس کی ہنسی کو ذہن میں لا کر بہت رویا

رمشہ علی.....میاں چنوں

کتابیں بھی بالکل میری طرح ہیں
الفاظ سے بھرپور مگر خاموش

نبیلہ ملک.....اسلام آباد

بات کھلنے پر وہ لے بیٹھا پرانی رنجشیں
ایسا لگتا ہے کہ وہ مجھ سے خفا پہلے سے تھا

زوبیہ شیخ.....رحیم یار خان

اک بار وہ ملا تھا مجھے بے رخی کے ساتھ
اس دن سے دل کا شہر برابر اداس ہے
دیکھی ہے اس کی آنکھ میں پہلی دفعہ نمی
یوں لگ رہا ہے جیسے سمندر اداس ہو

دھنک ناز.....کراچی

مدت سے تھی کسی کے ملنے کی آرزو
خواہشِ دیدار میں سب کچھ گنوا دیا
کسی نے دی خبر کہ وہ آئیں گے رات کو
اتنا کیا اجالا کہ گھر تک جلا دیا

مصباح خالد.....لاہور

مدت کے بعد ہے وہ ستم گر ملا مجھے
جس کی مجھے تلاش تھی گوہر ملا مجھے
میں چاہتی تھی وہ فقط میرا ہو ہمسفر
وہ میری کائنات سے بڑھ کر ملا مجھے

نائلہ محمود.....کراچی

میں اسے آنکھوں کے دریچے سے جدا کیسے کروں
وہ میری ذات کے ہر پہلو سے عیاں ہوتا ہے

شبنم شاہد.....خان پور

عجیب لوگوں کا بسیرا ہے تیرے شہر میں ساغر
انا میں مٹ جاتے ہیں مگر یاد نہیں کرتے

عاصمہ رشید.....فیصل آباد

بے اعتبار وقت پر جھنجھلا کر رو پڑے
کھو کر اسے کبھی، تو کبھی پا کے رو پڑے
خوشیاں ہمارے پاس کہاں مستقل رہیں
باہر کبھی ہنسے بھی تو گھر آ کر رو پڑے

یاسمین حسن.....بھکر

دل کی کتاب میں گلاب ان کا تھا
رات کی نیند میں خواب ان کا تھا
کتنا پیار کرتے ہو جب ہم نے پوچھا
مر جائیں گے تیرے بن جواب ان کا تھا

زمرد خان.....پشاور

یہ تو صرف ظرف کی بات ہے کہ کوئی سمیٹے کس طرح
کہ جتنے دکھ ملتے ہیں اتنے دامن کشادہ نہیں ہوتے
جو خود پر جھیل چکے ہوں کرب ٹوٹے ہوئے دل کا
وہ کسی کا دل دکھانے پر آمادہ نہیں ہوتے

امبرین حیدر.....اسلام آباد

ہر گھڑی اچھی آس رکھا کر
اچھی یادوں کو پاس رکھا کر
دل مرا ڈوب ڈوب جاتا ہے
یوں نہ آنکھیں اداس رکھا کر

نوشین مدثر.....لاہور

کس نے کہا تجھے کہ انجان بن کے آیا کر
میرے دل کے آئینے میں مہمان بن کے آیا کر
پاگل اک تجھے ہی تو بخشی ہے دل کی حکومت
یہ تیری سلطنت ہے تُو سلطان بن کے آیا کر

مسکان.....قصور

خوشیوں کی شام اور یادوں کا یہ سماں
اپنی پلکوں پہ ہرگز ستارے نہ لائیں گے
رکھنا سنبھال کر چند خوشیاں میرے لیے
میں لوٹ آؤں گا تو عید منائیں گے

☆.....☆.....☆

نورین ملک

اس ماہ میں

اس ماہ کا اقتباس

شام کے بعد

عجیب بات ہے شام کے وقت بجلی کی روشنی کے باعث غروب آفتاب کو کوئی نہیں پہچانتا پر ہمارے اندر رہنے والے پتھر اور دھات کے زمانے والے انسان کے ساتھ بہت کچھ بیت جاتی ہے۔ شام کا انسان کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے آج بھی اپنی اپنی جان کو کندھے پر مشکیزے کی طرح لٹکائے اندھیرے سے ڈرتے ہیں، شام کو بسوں کا رنگ، تانگوں کی رفتار، کاروں کا مڑنا دکانوں کے شوکیس، سائیکلوں کی گھنٹیاں، رکشے کے گیئر سب سارا شہر خطرے کی گھنٹیاں بجانے لگتا ہے یہ سب شام کو اجالے کا عمل ہے کیونکہ شام رات سے زیادہ غمگین ہوتی ہے رات آنے سے پہلے لحاف کی کوکھ میں چھپنے سے پہلے اور نیند کے گھٹنے پر سر رکھنے سے بہت پہلے سب ذی روح سورج سے بچھڑنے کا سوگ کرتے ہیں۔ سورج غروب ہونے سے پہلے زمین کا روشن حصہ ہر روز شعلہ رو ہو کر سلگتا ہے۔ پھر اس کے کناروں کو آگ لگ جاتی ہے جیسے ستی ہونے والی عورت کے پلو آگ پکڑ لیں۔ بچھڑنا رفتہ رفتہ یقین ہو جاتا ہے تو شام بیراگنوں جیسا لباس پہن لیتی ہے، جیسے بجھتی ہوئی راکھ ہو روشنی رہتی ہے لیکن نور نہیں رہتا یہ وقت شام کے سے ہر شخص کے لیے بڑا دشوار اور اداس ہوتا ہے لوگ دفتروں کو چھوڑ کر سڑکوں پر نکل آتے ہیں، عورتیں گھر چھوڑ کر دہلیزوں، پھاٹکوں اور دروازوں پر جا رکتی ہیں، بوڑھے سیر کا بہانہ بنا کر چار دیواری سے باہر بھاگنا چاہتے ہیں، بچے پارکوں، پلے گراؤنڈ سے بھاگ کر ماؤں کی طرف سرپٹ آتے ہیں سب وہاں نہیں رہنا چاہتے، وہاں وہ پہلے موجود ہوتے ہیں انسان کی سائیکی سے نباتات کی روئیدگی سے جانداروں کی نشوونما سے جمادات کی پوشیدہ طاقت و پختگی کے ساتھ ہواؤں، سمندروں، چاند ستاروں سے سورج کا رشتہ بہت پرانا ہے شام کے وقت عجیب قسم کی خاموشی ٹھہر ٹھہر کر وارد ہوتی ہے، بولتے ہوئے چہرے اجتماعی گونگے پن سے نجات حاصل کرنے کے لیے بولتے چلے جاتے ہیں اور خاموش لوگ اور اندر دھنستے چلے جاتے ہیں۔ لوگ الگ الگ محسوس کرتے ہیں ان کا یہ احساس کہ وہ مجلس میں رہ کر کس قدر تنہا ہیں، بڑھتا چلا جاتا ہے۔

بانو قدسیہ کی کتاب سے اقتباس

انتخاب: عانیہ نیازی.....ربوہ

اس ماہ کے اقوالِ حضرت علیؓ

☆ اللہ نے جانور کو خواہش دی پر عقل نہیں دی۔ فرشتوں کو عقل دی پر خواہش نہیں دی۔ انسانوں کو دونوں چیزیں دیں اب کوئی انسان عقل سے کام لے کر خواہش پر غالب آجائے تو فرشتوں سے بالاتر ہے لیکن عقل کو چھوڑ کر خواہش کی پرواہ کرے تو جانوروں سے بدتر ہے۔

☆ تلواریں دو طرح کی ہوتی ہیں۔ 1۔ لوہے کی۔ 2۔ محبت کی۔ لوہے کی تلوار ایک کو دو کر دیتی ہے جبکہ محبت کی تلوار دو کو ایک کر دیتی ہے۔

☆ اگر کسی کا ظرف آزمانا چاہتے ہو تو اسے عزت دو۔ اگر

وہ اعلیٰ ظرف ہوگا تو آپ کو زیادہ عزت دے گا اور اگر کم ظرف ہوگا تو خود کو اعلیٰ سمجھے گا۔

☆ مومن کے لیے ہر وہ دن عید کا دن ہے جس دن وہ گناہ نہ کرے۔

☆ جھوٹ بول کر جیت جانے سے بہتر ہے کہ سچ بول کر ہار جاؤ۔

روشنی فیصل.....کراچی

اس ماہ کی کرنیں

☆ سب سے بڑی دولت عقلمندی ہے۔

☆ اپنے عیبوں اور اپنی موت کو ہمیشہ یاد رکھو۔

☆ کسی بھی چیز کا لالچ انسان کو اندھا اور بہرہ بنا دیتا ہے۔

☆ پرائے بچوں سے پیار کرنا اللہ کے رحم کی نشانی ہے۔

☆ دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک نہ کرو جو اپنے ساتھ ہونا گوارہ نہ ہو۔

☆ زندگی کا مقصد صرف اپنی خوشی نہیں بلکہ دوسروں کو خوش رکھنا ہے۔

☆ جس کی حیا کم ہو جاتی ہے اس کی پرہیزگاری کم ہو جاتی ہے۔

☆ جو باتیں زیادہ کرتا ہے اس کی لغزشیں زیادہ ہوتی ہیں۔

☆ انسان کا کردار اسے عظیم بناتا ہے۔

☆ سب سے زیادہ خطرناک وہ انسان ہے جو دوست رہنے کے باوجود بھی دھوکہ دیتا ہے۔

☆ باہر محل بنوایا تو کیا، لوگوں کے دلوں میں گھر کرو اس میں عظمت ہے۔

اس ماہ کا فلسفہ

خالق کائنات نے جب انسان کو اس دھرتی پر اتارا تو اس کو بہت پیارے رشتے بھی دیئے۔ ماں اور باپ کا رشتہ جن سے اس کی زندگی کی ڈور مضبوط ہوتی ہے۔ بہن بھائیوں کا رشتہ دکھ سکھ میں ساتھ نبھانے والے اپنے پیاروں کے رشتے۔ بعض رشتے بدن پر پہننے والے لباس کی طرح ہوتے ہیں، انہیں کسی وقت بھی اتار کر پھینکا جا سکتا ہے جبکہ بہت سے رشتے شریانوں میں دوڑنے والے خون کی طرح ہوتے ہیں جن کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا جیسے ماں باپ کا رشتہ اور ان میں سے اگر کوئی بچھڑ جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے زندگی ہم سے دور ہو گئی ہے۔ جسم و جاں کا رشتہ ٹوٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اور یادوں کے سائے ہر پل تکلیف دیتے ہیں۔ لیکن چاہ کر بھی ہم کچھ نہیں کر پاتے کیونکہ کسی کا جدا ہونا ہمارے بس میں نہیں ہوتا۔ یہ تو بس تقدیر کا کھیل ہے اور ہم سب قسمت کے آگے بے بس ہیں۔

فرزانہ شوکت.....کراچی

اس ماہ کی مسکراہٹیں

دو مکینک گاڑیوں کے بارے میں تبادلہ خیال کر رہے تھے ایک بولا ''تمہیں گاڑیوں کی سیٹوں پر چمڑے کے کور اچھے لگتے ہیں یا کپڑے کے؟'' دوسرے نے جواب دیا ''کپڑے کے، کیوں کہ چمڑے کے کور سے ہاتھ اچھی طرح صاف نہیں ہوتے''۔

☆☆

گفٹ

بیوی: ''پچھلے سال آپ نے ہماری شادی کی سالگرہ پر مجھے لوہے کا بیڈ گفٹ کیا تھا اس سال کیا ارادہ ہے؟''

شوہر: ''اس سال اس میں کرنٹ چھوڑنے کا ارادہ ہے''۔

☆☆

حاضر جوابی

بچہ کافی دیر سے رو رہا تھا، شوہر نے بیوی سے کہا: ''تم اسے لوری دے کر سلا کیوں نہیں دیتیں؟''

بیوی بولی: ''لوری دے کر سلانے لگی تھی کہ پڑوس سے آواز آئی زیادہ بہتر ہوگا کہ بچے کو رونے دیا جائے''۔

سیدہ امبر ہاشمی.....کراچی

☆.....☆.....☆

خوشبو

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

رسول اکرمؐ نے منبر پر تشریف لا کر بلند آواز کے ساتھ اعلان فرمایا ''اے لوگو! جو اسلام لائے ہو، تم مسلمانوں کو تکلیف نہ پہنچاؤ، نہ ان کو غصہ دلاؤ اور نہ ہی ان کے عیوب ڈھونڈو، کیونکہ جو آدمی اپنے مسلمان بھائی کا عیب تلاش کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے عیوب ڈھونڈیں گے''۔

(ترمذی)

حضور اکرمؐ نے فرمایا ''جب میرا ربّ مجھے معراج پر لے گیا تو میں ایسے لوگوں کے پاس سے گزرا جن کے ناخن تانبے کے تھے وہ اپنے چہروں اور سینوں کو (ناخنوں سے) نوچ رہے تھے'' میں نے پوچھا ''اے جبرائیلؑ! یہ کون لوگ ہیں؟'' انہوں نے بتایا کہ ''یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے (ان کی غیبتیں کرتے تھے اور ان کی عزتیں پامال کرتے تھے)

(ابوداؤد)

رسول اکرمؐ نے فرمایا ''کیا میں تمہیں روزہ، صدقہ اور نماز سے افضل کام نہ بتاؤں؟'' ہم نے عرض کیا ''کیوں نہیں''۔ آپؐ نے فرمایا ''آپس میں صلح کرانا، کیونکہ آپس کی ناچاقی ایسی برائی ہے جو اسلام سے خارج کر دیتی ہے''۔

(ابوداؤد)

سیدہ نورین...... کراچی

رکن اسمبلی کا اقرارنامہ

ایک سیاسی جماعت کے جعلی ڈگری یافتہ رکن اسمبلی کا اپنی پارٹی کے قائدین کے سامنے اقرار نامہ ملاحظہ فرمائیے!

میں مسمی فلاں ابن فلاں اپنے پورے ہوش وحواس سے اقرار کرتا ہوں کہ

☆ میں حکومت کی تشکیل کے وقت ہر قسم کی وزارت کا عہدہ سنبھالنے کے لیے تیار ہوں، چاہے اس وزارت کے جملہ امور کی الف ب سمجھنے سے قاصر ہوں۔

☆ اگر مجھے ملک کا وزیر خزانہ بنایا گیا تو اپنی پارٹی کے ورکرز کے ہمراہ گھر گھر جا کر بھتہ سسٹم کے سنہری اصولوں کو بروئے کار لاتے ہوئے عوام الناس سے جبری ٹیکس وصول کروں گا۔

☆ اور یہ کہ میں اگر ملک کا وزیر خارجہ مقرر ہوا تو اپنی فیملی کے ساتھ بیرون ملک قیام کروں گا، میرے خیال میں خارجہ کا مطلب بیرون ملک قیام کرنا ہی ہے البتہ ملک میں موجودہ وزارت خارجہ کے محکمے کے عملے سے ٹیلیفون اور انٹرنیٹ کے ذریعے رابطے میں رہوں گا۔

☆ اور یہ کہ میں حکومت کے مقابلے میں پارٹی کا زیادہ وفادار اور خدمت گزار رہوں گا۔

☆ میں کیونکہ ایک غریب ملک کا رکن اسمبلی منتخب ہوا ہوں جہاں پٹرول کی قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے لیے اے سی کار کی بجائے موٹر رکشہ کے ذریعے اسمبلی جاؤں گا جس کے ایک طرف پارٹی پرچم اور دوسری طرف قومی پرچم ہوگا۔

حنا علی...... سیالکوٹ

مہکتی کرنیں

☆ مطالعہ غم اور اداسی کا بہترین علاج ہے۔

☆ نصیحت کے لیے موت ہی کافی ہے۔

☆ جو کام خود نہ کر سکو دوسروں کو بھی مت سونپو۔

☆ دنیا میں سب سے خطرناک غصہ جوانی کا ہے۔

☆ محبت بالآخر ہر شے کو فتح کر لیتی ہے۔

☆ جو زیادہ پوچھتا ہے وہ زیادہ سیکھتا ہے۔

☆ صدق یہ ہے کہ جو دل میں ہو وہی زبان پر آئے۔

☆ جو چیز ذاتی محنت سے ہی ملتی ہو اس کو دوسروں سے مانگنے کا فائدہ؟

عانیہ نیازی...... ربوہ

آرڈر

''ویٹر! ایک پلیٹ بریانی لے آؤ!''

''بہتر جناب! کچھ اور منگوانا پسند کریں گے؟''

''ہاں! اگر بریانی میں گوشت پچھلے ہفتے جیسا ہے تو اس کے لیے ہتھوڑا اور چھینی بھی لے آنا''

اریشہ...... کمالیہ

موبائل

☆ موبائل آیا پی سی او غائب

☆ موبائل آیا ٹارچ غائب

☆ موبائل آیا گھڑی غائب

☆ موبائل آیا ٹیپ ریکارڈ غائب

☆ موبائل آیا ریڈیو غائب

☆ موبائل آیا کیمرا غائب

☆ موبائل آیا عید کارڈ غائب

☆ موبائل آیا الارم سسٹم ختم

☆ موبائل آیا انٹرنیٹ ختم

☆ موبائل آیا سکون ختم

☆ اور اگر آپ کا موبائل آپ کی بیوی کے ہتھے چڑھ گیا تو آپ ختم۔

نور بانو...... کوئٹہ

آپ بھی پوچھیئے!

☆ ہر روز بھیگی بلی بننے والا شوہر شیر کب بنتا ہے؟

☆ جب بیوی میکے گئی ہو۔

☆ محبت کا تو پتہ نہیں، ٹیلی فون کا بل ضرور بڑھتا ہے۔

☆ اگر کسی کی بیوی مرجائے تو دوسری شادی کر لیتا ہے، لیکن کسی کا ضمیر مرجائے تو؟

☆ اب تو اسے چار شادیاں ضرور کرنی چاہئیں۔

☆ سیاستدان اور ڈاکو میں کیا فرق ہے؟

☆ ڈاکو پہلے لوٹتا ہے پھر جیل کاٹتا ہے جبکہ سیاستدان پہلے جیل جاتا ہے پھر لوٹتا ہے۔

دھنک ناز...... کراچی

تین چیزیں

☆ تین چیزوں کے باعث انسان اشرف المخلوقات کہلاتا ہے۔ (علم، عقل، روحانیت)

☆ تین چیزیں ہمیشہ سوچ سمجھ کر کرو۔ (بات، فیصلہ، لین دین)

☆ تین چیزیں ہمیشہ سوچ سمجھ کر اٹھاؤ۔ (قلم، قدم، قسم)

☆ تین [illegible] کا ہمیشہ احترام کرو۔ (والدین، استاد، قانون)

☆ تین چیزوں سے کبھی غافل نہ رہو۔ (نماز، قرآن، آخرت)

☆ تین چیزیں کبھی نہ بھولو۔ (قبر، حشر، جہنم)

☆ تین چیزوں سے ہمیشہ بچتے رہو۔ (جھوٹ، تکبر، ریاکاری)

☆ تین چیزیں ہمیشہ اختیار کرو۔ (اخلاص، دیانت، سچائی)

☆ تین چیزیں انسان کو تباہ کر دیتی ہیں۔ (حرص، حسد، غم)

☆ تین چیزیں ہمیشہ مانگتے رہو۔ (دعا، توبہ، جنت)

فرزانہ شوکت...... کراچی

محبت کیا ہے؟

سمندر نے کہا: ''محبت زندگی کی گہرائیوں میں چھپی ہوئی

اک سیپ ہے، جس میں چاہت جیسا انمول موتی موجود ہے"۔

بادل نے کہا: "محبت ایک دھنک ہے جس میں رنگ نمایاں ہیں"۔

شاعر نے کہا: "محبت ایک ایسی غزل ہے جو ہر ایک سننے والے کے دل میں اترتی جاتی ہے"۔

ساز نے کہا: "محبت ایک ایسا گیت ہے جو دل میں اتر جاتا ہے"۔

آنکھوں نے کہا: "محبت آنسوؤں کا سمندر ہے جو کسی کے انتظار میں خاموشی سے بہتے ہیں"۔

دل نے کہا: "محبت خاموشی سے کسی کو چاہے جانے کا نام ہے، آخری وقت بھی اظہار نہ کیا جائے"۔

نصیب نے کہا: "محبت کرنے والا دنیا کا خوش ترین انسان ہے"۔

نفرت نے کہا: "آخری جیت بالآخر محبت کی ہوا کرتی ہے"۔

ادیب نے کہا: "ایک ادھوری کہانی ہے"۔

مسافر نے کہا: "محبت بہت ہی طویل سفر ہے"۔

ڈاکٹر نے کہا: "دل کا روگ ہے"۔

وکیل نے کہا: "محبت ایک ہارا ہوا مقدمہ ہے"۔

اسٹوڈنٹ نے کہا: "محبت ایک کڑا امتحان ہے"۔

فقیر نے کہا: "محبت ایک روٹی کا ٹکڑا ہے، جس کا حصول ناممکن ہے"۔

ریما نور رضوان.....کراچی

گھر داماد لہیں جسے!

☆ گھر داماد تابعداری میں اپنی مثال آپ ہو جاتا ہے۔

☆ وہ فرمانبرداری میں یکتا ہوتا ہے۔

☆ اس کی گفتگو میں مٹھاس اور انکساری آجاتی ہے۔

☆ وہ گھریلو کام کاج میں انتہائی ماہر ہو جاتا ہے۔

☆ وہ اپنی ذات سے بالکل بے نیاز ہو جاتا ہے۔

☆ اس میں برداشت کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا جاتا ہے۔

☆ وہ بچوں کو بہتر انداز میں سنبھالنا سیکھ جاتا ہے۔

☆ یوٹیلیٹی کے بل جمع کرانے اور گھنٹوں قطار میں لگ کر چینی حاصل کرنے میں اسے کمال حاصل ہوتا ہے۔

☆ وہ صابر اور شاکر بن جاتا ہے۔

☆ برتن دھونا اس کے بائیں ہاتھ کا کام ہوتا ہے۔

☆ وہ بیگم سے اچھی روٹی پکا لیتا ہے۔

☆ کپڑے دھونے میں وہ واشنگ مشین کو مات دے ڈالتا ہے۔

☆ گھر کی صفائی ستھرائی اس سے بڑھ کر کوئی نہیں کرسکتا۔

☆ گھر داماد کبھی فارغ نہیں بیٹھتا، وہ چوبیس گھنٹے ہی آن لائن رہتا ہے۔

☆ وہ فکر معاش سے آزاد رہتا ہے۔

☆ چوبیس گھنٹے مصروف رہنے سے اس کی صحت "قابل رشک" رہتی ہے۔

☆ وفاداری کے جراثیم اس میں بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔

☆ وہ ہر مشکل کام بھاگم بھاگ کرتا ہے۔

☆ انکساری و عاجزی اس کی زندگی کا لازمی جزو بن جاتی ہے۔

☆ وہ گھوڑے سے بھی زیادہ وفادار ہو جاتا ہے۔

☆ وہ کبھی ہٹ دھرمی کا سوچ بھی نہیں سکتا۔

☆ کاہلی اور لاپرواہی اس سے روٹھ جاتی ہیں۔

☆ ہر روز شیو کرنے کی عادت ختم ہو جاتی ہے۔

☆ اچھے اور مہنگے لباس پہننے سے اس کی جان چھوٹ جاتی ہے۔

☆ پان، سگریٹ، چھالیہ وغیرہ کے خرچوں سے وہ بچ جاتا ہے۔

☆ بندہ رشتے ناطوں کو بھول کر صرف اور صرف سسرال کے گیت گاتا ہے۔

نوٹ: اگر سیاستدان یہ "خصوصیات" اپنالیں تو ہمارا پیارا وطن ہر قسم کی بدعنوانی، چور بازاری، لوٹ کھسوٹ سے پاک ہو کر ترقی کی راہ پر گامزن ہوسکتا ہے۔

ایس۔ امتیاز احمد.....کراچی

یادگار لمحے

یہی زندگی ہے

زندگی میں کئی لوگ آتے ہیں، کچھ ٹھہرتے ہیں، کچھ گزر جاتے ہیں، مگر کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو دور جانے کے بعد بھی ہر پل، ہر قدم، ہر سانس ساتھ رہتا ہے اور اس کا ہونا ہی ایک دلاسہ، حوصلہ ہوتا ہے، وہ کہیں بھی ہو دنیا کے کسی بھی کونے میں ہو، ایسے ہی جذبوں کی تپش سے آگاہ کرتا ہے، وقت کا دھارا کبھی ایک سا نہیں رہتا، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بہت کچھ بدل جاتا ہے، کوئی ہماری زندگی میں خوشیاں لے کر آتا ہے تو کوئی ہمیں غم دے کر چلا جاتا ہے، کوئی ہمیں ہمیشہ خوش دیکھنے کا خواہشمند ہوتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ وہ کچھ ایسا کرے کہ ہمارے چہرے پر مسکراہٹ پھیل جائے تو پھر ایسے میں زندگی وہموں میں الجھ کر رہ جاتی ہے کہ کہیں یہ پیار کرنے والے بدل نہ جائیں، ہمیں چھوڑ نہ جائیں اور ایسے میں دل خدا سے ہمکلام ہوتا ہے، کہتا ہے کہ "بس یہ کہیں نہ جائیں میری دنیا میں ہی بسے رہ جائیں۔

ریما نور رضوان.....کراچی

قطعہ

چلیں گے ہم اگر مل کر تبھی تو
رفاقت کا سفر جاری رہے گا
دلوں میں نفرتیں ہوں گی تو کیسے
محبت کا سفر جاری رہے گا

کلام: راؤ تہذیب حسین تہذیب

انتخاب: سباس گل.....رحیم یار خان

دوست

باپ بیٹے سے: "رات کہاں تھے؟"

بیٹا: "دیر ہوگئی تھی تو دوست کے گھر رک گیا تھا"۔

باپ نے اسی وقت بیٹے کے دس قریبی دوستوں کو فون ملایا، آٹھ نے کہا کہ "انکل! وہ رات میرے پاس تھا اور دو نے کہا کہ انکل وہ سو رہا ہے، آپ کہیں تو اٹھا دوں؟"

سیدہ امبر ہاشمی.....کراچی

سیلف ڈسپلن

میرے والد مجھے سکھایا کرتے تھے، سیلف ڈسپلن کے ذریعے ہی تم آزادی حاصل کرسکتے ہو، گلاس میں پانی ڈالو پھر اسے پی سکتے ہو، گلاس کے بغیر پانی چھلکے گا، گلاس ڈسپلن ہے۔

خاموشی

منہ پانی کے نل کی مانند ہے اور دماغ پانی کی ٹنکی کی طرح اگر منہ کھلا رکھو گے تو دماغ کی ٹنکی خالی ہو جائے گی۔

راجکماری سارہ احسان.....بہاولپور

ایک حقیقت

خوش رہو اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھو کہ ماضی راکھ کا ڈھیر ہے، پاؤں مضبوط جمائے رکھو کہ حال سمندر کی ریت کی طرح لمحہ لمحہ سرک رہا ہے اور آنکھیں کھلی رکھو کہ مستقبل خلا ہے۔

تنہائی

اکثر مجھ سے کہتی ہے میری تنہائی
یاد ہوتی ہے، ستم ڈھاتی ہے
خود بھی جلتی ہے اور جلاتی ہے
عمر یہ خاک میں ملاتی ہے
کتنی تھوڑی سی ہے تنہائی
مجھ سے کہتی اکثر میری تنہائی

افشاں علی.....کراچی

☆.....☆.....☆

ذرا پھر سے کہنا

غزل

اپنی رسوائی تیرے نام کا چرچا دیکھوں
ایک ذرا شعر کہوں اور کیا کیا دیکھوں
نیند آجائے تو کیا محفلیں برپا دیکھوں
آنکھ کھل جائے تو تنہائی کا صحرا دیکھوں
شام بھی ہوگئی دھندلا گئیں آنکھیں میری
بھولنے والے میں کب تک تیرا رستہ دیکھوں
سب ضدیں اس کی میں پوری کروں ہر بات سنوں
ایک بچے کی طرح سے میں اسے ہنستا دیکھوں
مجھ پر چھا جائے جو گلاب کی خوشبو کی طرح
انگ انگ اپنا اسی رت میں مہکتا دیکھوں
تو میری طرح سے بلکتا ہے میرے محبوب مگر
جی میں آتا ہے کوئی اور بھی تجھ سا دیکھوں
میں نے جس کو پوجا ہے اسے بس ایک بار
خواب بن کر تیری آنکھوں میں اترتا دیکھوں
تُو میری کچھ نہیں لگتی مگر جان حیات
جانے کیوں تیرے لیے دل کو دھڑکتا دیکھوں

پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی

غزل

جی چاہتا ہے ساری دنیا سے چھپالوں تجھ کو
سامنے بٹھا کر دیکھوں، دل میں بسالوں تجھ کو
مگر آرزوئیں کب پوری ہوتی ہیں؟
خوابوں کی تعبیریں سب ادھوری ہوتی ہیں
محبت ایک روگ ہے، جی چاہتا ہے یہ روگ لگادوں تجھ کو
تُو اپنی انا کی قید سے نکلے، میں بھی خودی کے زعم سے
ساری دنیا سے بچا کر ان پلکوں میں سجالوں تجھ کو
میں جو روٹھوں، تو تُوں منا بے شک
اور تُو جو روٹھے تو منالوں تجھ کو
میں جانتی ہوں تو مقدر نہیں میرا
کیسے اپنا نصیب بنالوں تجھ کو
پھر بھی یہ خواہش ہے فرزین
قسمت کی لکیروں سے چرا لوں تجھ کو

سیدہ فرزانہ حبیب فرزین

غزل

یہ شام، یہ منظر، یہ سماں یاد رکھیں گے
ہم اپنے اجڑنے کے نشاں یاد رکھیں گے
ساون کی مہکتی ہوئی صبحوں سے نکل کر
پت جھڑ کی کوئی شام گراں یاد رکھیں گے
اجڑی ہوئی گلیوں میں بھٹکتے ہوئے سائے
جسموں کو بھلا دیں گے کہاں یاد رکھیں گے
محسوس یہ ہوتا ہے کہ اب تجھ سے بچھڑ کر
جلتے ہوئے لمحوں کا دھواں یاد رکھیں گے
اجڑی ہوئی شاخوں میں ٹھہرتا تو ہے کچھ دیر
ہم لوگ یہ مہتاب خزاں یاد رکھیں گے
پھر خواب میں دیکھا ہے وہی شہر و سمندر

پھر ہدیہ تاریک شباں یاد رکھیں گے
یہ شہر، یہ بازار، یہ جلتے ہوئے منظر
امتیاز انہیں ہم سوختہ جاں یاد رکھیں گے

ایس۔امتیاز احمد

غزل

آنکھ جو پر نم ہوگئی ہے
کون کہتا ہے یاد اس کی کم ہوگئی ہے
خالی پڑے ہیں پیمانے سب کے
مے کشی میں صبح سے شام ہوگئی ہے
اس کے روٹھ جانے کے بعد
زندگی غم کی چتا ہوگئی ہے
جنگل میں درختوں پر لکھا تھا نام اس کا
سنا ہے وہ لکڑی بازار میں فروخت ہوگئی ہے
تھام رکھا تھا اس نے سر محفل غیر کا ہاتھ
بات ہے رسوائی کی مگر ہوگئی ہے
کسی سے کریں گلہ بھی تو کیا کریں عامر
ہوا بھی کچھ اپنے شہر کی مخالف ہوگئی ہے

عامر عزیز

غزل

جو غم تھے تیرے ہجر کے سارے بھلا دیئے
یادوں کے پھول خانہ دل میں سجا دیئے
آلام و جور سہنے کی ہمت نہیں ہم میں اب
یادوں کے دیپ جنوں کے لہو سے بجھا دیئے
بخشا ہے جس نے درد اسے بھی دعائیں دیں
قصے سبھی خلوص وفا کے سنا دیئے
ناکامیوں کے خوف سے یہ پردہ داریاں
منسوب آپ تھے جو نامے جلا دیئے
مجھ کو تو گلستان میں تھی پھولوں کی آرزو
دنیا نے میری راہ میں پھر کانٹے بچھا دیئے
شہنائیوں کی گونج اسے ساتھ لے گئی
جاوید اس نے پیار کے سارے وعدے بھلا دیئے

محمد اسلم جاوید

غزل

سر بازار عزت نیلام ہوتی ہم نے دیکھی ہے
زندگی کی بدصورتی ہم نے دیکھی ہے
ہنستے ہنستے زندگی کا زہر پیتے اس کو دیکھا
زندگی کی ہر لڑی بکھرتی ہم نے دیکھی ہے
دم آخر تک سینچا جس پودے کو خون سے
اس کی ہر پتی بکھرتی ہم نے دیکھی ہے
عمر رفتہ نے اتنی مہلت بھی نہ دی
ہستی مٹی میں ملتی ہم نے دیکھی ہے
تقدیر نے جو کچھ لکھا تھا اس کے لیے
مہر اس کی تختی پر ہم نے دیکھی ہے
غرور انا کی جنگ میں
اس کی ہار ہوتی ہم نے دیکھی ہے
ایک بار ملی تھی زندگی پھر بھی
اس زندگی کی کشتی ڈولتی ہم نے دیکھی ہے
موج تلاطم میں ملاح کو خود بے بسی میں
اپنی کشتی ڈبوتے ہم نے دیکھی ہے

روشن ہاشم

کوئی عاشق

شہر خموشاں کے باسی سن
لحد میں دفن اے شخص سن
تُو خود اس دنیا سے گزر گیا

تجھے ہر غم سے چھٹکارا مل گیا
مگر تیرا قصہ تمام نہ ہوا
تُو آج بھی کسی دل میں زندہ ہے
ہر روز کوئی تیری تربت پر
آنکھوں سے رم جھم کرتا ہے
یادوں کے پھول سجاتا ہے
تیری بدولت وہ شخص
عاشقوں کے لیے عبرت کا نشاں ہے
شہر خموشاں کے باسی سن
لحد میں دفن اے شخص سن

مریم مغل

نظم

ساتھ تمہارے دور تلک
چاند ستارے چلتے ہیں
جھیل سی گہری آنکھوں میں
پھول بتول کے کھلتے ہیں
دھڑکن دھڑکن کتنے ارماں
کروٹ کروٹ پلتے ہیں
جذبے کتنی مشکل سے
اشعاروں میں ڈھلتے ہیں
پلک جھپکتے کتنے لمحے
صدیوں میں بدلتے ہیں
آنسو اکثر یادیں بن کر
پلکوں پر لرزتے ہیں
ہجر کے پیڑوں پہ بھی ناصر
وصل کے پھول نکلتے ہیں

رضوانہ ناصر حنفی

غزل

کتنے دلکش تھے تمام لمحے تمہارے سنگ
لگتے تھے پیارے موسم کہ ہر اک رنگ
محبت کا انوکھا انداز اپنا کر ہمیں تم کر دیا کرتے تھے دنگ
چھوٹی چھوٹی باتوں پہ ہم کرتے تھے تمہیں تنگ
اکثر چھڑ جایا کرتی تھی ہمارے درمیان بے معنی سی جنگ
محبت کے رموز سے میں کہاں واقف تھی تم نے سکھائے تھے ڈھنگ
اب تو دل کا جہاں ویراں ہو چکا ہے تمہارے بنا
بے یقینی نے ہمیں بے حد کر دیا ہے گنگ

رضوانہ آفتاب

زندگی کی راہوں میں چار سو اندھیرا ہے

من کی سونی وادی میں
خامشی کا ڈیرا ہے
جتنے خواب روشن تھے
سرمگیں نگاہوں میں
جتنے پنچھی اڑتے تھے
بھیگتی فضاؤں میں
کھو گئے ہواؤں میں
آندھیوں کی راہوں میں
کیسا ہو کا عالم ہے
جو فضا پر طاری ہے
ہر کسی کے چہرے پر
اک سوگواری ہے
تم کو اپنا کہنے کی یہ سزا ہماری ہے
ہاں، مگر یہ خواہش ہے
میرا مہربان بدلے
میں کڑے سفر میں ہوں
خوف کے اثر میں ہوں
رات کے اندھیرے میں

اجنبی نگر میں ہوں
پھر بھی ساتھ تیرا ہو
تو نہ فکر ہو مجھ کو
ہاں اگر جو تُو چاہے
لے چلے ادھر مجھ کو
دو قدم کے رستے پر
ایک نیا سویرا ہے
ایک بار
پھر کہہ دے
تُو ابھی..... بھی میرا ہے

فرزانہ شوکت

غزل

چلتے چلتے کہیں پر قدم رک گئے
تیری دہلیز آ کر صنم رک گئے
ہوتا بدنام تُو بھی ہماری طرح
بہ زباں لفظ تیری قسم رک گئے
جب دلوں میں جگائیں ہوئیں تنگ تو
آنے والے خدا کے کرم رک گئے
میں نے دنیا سے جوں ترک فریاد کی
مجھ کو درپیش رنج و الم رک گئے
میری آنکھوں سے چھلکا نہ قطرہ کوئی
ٹوٹتے ٹوٹتے کچھ بھرم رک گئے
کتنے کمزور ساجد یہ ہتھیار تھے
حکمِ حاکم پہ سارے قلم رک گئے

سید ساجد

محبت

محبت جیت ہوتی ہے
مگر یہ ہار جاتی ہے
کبھی دل سوز لمحوں سے
کبھی بے کار رسموں سے
کبھی تقدیر والوں سے
کبھی مجبور قسموں سے
مگر یہ ہار جاتی ہے
کبھی یہ پھول جیسی ہے
کبھی یہ دھول جیسی ہے
کبھی یہ چاند جیسی ہے
کبھی مسرور کرتی ہے
کبھی مجبور کرتی ہے
کبھی روک دیتی ہے
کسی کا چین بنتی ہے
تو کسی کو رول دیتی ہے

افشاں علی

انسان

جیسے تم اب ہو ایسے نہ رہو گے
تم بدلو گے بدلتے ہی رہو گے
انسان بھی ہے اس دنیا کا پودا
ابھی آیا بڑھتا اور بڑھتا ہی رہے گا
بدلنے آیا اور وہ بدلتا ہی رہے گا
پرانا ہوگا بوڑھا بھی وہ ہوگا
وہ اس بدلنے سے نہیں بچے گا
رات اور دن کا فائدہ اٹھالو
لمحہ لمحہ اپنا ہی بنالو
تم جواں ہو کر ایسے نہ رہو گے
تم بدلو گے بدلتے رہو گے

فرخ سلطانہ

محبت ہو بھی سکتی تھی

محبت ہو بھی سکتی تھی
مگر اس سے بہت پہلے
ترے دل میں محبت کا
کوئی جو بیج بوتا میں
تو سچائی کے پانی سے
زمیں بھی نم میں کر لیتا

وفا کی ہلکی بارش سے
اسے میں سینچتا رہتا
اسے پودا بنالیتا
اسے دل سے لگا رکھتا
ابھی نازک سی کونپل تھی
محبت شوخ تھی ایسی نہ ایسی کوئی چنچل تھی
ابھی عمر رواں اس کی
فقط تھی چند لمحوں کی
مگر وہ ضد ہی کر بیٹھی
مجھے ایسے ہی دکھلاؤ
کہ جیسے فاختہ کے بال و پر نہ نکلے ہوں
اسی حالت میں دیکھ کر کوئی
غلط فہمی میں پڑ جائے
منہ پھیر کر کراہت سے
وہ کہہ ڈالے یہ نفرت سے
محبت ہو نہیں سکتی
مگر یہ بھی حقیقت ہے
ذرا وہ صبر کر لیتی
فقط مجھ پر یقیں رکھتی
تو آغوش محبت میں
سکوں سے سو بھی سکتی تھی
محبت ہو بھی سکتی تھی

شکیل عادل

نظم

کبھی سوچنا تمہیں
کبھی دیکھنا تصور میں تمہیں
کبھی دل کے نہاخانوں میں چھپا کر رکھنا تمہیں
کبھی سوچ کر تمہیں سرِعام مسکرانا
کبھی ملنے کی آرزو کرنا
تو کبھی دور سے دیکھنے کا قصد کرنا
کبھی خواب میں آواز دے کر پکارنا تمہیں
تو کبھی حقیقت میں تمہیں چھونے کی آرزو کرنا

راجکماری سارہ احسان

کشمکش ہے زندگی ان دنوں

عجب کشمکش ہے زندگی ان دنوں
کیا ہوں میں ان دنوں
پتھر ہوں یا ہوں موم
بس اتنی ہی سمجھ نہیں مجھ کو
عجب کشمکش ہے زندگی ان دنوں
آنسو ہے ہنسی ہے یا پھر ہے سزا
بس زندگی تو ہوتی ہے اک دعا
عجب کشمکش ہے زندگی ان دنوں
آرزوئیں ہیں کچھ، تمنائیں ہیں کچھ
خواہش ہے ان چنچل ہواؤں میں ان دنوں
عجب کشمکش ہے زندگی ان دنوں

زارا صدف قمر

نظم

منظور ہے
رب کا
ہر اک فیصلہ ہمیں
بھلا دیں گے
تمہیں بھی اک دن ہم
لیکن!
یہ تو ممکن ہے
اسی لمحے میں
جب داغ دے جائیں گی
سانسیں ہمیں.....!

مدیحہ اعجاز حسین

☆......☆......☆

سندیس

عانیہ نیازی..........ربوہ

سوئیٹ اپیا! اینڈ کیوٹ قارئین! سب کو سلام قبول ہو۔ سرورق بظاہر خوب صورت اور اچھا تاثر چھوڑنے میں کامیاب رہا۔ تیز چلچلاتی دھوپ اور لوڈ شیڈنگ کے عذاب میں مئی کا رڈا ایک تازہ ہوا کا جھونکا ہی لگا تبھی تو ایک ہی دن میں پڑھ ڈالا۔ ”وہ جو رگ جاں سے قریب تھے“ میں ہم تو رومی کی گریٹنس کے قائل ہو گئے، بہت اعلیٰ ظرف ہے وہ جو ارج کے لیے کھانا بناتی رہی ہم تو گھر بیٹھے ارج کے کارنامے دیکھ دیکھ کر کھول رہے تھے۔ ”کبھی عشق ہو تو پتہ چلے“ میں لگتا ہے لیل ماہ اور شہران کی شادی ہو جائے گی اور ان کے بیچ کے اختلافات بھی ختم ہو جائیں گے ”بند قبا کھلنے لگی جاناں“ میں میرا فیورٹ کردار ماہ کنعان ہے، ہو سکتا ہے وہ اوروں کو اتنا اچھا نہ لگتا ہو مگر مجھے اس کی بے اختیاری اور شدت پسندی اچھی لگتی ہے۔ ”کبھی کوک میرے دل کوک“ میں عارش نے آخر اپنے دل کی بات کہہ ہی دی، مجھے عارش کا انداز اور سوچ بہت اچھی لگتی ہے جس طرح وہ خرمن کی کیئر کرتا ہے وہ جذبہ اب ” ...یدسا ہو گیا ہے۔ ”اس دل میں بسے ہو تم“ میں انعم آپی! اب ...ریں مہروش پر ظلم کروانا، حد ہی ہو گئی، اتنا بھی کوئی انسان ... ہو سکتا ہے جسے اپنی تین بیٹیوں تک کی پرواہ نہیں۔ افسانوں میں ”ہم کو عبث بدنام کیا“، ”اک آواز دلنشیں مجھے بہت اچھے لگے۔ مستقل سلسلوں میں خوشبو ہمیشہ کی طرح خوشبو بکھیرتا لگا اور اس ماہ کے سارے انتخابات اور پسند بہت اچھی تھی۔ ذرا پھر سے کہنا میں تمام شعراء کا کلام پسند آیا۔ آپی! سندیسہ طویل ہو گیا ہے اس دعا کے ساتھ اجازت کے اپنا بہت خیال رکھیے گا۔

زوبیہ شیخ..........رحیم یار خان

ڈیئر صالحہ آپی! السلام علیکم! اس دفعہ پھر ٹائٹل فیئر اینڈ لولی کا ہی تھا۔ خیر جو آپ کو ٹھیک لگے، سب سے پہلے گوشہ آگہی پڑھا، ہمیشہ کی طرح اس دفعہ بھی آپ کی باتیں بہت اچھی تھیں جو سوچ کے کئی در وا کر گئیں۔ واقعی ووٹ کا صحیح استعمال ہی ہمیں ایک اچھی قیادت عطا کر سکتا ہے جو ملک و قوم دونوں کے ساتھ مخلص ہو اور میری دعا ہے کہ اس بار لوگ اپنے مستقبل کا سوچ کر ووٹ دیں۔ ”کبھی عشق ہو تو پتہ چلے“ اریشماء حمدان کی ساری دوریاں ختم ہوتی نظر آ رہی ہیں، مجھے تو لگتا ہے آگے چل کر شازیہ آپی ان کی ...ی بھی کروا ہی دیں گی۔ ”وہ جو رگ جاں سے قریب تھے“ رومی کی ایثار بھری نیچر مجھے بہت پسند ہے۔ ہر بات میں وہ باقی سب کو سوچتی ہے اور اپنی ذات کو بھول کر سب کی خدمت کرتی ہے۔ ”تم کو چاہا ہے تمہی کو چاہیں گے“ آغاز تو اچھا ہے مگر آخر میں باقی آئندہ پڑھ کر دل بوجھل ہو گیا کہ پھر ایک مہینے کے بعد ہی پتہ چلے گا کہ بلال نے کیا فیصلہ لیا۔ ”عشق ...ر میں“ ایک پراثر تحریر تھی محبت سچی ہو تو یوں ہی ...سی بھی دکھ دیتی ہے۔ ”شب ہجراں کا چمکتا چاند“ تھیم تو پرانی تھی مگر انداز تحریر کی وجہ سے اچھی لگی اسٹوری۔ افسانوں میں سبھی افسانے اچھے تھے خاص کر پریکٹیکل لائف اور ہم کو عبث بدنام کیا۔ مستقل سلسلوں میں سبھی سلسلے اچھے تھے۔ ہم سے ملیئے میں تبسم فیاض اور زارا صدف سے ملاقات اچھی لگی۔ آپی! یہ سلسلہ مجھے بے حد پسند ہے کہ ہم اپنے دوستوں رائٹرز کی پسند ناپسند اس سلسلے میں جان لیتے ہیں اور یوں

لگتا ہے جیسے آمنے سامنے بیٹھ کر بات ہو رہی ہو۔ پلیز باقی سب بھی اس سلسلے میں ضرور شامل ہوں۔ آپی! ردّا میرا پسندیدہ شمارہ ہے، خدا اسے یوں ہی کامیاب و کامران رکھے (آمین!)

حنا علی.....سیالکوٹ

السلام علیکم اپیا! ڈھیروں دعائیں۔ اس ماہ کے تبصرے کے ساتھ حاضر خدمت ہوں، سب سے پہلے ''وہ جو رگ جاں سے قریب تھے'' اپنے فیوریٹ ناول کو پڑھا، اس ماہ کہانی نے کچھ ٹرن لیا اور ارج رومی کا آمنا سامنا ہوا۔ ''کبھی عشق ہو تو پتہ چلے'' ٹھیک جا رہا ہے اپنی فیوریٹ رائٹر تبسم فیاض کے بارے میں جاننا بہت اچھا لگا۔ سمیرا غزل کی پریکٹیکل لائف اچھی تحریر تھی۔ وہیں سلمیٰ غزل کی ''ہم کو عبث بدنام کیا'' بھی آج کل کے معاشرے کی ٹھیک ٹھیک ترجمانی کرتی تحریر تھی۔ ''اس دل میں بسے ہو تم''، ''کبھی کوک میرے دل کوک'' بھی ٹھیک جا رہے ہیں۔ اس ماہ میں اور خوشبو میرے پسندیدہ سلسلے ہیں۔ آخر میں اس دعا کے ساتھ اجازت چاہتی ہوں کہ آپ کا ادارہ یوں ہی ترقی کی راہ پر گامزن رہے آمین!

مسکان.....قصور

السلام علیکم آپی! تمام پڑھنے لکھنے والوں کو بہت سی دعائیں۔ مئی کا شمارہ ملا، ٹائٹل پر کیا تبصرہ کروں کہ وہ تو ایک ایڈ کا تھا۔ باقی سارا ردّا بہت اچھا لگا۔ تبسم فیاض اور زارا صدف کا انٹرویو بہت پسند آیا اور پڑھ کر احساس ہوا کہ دونوں ہی پرخلوص اور سدا بہار مزاج ہیں باقی سلسلے وار ناولز، افسانے سب اچھے لگے۔ سب کے پیغام اور تبصرے بھی بے حد اچھے تھے۔ اللہ کرے ردّا کی یہ محفل یوں ہی سجتی رہے۔ اب اجازت! فی امان اللہ!

سیدہ فرزانہ حبیب فرزین.....کراچی

بہت ہی اپنی سویٹ سی صالحہ آپی! السلام علیکم! امید ہے آپ خیریت سے ہوں گی، اب تو شاید میرا نام آپ کے لیے اتنا نامانوس نہ ہو، مجھے ہر مہینے ردّا کا شدت سے انتظار رہتا ہے، آپ کے ناول ''وہ جو رگ جاں سے قریب تھے'' اے ون جا رہا ہے اس کے علاوہ نائلہ طارق، شازیہ مصطفےٰ جی کے کیا کہنے۔ نائلہ جی! آپ اتنے خوبصورت الفاظ کا چناؤ کس طرح کر لیتی ہیں۔ واقعی ایک سحر سا طاری ہو جاتا ہے اور صالحہ آپی! مجھے لگتا ہے آپ تو ادب کی دنیا میں ایک روشن ستارہ ہیں مجھے آپ کے ناولز سے محاورات واستعارات کا برمحل استعمال کرنا آیا۔ باقی ردّا کی کیا تعریف کروں سب ہی سلسلے سپر ہٹ ہیں اور آپ کا بہت بہت شکریہ جو میرے افسانے کو ردا میں اتنے مایہ ناز رائٹرز کے ساتھ جگہ دی، میں اپنی یہ خوشی بتا نہیں سکتی، امید ہے میری آئندہ تحریروں کو بھی آپ اپنی اصلاح اور رہنمائی سے شامل اشاعت کریں گی اور میرے خط کا جواب بھی ضرور دیں گی، آخر میں اس دعا کے ساتھ اجازت:

یہ دعا ہے ربِ رحیم سے
تیری تازگی کو خزاں نہ ہو

نور بانو.....کوئٹہ

السلام علیکم ڈیئر آپی، اسٹاف، فرینڈز، ریڈرز! امید ہے کہ خیریت سے ہوں گے، آپ سب کو اتنا عمدہ پرچہ نکالنے پر بہت بہت مبارک باد۔ ہر پرچہ پہلے سے بڑھ کر شاندار اور خوبصورت ہوتا ہے اب کہ پرچہ 22 کو ہی مل گیا۔ ٹائٹل پر سرسری سی نظر ڈالی سب سے پہلے گوشہ آگہی پڑھا، آپی! آپ کی فکر انگیز باتیں ہمیشہ دل پر اثر کرتی ہیں پھر ''وہ جو رگ جاں سے قریب تھے'' کی جانب بڑھے، خوبصورت لفظوں اور جذبوں سے سجا یہ ناول میرا سب سے فیوریٹ ہے، آپی! آپ رومی اور اشمل کے بیچ کی دوریاں ختم کر دیں ناں، مجھے رومی سے بہت ہمدردی ہوتی ہے اور ایشل سے بھی، زویا کی چالاکیاں تو ہم بس سمجھتے ہی رہ جاتے ہیں کیا دماغ ہے اس کا۔ مکمل ناول میں ''تم کو چاہا ہے تمہی کو چاہیں گے'' ایک خوبصورت ناول بلال کے ساتھ ہوئی ناانصافی دل دکھا گئی، صرف رنگ کی وجہ سے

بلال کی سگی ماں اس سے نفرت کرنے لگ جاتی ہے۔ خیر! آگے دیکھتے ہیں کہ بلال کو اپنی منزل اور خوشیاں ملتی ہیں یا نہیں۔ ''کبھی عشق ہو تو پتہ چلے'' حمدان اور اریشماء کی ناراضی تو کم ہو گئی مگر لیل ماہ اور شہران کا معاملہ ابھی تک الجھا ہوا ہے۔ دیکھیں شازیہ آپی اب ان کے لیے کیا کرتی ہیں۔ افسانوں میں سبھی افسانے اچھے تھے اور حقیقت کے قریب تر تھے۔ آپی! مجھے ردّا کی سب سے اچھی بات یہ لگتی ہے کہ ہر بار کوئی نہ کوئی نیو رائٹر ضرور شامل ہوتی ہے۔ مستقل سلسلوں میں دوستوں کے نام پیغام، خوشبو، اس ماہ میں اور اشعار میرے فیوریٹ سلسلے ہیں جو اس بار بھی نہایت شاندار تھے، میری دعا ہے کہ ردّا اپنی بہاریں یوں ہی بکھیرتا رہے آمین!

نازش چوہدری.....بھاولنگر

سویٹ اپیا! کیسی ہیں آپ؟ امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔ پہلی بار ردّا کی اس خوبصورت محفل میں شامل ہو رہی ہوں۔ ردّا ڈائجسٹ جو کسی تعارف کا محتاج نہیں ایک سال پہلے اپنی دوست کے توسط سے پڑھا اور پھر تب سے اب تک یہ سلسلہ جاری وساری ہے، ہر ماہ بے چینی سے ردّا کا انتظار یوں ہوتا ہے جیسے بہت اپنے کی آمد کا انسان انتظار کرتا ہے اور انتظار کی گھڑیاں طویل لگتی ہیں۔ مجھے بھی ردّا کا انتظار طویل لگتا ہے اس میں شامل ہر رائٹر اور اس کی تحریر اتنی خوبصورت اور توجہ طلب ہوتی ہے کہ اکثر ناول یا افسانہ پڑھنے کے بعد بھی میں پہروں ان کے کرداروں کو سوچتی رہتی ہوں اور اپنے اردگرد محسوس کرتی ہوں اور یہ یقیناً آپ کی اور آپ کے ادارے کی بڑی کامیابی ہے کہ مجھ جیسی ایک عام سی قاری بھی اس رسالے سے بہت کچھ سیکھ پائی اور میں تمام رائٹرز کو بھی خراج تحسین پیش کروں گی کہ وہ سب ہمارے لیے اتنا اچھا لکھتی ہیں۔ میری دعا ہے کہ ردّا بہت زیادہ ترقی کرے آمین!

دھنک ناز.....کراچی

السلام علیکم آپی! تمام قارئین ردّا! امید ہے کہ سب خیریت سے ہوں گے۔ اب آتے ہیں تبصرے کی طرف۔ سب سے پہلے ناول ''وہ جو رگ جاں سے قریب تھے'' کافی اچھا جا رہا ہے۔ آپی! آپ کا ناول ہمیشہ کی طرح زبردست تھا۔ ''کبھی عشق ہو تو پتہ چلے'' حمدان اور اریشماء کی ناراضی تو کم ہو گئی مگر لیل ماہ اور شہران کا معاملہ ابھی تک الجھا ہوا ہے۔ دیکھیں شازیہ آپی اب ان کے لیے کیا کرتی ہیں۔ افسانوں میں سبھی افسانے اچھے تھے اور حقیقت کے قریب تر تھے۔ آپی! مجھے ردّا کی سب سے اچھی بات یہ لگتی ہے کہ ہر بار کوئی نہ کوئی نیو رائٹر ضرور شامل ہوتی ہے۔ مستقل سلسلوں میں دوستوں کے نام پیغام، خوشبو، اس ماہ میں اور اشعار میرے فیوریٹ سلسلے ہیں جو اس بار بھی نہایت شاندار تھے، میری دعا ہے کہ ردّا اپنی بہاریں یوں ہی بکھیرتا رہے آمین!

نازش چوہدری.....بھاولنگر

سویٹ اپیا! کیسی ہیں آپ؟ امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔ پہلی بار ردّا کی اس خوبصورت محفل میں شامل ہو رہی ہوں۔ ردّا ڈائجسٹ جو کسی تعارف کا محتاج نہیں ایک سال پہلے اپنی دوست کے توسط سے پڑھا اور پھر تب سے اب تک یہ سلسلہ جاری وساری ہے، ہر ماہ بے چینی سے ردّا کا انتظار یوں ہوتا ہے جیسے بہت اپنے کی آمد کا انسان انتظار کرتا ہے اور انتظار کی گھڑیاں طویل لگتی ہیں۔ مجھے بھی ردّا کا انتظار طویل لگتا ہے اس میں شامل ہر رائٹر اور اس کی تحریر اتنی خوبصورت اور توجہ طلب ہوتی ہے کہ اکثر ناول یا افسانہ پڑھنے کے بعد بھی میں پہروں ان کے کرداروں کو سوچتی رہتی ہوں اور اپنے اردگرد محسوس کرتی ہوں اور یہ یقیناً آپ کی اور آپ کے ادارے کی بڑی کامیابی ہے کہ مجھ جیسی ایک عام سی قاری بھی اس رسالے سے بہت کچھ سیکھ پائی اور میں تمام رائٹرز کو بھی خراج تحسین پیش کروں گی کہ وہ سب ہمارے لیے اتنا اچھا لکھتی ہیں۔ میری دعا ہے کہ ردّا بہت زیادہ ترقی کرے آمین!

رحیم یار خان.....اقراء اختر

آداب آپی! مزاج گرامی کیسے ہیں؟ یقیناً ٹھیک ہی ہوں گے، بجلی کی لوڈ شیڈنگ اور گرمی کی منہ زوری سے بے حال ہم پریشان سے سندیسے میں انٹری کو بے چین ہیں۔ امید ہے تھوڑی سی جگہ ضرور ملے گی۔ آپی! اس بار ردّا جلدی مل گیا سو بس یہی بات ہماری خوشی سے اچھلنے کے لیے کافی تھی۔ ٹائٹل پر ایک نظر ڈالتے ہم سب سے پہلے گوشہ آگہی کو پڑھنے بیٹھ گئے، اتنے خوبصورت لفظوں کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ آپی! آپ کی گہری باتیں دل میں اتر گئیں۔ ردائے جنت میں حضرت اسامہ بن زیدؓ کے بارے میں جان کر میری دینی معلومات میں اضافہ ہوا۔ یہ ایک بہت ہی خوبصورت اور ایمان افروز سلسلہ ہے۔ سب سلسلے وار ناولز کی اقساط بہت اچھی تھیں اور سب دلچسپ موڑ پر اختتام پذیر ہوئیں کہ اگلی قسط کا بے چینی سے

انتظار ہے کہ دیکھیں آگے کیا ہوتا ہے۔ آپی! مستقل سلسلوں میں ہم سے ملیئے ایک خوبصورت اضافہ ہے اس بار تبسم فیاض اور زارا صدف قمر سے ملاقات اچھی لگی اور ان کی پسند ناپسند جان کر خوشی ہوئی۔ امید ہے کہ اس سلسلے میں باقی قاری و رائٹرز بہنیں بھی شامل ہوں گی اور ایک دوستی اور تعلق کا نیا سلسلہ اسٹارٹ ہوگا۔ دوستوں کے نام پیغام میں سب کے نام پیغام پڑھ کر اچھا لگا۔ گوشہ چشم میں شازیہ آپی کی بیٹی کا پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ آپی! آپ کو ہماری طرف سے بہت بہت مبارک ہو آپ کے گھر خدا کی رحمت آئی ہے۔ نائلہ طارق آپی! اپنی خاموشی کو توڑ کر پلیز ایک شاندار سا انٹرویو ہم قارئین کے لیے آپ بھی دے دیں۔ ذرا پھر سے کہنا میں حکیم خان حکیم، میرا غزل، ایس امتیاز احمد کا کلام اچھا لگا۔ ردا کی ترقی و کامیابی کے لیے دعا گو۔ آپی! آپ اپنا بہت خیال رکھیئے گا۔

افشاں علی.....کراچی

میری پیاری اور سوئیٹ سی صالحہ اپیا! ردا کی تمام قارئین و اسٹاف کو افشاں علی کا محبتوں اور خلوص کی بارشوں میں بھیگا، ہواؤں کے دوش پر لہراتا سلام محبت دل کی گہرائیوں سے قبول ہو۔ انتظار اور انتظار جیسے جیسے گھڑی کی سوئیوں کی ٹک ٹک اور دن بہ دن گزرنے والی تاریخ مدھم پڑتی گئی ہمارا انتظار بھی مختصر سے مختصر ہوتا چلا گیا اور بالآخر مئی کا شمارہ ہمارے ہاتھوں کی زینت بنا اور پھر ہم نے ایک منٹ بھی ضائع کیے بغیر اپنی ریڈنگ ایکسپریس کا سفر شروع کر دیا۔ فہرست پر نظر پڑتے ہی اپنا نام بمع ناولٹ دیکھ کر خوشی کے مارے اچھل ہی پڑی۔ بالآخر ہمیں پھر سے ردا میں شمولیت کا اعزاز جو ملا تھا۔ جس کے لیے صالحہ اپیا! آپ کی بہت مشکور ہوں کہ آپ میری کاوشوں کو ردا میں جگہ دیتی ہیں، اب میری تحریر کیسی رہی یہ تو قارئین ہی بتا سکتی ہیں۔ شروعات ''گوشہ آگہی'' سے کی اور ہمیشہ کی طرح آگہی در آگہی ہمیں موصول ہوئی۔ آپ کے خلوص و اپنائیت بھرے الفاظوں کے موتی چنتے ہوئے ''ردائے جنت'' سے فیض یاب ہوئے۔ ہماری ریڈنگ ایکسپریس ''وہ جو رگ جاں سے قریب تھے'' پر جا کر ٹھہر سی گئی۔ ارے بھئی! غور و فکر سے جو ایک ایک لفظ پڑھنا تھا۔ ارج کی آمد، رومی کی واپسی، صبا کی سازش اور اشمل کا رومی کی باتوں اور یادوں کی بارش میں بھیگنا، صبا چاہ کر بھی اپنی سازشوں میں کامیاب نہیں ہو پائے گی۔ اور ہوگی بھی کیسے؟ اشمل اور رومی کا ساتھ رگ جاں سے قریب کا جو ہے۔ ہماری ریڈنگ ایکسپریس آگے بڑھی تو کیا دیکھا ہائے! ایک اور نئی شروعات ''تم کو چاہا ہے تمہی کو چاہیں گے'' نام ہی اتنا اٹریکٹو، شروعات بھی زبردست، بس اتنا ہی کہوں گی نام ہی کافی ہے۔ ریڈنگ ایکسپریس کے سفر کے دوران راستے میں کافی افسانے بھی آئے جو کہ ایک سے بڑھ کر ایک رہے۔ ''پریکٹیکل لائف'' مختصر مگر پراثر تحریر رہی جبکہ ''میری زیست بنی عبرت کا نشاں'' حقیقت سے قریب تر لگا۔ ریڈنگ ایکسپریس کا سفر جاری تھا۔ جبھی اچانک عشق کی ہوا چلی یعنی ''کبھی عشق ہو تو پتہ چلے'' ایک طرف حمدان کا جھکاؤ بھی اب اریشما کی طرف بڑھنے لگا ہے، لگتا ہے آگ دونوں طرف برابر کی لگی ہے جبکہ ''شہران'' اور لیل ماہ کی کھٹی میٹھی نوک جھونک اور اب ہونے والی منگنی اسٹوری زبردست جا رہی ہے۔ باقی سلسلے وار ناول ہو یا مکمل ناول سب اپنی اپنی جگہ پر اچھے جا رہے ہیں۔ غزلوں اور اشعار سے لطف اندوز ہوتے ہوئے ہم ملاقات کی طرف بڑھے جہاں تبسم فیاض اور زارا صدف قمر ہماری منتظر تھیں۔ کچن سے آنے والی کھانوں کی مہک نے اور ساتھ ہی سنگھار میز نے چار چاند لگا دیئے۔ اور یوں ہماری ریڈنگ ایکسپریس کا وقتی طور پر اختتام ہوا۔ کیونکہ ردا کے سنگ ہمارا سفر یوں ہی جاری و ساری جو رہنا ہے۔ دعا ہے کہ ردا یوں ہی سجتا سنورتا اور مہکتا، ترقی کی راہوں پر کامیاب و کامران رہے۔ آپی! پلیز سندیسہ ضرور شامل کیجئے گا۔ میرا سندیسہ کیسا رہا؟

☆.....☆.....☆

گوشہ چشم

انعم خان.....ہزارہ

سوئیٹ انعم! سدا خوش رہو، آپ سے بات کر کے دل کو بہت خوشی ملی کہ اللہ نے آپ کو اپنی رحمت اور نعمت دونوں سے نوازا ہے، ربِ کریم بچوں کو صحت و تندرستی عطا فرمائے اور آپ کو ان کی ڈھیروں خوشیاں دیکھنا نصیب ہوں۔ ردا آپ کی خوشیوں میں آپ کے ساتھ ہے۔

حمیرا عروش.....کراچی

پیاری حمیرا عروش! ردا میں ہم آپ کو خوش آمدید کہیں گے، آپ کی تحریر ہمیں مل گئی ہے اور انشاء اللہ قریبی اشاعت میں شامل ہوگی، ہمیں یقین ہے کہ آپ ردا کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھیں گی، اپنا خیال رکھیئے گا۔

ثناء کنول.....لودھراں

سوئیٹ ثناء! سدا خوش رہو، آپ کی تحاریر ہمارے پاس محفوظ ہیں اور باری آنے پر لگ جائیں گی۔ ہمیں یقین ہے آپ ردا کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھیں گی، اپنا بہت خیال رکھیئے گا۔

سیدہ فرزین حبیب فرزین.....کراچی

سوئیٹ فرزانہ! بہت سا پیار اور دعائیں آپ کے لیے۔ آپ کے پیار اور دعاؤں کے لیے ہم تہہ دل سے شکر گزار ہیں۔ ردا آپ کا اپنا ردا ہے، آپ اس کے ہر سلسلے میں شامل ہو سکتی ہیں اور اپنا قلمی سفر کامیابی سے جاری رکھیں۔

عانیہ نیازی.....ربوہ

ڈیئر عانیہ! آپ کا تفصیلی سندیسہ دلکش لفظوں اور دعاؤں سے سجا ملا آپ کے لیے ڈھیروں دعائیں اور پیار۔ ردا سے یوں ہی جڑی رہیئے اور اپنا بے حد خیال رکھیئے گا۔

افشاں علی.....کراچی

سوئیٹ افشاں! آپ کا تعارف بمعہ سندیسہ اور آپ کی تحریر کے موصول ہوا۔ آپ کا تعارف اس ماہ ردا میں شامل اشاعت ہے اور آپ کی دیگر چیزیں بھی باری آنے پر لگ جائیں گی، اپنا بہت خیال رکھیئے گا۔

نازش چوہدری.....بھاولنگر

ڈیئر نازش! ہم آپ کو ردا میں ویل کم کہتے ہیں اور ردا آپ کا اپنا ردا ہے۔ آپ ردا کے ہر سلسلے میں بھرپور طریقے سے شامل ہو سکتی ہیں۔ آپ کی تعریف رائٹرز تک پہنچ گئی ہوگی، ہمیں یقین ہے کہ اگلی بار آپ تفصیلی سندیسے کے ساتھ شامل ہوں گی۔

☆.....☆.....☆

☆ بھیجی جانے والی تحاریر خوشخط انداز میں لکھیں۔

☆ ہمیشہ اپنی تحریر ایک لائن چھوڑ کر لکھیں۔

☆ قسط وار کے لیے اجازت لینا ضروری ہے۔

☆ نئی لکھنے والی رائٹرز پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ کی طرف آئیں۔

☆ اپنی تحریر کے آخری صفحے پر اپنا مکمل نام پتہ تحریر کریں۔

☆ فوٹو اسٹیٹ تحریر قابل قبول نہیں ہوگی۔

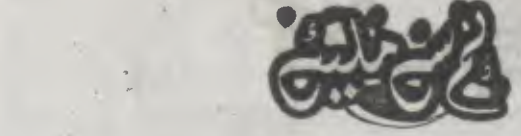

انعم نذیر.....ٹوبہ ٹیک سنگھ

السلام علیکم اپیا جان! ردا کے تمام اسٹاف اور تمام سوئیٹ سے قارئین کو میرا سلام! امید ہے کہ سب خیریت سے ہوں گے۔ اپیا! جب آپ نے تعارف کا کہا تو مجھے بے حد خوشی ہوئی، آپ سے فون پر بات کر کے ہمیشہ اچھا لگتا ہے آپ کا نرم، میٹھا، دلنشیں اور اپنائیت بھرا لہجہ دل کے اندر تک سرائیت کر جاتا ہے اس لیے بار بار آپ سے فون پر بات کرنے کو دل چاہتا ہے۔ اب مابدولت اپنا تعارف کرواتی ہے۔ میں انعم نذیر ہوں، بٹ ابو جی پیار سے انعے کہتے ہیں نک نیم بھی انعے ہے۔ میرا تعلق ٹوبہ ٹیک سنگھ کے قریبی گاؤں 299 گساب سے ہے جو ٹوبہ سے پندرہ بیس منٹ کے فاصلے پر واقع ہے۔ میرے گاؤں میں بجلی، گیس، ٹیلی فون، کیبل، سرکاری اسپتال، یہاں تک کہ ہر طرح کی سہولیات میسر ہیں۔ میں یکم جنوری کو پیدا ہوئی۔ میری کاسٹ آرائیں ہے، میری ہائٹ 5 فٹ 7 انچ ہے، خود کو فٹ رکھتی ہوں، ڈیلی واک کرتی ہوں۔ الحمدللہ! شکل وصورت اچھی ہے، اپنے ہاتھ بے حد پسند ہیں، اسپیشلی دونوں ہاتھوں کی گلابی ہتھیلیوں پر سیاہ تل کے نشان ہیں جو مجھے بہت کیوٹ لگتے ہیں۔ میں بی۔اے پارٹ ٹو کی اسٹوڈنٹ ہوں، انشاء اللہ آگے مزید تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ ہے اس کے علاوہ کمپیوٹر کورس بھی کیے ہیں، اچھی کتابیں اور ناولز پڑھنے کا بے حد شوق ہے۔ پیر کامل، عشق کا شین، محبت دل پر دستک، میرے ہو کر رہو، فسوں جاں اور جنت کے پتے میرے فیوریٹ ناولز ہیں۔ قرا قرم کا تاج محل میرا موسٹ فیوریٹ ہے اسے کبھی نہیں بھول سکتی۔ صالحہ محمود، عمیرہ احمد، نمرہ احمد، نبیلہ عزیز، ام مریم، شازیہ مصطفیٰ، عشنا سردار، سباس گل، نازیہ کنول نازی، نایاب جیلانی، سمیرا شریف طور، سعدیہ امل کاشف، فرحت اشتیاق، نائلہ طارق، انعم خان اور مریم عزیز یہ سب میری فیوریٹ رائٹرز ہیں۔ ان سب سے میں فرینڈ شپ کرنا چاہتی ہوں۔ ہم چار بہنیں اور دو بھائی ہیں دونوں بھائی بڑے ہیں ثناء مجھ سے دو سال بڑی ہے، پھر میں ہوں، مجھ سے چھوٹی حنا اور نادیہ ہیں، اس کے علاوہ ہمارا ایک چھوٹا اور کیوٹ سا کزن احمد رضا ہے جو ہمارے ساتھ رہتا ہے۔ اس کی عمر چھ سال ہے، ہم سب اس سے بہت پیار کرتے ہیں۔ وہ امی جی اور ابو جی کا لاڈلہ ہے۔ ہم بہن بھائیوں کی آپس میں کافی دوستی ہے، بڑے بھائی تھوڑے اسٹرک ہیں بٹ ہم سے پیار بھی بہت کرتے ہیں۔ لکھنے کا شوق جنوں کی حد تک ہے، پتہ نہیں کب کیسے یہ شوق پیدا ہوا۔ بہت یونیک ٹائپس دماغ میں ابھی تو آغاز ہے انشاء اللہ ابھی بہت سا لکھنا ہے قلم سے ناتا جوڑا ہے تو اب ہمیشہ ساتھ رہے گا۔ میری ہوبیز سائیکلنگ کرنا،

بکس اور ناولز پڑھنا، ڈائری لکھنا اور اپنی فرینڈز سے چیٹنگ کرنا ہے۔ اس کے علاوہ اپنے کپڑے خود اسٹیچ اور ڈیزائن کرتی ہوں، آج کل فیشن ڈیزائننگ کے کورسز کرنے کا بھوت سوار ہے (ہاہاہا!) اور انشاء اللہ فیوچر میں اپنا بوتیک بنانے کا ارادہ رکھتی ہوں، اگر قسمت نے ساتھ دیا تو۔ الحمد اللہ پانچ وقت کی نمازی ہوں، مکمل حجاب کرتی ہوں، گاؤن پہنتی ہوں، کھانے میں مجھے چاول میٹھے کے علاوہ ہر شکل میں بے حد پسند ہیں، چکن کڑاہی، پیزا، گول گپے بہت پسند ہیں، سوئیٹ میں مجھے چاکلیٹ کیک اور چاکلیٹ آئسکریم بہت پسند ہے۔ فروٹ میں مجھے اورنج اور اسٹرابری پسند ہے، بارش بہت اچھی لگتی ہے، بارش دیکھ کر بھیگنے کو دل مچل جاتا ہے بارش کے بعد مٹی کی سوندھی خوشبو بہت پسند ہے اور چاندنی راتیں بہت اٹریکٹ کرتی ہیں۔ سردیاں مجھے بالکل پسند نہیں۔ موسم بہار اور گرمیوں کی لمبی شامیں بہت حسین اور دلکش لگتی ہیں۔ فطری طور پر بہت رحم دل ہوں، ہمیشہ کوشش کرتی ہوں میری ذات کی وجہ سے کسی کا دل نہ دکھے، اپنی غلطی کا احساس ہو جائے تو فوراً سوری کر لیتی ہوں، جہاں کچھ خوبیاں ہیں وہیں بے شمار خامیاں بھی ہیں۔ حساس بہت ہوں، بہت جلدی جذباتی ہو جاتی ہوں، رونا چھوٹی چھوٹی باتوں پر آ جاتا ہے، بٹ صابر بھی بہت ہوں، اگر کسی سے ناراض ہو جاؤں تو گھنٹوں خاموش رہتی ہوں۔ اللہ پاک سے مانگنا بہت اچھا لگتا ہے، اپنی ہر چھوٹی بڑی جائز خواہش کے لیے اللہ پاک کے آگے ہاتھ پھیلاتی ہوں۔ اللہ پاک کی ذات پر بہت یقین ہے کہ وہ خالی ہاتھ نہیں لوٹاتے۔ دوستوں کے معاملے میں، میں بہت خوش قسمت ہوں، میری بہت ساری فرینڈز ہیں کچھ اچانک بچھڑ گئی ہیں۔ شبانہ، ادیبہ، عائشہ، آمنہ، جویریہ، علشبہ اور میری سس ثناء، حنا اور نادیہ، کزنز میں نورین، اسریٰ، صائمہ اور عنیزہ یہ سب بہت اچھی فرینڈز ہیں۔ جن کے نام نہیں لے سکی سوری۔ شبانہ کی اور میری دوستی بہت مضبوط ہے، ایسی دوست قسمت والوں کو ملتی ہے، ہر بات ایک دوسرے سے شیئر کیے بنا نہیں رہتے، اس کے علاوہ ادیبہ کزن پلس بیسٹ فرینڈ یہ دونوں میری زندگی کے ہر راز سے آگاہ ہیں۔ اس کے علاوہ میری چھوٹی سس نادیہ جسے ہم پیار سے نادی کہتے ہیں وہ سیکنڈ ایئر کی طلبہ ہے بہت اچھے راز رکھتی ہے، اپنی باتیں اس سے بھی شیئر کرتی ہوں۔ میوزک پہلے بہت شوق سے سنا کرتی تھی بٹ اب انٹرسٹ نہیں رہا۔ حسب حال، عالم اور عالم اور بارات سیریز میرے فیوریٹ پروگرام ہیں۔ مجھے سیف الملوک جھیل رئیل میں دیکھنے کا جنون کی حد تک شوق ہے، نیٹ پر کئی دفعہ دیکھ چکی ہوں بٹ رئیل میں قریب سے دیکھنے کی شدید ترین آرزو ہے۔ میری بیسٹ فرینڈ شبانہ بہت زبردست پینٹنگ کرتی ہے جھیل کے پاس بیٹھ کر شبانہ سے اپنی پینٹنگ بنوانے کی شدید خواہش ہے۔ کھیل میں مجھے کرکٹ اور لڈو پسند ہیں۔ میرا فیوریٹ کلر پنک اور بلیک ہے۔ جیولری میں مجھے بریسلیٹ اور ایئر رنگ پسند ہیں۔ ہمارے مالٹوں کے باغات ہیں جب سب کزنز اکٹھی گھومنے جاتی ہیں تو بہت ایڈونچر کرتی ہیں۔ سگریٹ پینے اور پان کھانے والوں پر بہت غصہ آتا

ہے۔ سگریٹ سے نفرت ہے۔ آخر میں اپنے سوئیٹ قارئین کا شکریہ ادا کروں گی جنہوں نے میری پہلی کاوش کو سراہا اور اتنی پذیرائی دی۔ ''میری عید تم ہو'' کے بعد بہت جلد میرا ایک اور مکمل ناول ردّا کی زینت بننے والا ہے اور اپیا کا بے حد شکریہ جنہوں نے ہمیں یہ موقع فراہم کیا۔ ہمارے ملک کے حالات بے حد خراب ہیں، اللہ پاک اسے اپنے حفظ و امان میں رکھے اور امن و سکون پیدا فرمائے (آمین ثمہ آمین!)

منزلوں کا غم کرنے سے منزلیں نہیں ملتیں
حوصلے بھی ٹوٹ جاتے ہیں اکثر اداس رہنے سے

سو خوش رہیں اور دوسروں کو خوش رکھیں، دعاؤں میں یاد رکھیئے گا، میں اپنی لائف میں بہت کچھ کرنا چاہتی ہوں، آپ سب کی دعاؤں کی اشد ضرورت ہے۔ اپنا بے حد خیال رکھیئے گا اور ضرور بتایئے گا مجھ سے مل کر کیسا لگا۔ اب اجازت دیجئے اللہ حافظ!

افشاں علی.....کراچی

سب سے پہلے تو ردّا کے تمام اسٹاف، تمام قارئین اور ردّا کی رائٹرز کو افشاں علی کا محبتوں اور چاہتوں کے خمیر سے گندھا اور خلوص و اپنائیت کی چاشنی میں ڈوبا سلام محبت قبول ہو۔ ویسے تو آپ سب نے مجھے پہچان ہی لیا ہوگا، آخر کو ہمارا شمار بھی ردّا کی رائٹرز میں جو ہوتا ہے، لیکن پھر بھی تعارف کی منزلیں پار کر ہی لیتے ہیں۔ مابدولت کو آپ سب افشاں علی کے نام سے جانتے ہیں، وہ دراصل فوزیہ علی کے نام سے جانی جاتی ہے، یعنی افشاں علی میرا قلمی نام ہے۔ ہم سے ملیئے میں آج مابدولت افشاں علی اپنا تعارف لیے حاضر ہے۔ سوچا کیوں نا آج ہم بھی اپنے تعارف سے صفحۂ قرطاس کو رنگین کرتے چلیں۔ 25 ستمبر 1991 کی ایک سنہری شام کو مابدولت نے اس دنیا میں قدم رنجہ فرما کر اس دنیا کی رونق میں چار چاند نہیں بلکہ آٹھ آٹھ چاندوں کا اضافہ کر دیا (ہاہاہا!) اس حوالے سے میرا اسٹار Libra ہے اور 99 فیصد اس اسٹار کی ساری خوبیاں + خامیاں مجھ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہیں۔ میرا تعلق بظاہر تو حیدر آباد سے ہے جہاں میری فیملی رہائش پذیر ہے مگر آج کل کراچی میں اپنی نانو کے پاس سکوت پذیر ہوں۔ مادری زبان میری سندھی ہے حال ہی میں گریجویشن سے فارغ التحصیل ہوئی ہوں۔ رائٹر ہونے کے ساتھ ساتھ مابدولت بیسٹ ٹیچر بھی ہیں۔ فیملی ممبر چھ ہیں، امی ابو کے علاوہ دو بھائی اور ایک لاڈلی بہن آسیہ ہے۔ بہن بھائیوں میں میرا نمبر پہلا ہے۔

لکھنے کا سفر بہت پرانا نہیں اور نہ ہی کوئی بچپن کی لکھاری ہوں، ہاں مگر بچپن سے جو پڑھنے کا جنون تھا وہ اب بھی ویسے کا ویسا قائم و دائم ہے۔ بچپن میں نونہال، تعلیم و تربیت، بچوں کی دنیا وغیرہ خوب پڑھتی تھی اور اب جب بڑی ہوئی تو مطالعے کا شوق وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ ردّا ڈائجسٹ میں بطور رائٹر لکھنے کا آغاز April 2011 اپنے افسانے ''بن تیرے تنہا ہیں ہم'' سے کیا۔ لکھنے سے لے کر پوسٹ کرنے تک ایک فیصد بھی امید نہ تھی، مگر صالحہ آپی نے اپنے اس ردّا کے گلدستے میں مجھے اور میری تحریر کو شامل کر کے نہ صرف میری ہمت بڑھائی بلکہ میرے قلم کا حوصلہ بھی بڑھایا، بلاشبہ ردّا نئے لکھنے والوں کے لیے ان کی صلاحیتوں کو بہتر اور عمدہ پلیٹ فارم مہیا کرتا ہے۔

اب آتی ہوں اپنی hobbies کی طرف، لکھنا اور پڑھنا میرا شوق ہے، کتابوں کے انبار کو گھول کر امرت کی طرح پینا مجھے پسند ہے۔ رات کو سونے سے پہلے چاہے ایک صفحے کا مطالعہ کر کے سونا میری عادتوں میں شامل ہے، شاعری سے صرف پڑھنے کی حد تک شغف ہے، پسندیدہ مصنفین میں فرحت اشتیاق، قدسیہ بانو، صالحہ محمود، عمیرہ احمد، شازیہ مصطفیٰ، سباس گل، نگہت سیما، فائزہ افتخار اور نائلہ طارق شامل ہیں۔

آیئے اب مابدولت کی پسند ناپسند جان لیجئے۔ بارشوں میں گھنٹوں دیر تک بھیگنا، چاندنی راتوں میں چاند کو تکتے رہنا، شام کے وقت ٹیرس پر چہل قدمی کرنا، اپنی لاڈلی سسٹر سے باتیں کرنا اور چھوٹے چھوٹے بچے مجھے بہت بہت پسند ہیں جبکہ رنگ برنگی چوڑیاں میری واحد کمزوری ہیں (ہے نا عجیب بات؟) مزاجاً بہت رومینٹک ہوں۔ میوزک کی دلدادہ ہوں۔ پسندیدہ سنگرز میں عاطف اسلم، شریا گوشال اور راحت فتح علی خان میرے فیورٹ ہیں۔ بارش کے بعد سوندھی سوندھی مٹی کی مہک، پرفیومز اور مہندی کی خوشبو بہت زبردست لگتی ہے۔ پنک اور پرپل میرا فیورٹ کلر ہے، جبکہ لباس میں مجھے فراک اور پاجامہ اور ساڑھی بہت پسند ہیں۔ مجھے تنہائی سے سخت نفرت ہے ہمہ وقت خود کو مصروف رکھنا مجھے اچھا لگتا ہے۔ خامیاں اور خوبیاں آہم.....خوبیاں: یہ تو دوسروں سے پتہ کرنا پڑے گا، خیر اب تک جتنا خود مشاہدہ کیا اس کے مطابق کافی صاف گو ہوں، جو دل میں ہوتا ہے وہی منہ پر بولتی ہوں، زیادہ دیر کسی سے ناراض نہیں رہ پاتی، اٹریکٹو پرسنالٹی کی حامل ہوں، اس لیے حلقہ احباب (دوستوں) میں کافی مقبول ہوں۔ خامیوں میں سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ دوسروں پر بہت جلدی اعتبار کر لیتی ہوں، ہر کسی کو اپنی طرح مخلص سمجھتی ہوں، دوسروں پر حد سے زیادہ اعتبار اکثر نقصان پہنچا دیتا ہے۔ غصہ یوں تو کم آتا ہے مگر جب آتا ہے تو شدید آتا ہے بہت زیادہ sensitive ہوں۔

تو یہ تھا میرا یعنی افشاں علی کا تعارف بحیثیت رائٹر۔ امید واثق ہے صالحہ آپی اور میری قسمت سمیت آپ سب قارئین نے یوں ہی ساتھ دیا تو اس میدان میں آگے اور آگے بہت دور تک جا کر اپنی فتح و کامیابی کے جھنڈے گاڑھنے کا ارادہ ہے بقول شاعر:

ذرا یوں چل کہ ہر منزل پہ تیرا خیر مقدم ہو
تجھے جانا تو اے عمر رواں یوں بھی ہے اور یوں بھی ہے

میرا تعارف کچھ زیادہ ہی طویل تر ہو گیا، مگر قارئین بتایئے گا ضرور کہ مجھ سے مل کر کیسا لگا؟ آخر میں اس بات کے ساتھ اجازت طلب کروں گی کہ زندگی جو برف کے گولے کی مانند رفتہ رفتہ پگھل ہی رہی ہے تو ایسے میں ہر لمحہ، ہر پل قیمتی سے قیمتی تر بنائیں کیونکہ گزر جانے والا وقت واپس نہیں آتا، مگر آنے والے وقت کے لیے ڈھیروں یادیں چھوڑ جاتا ہے۔

صالحہ آپی کے لیے ڈھیروں دعائیں، اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ صحت و تندرستی اور کامیابی سے ہمکنار کرے اور آپ ہمیشہ ردّا کی ترقی میں اپنا کردار یوں ہی بھرپور ادا کرتی رہیں (آمین!)

☆.....☆.....☆

نوٹ:
ہم سے ملیئے کے کالم میں تمام قارئین و رائٹرز بہنیں شامل ہو سکتی ہیں۔

دوستوں کے نام پیغام

نائلہ طارق کے نام

السلام علیکم! پیاری نائلہ آپی! کیسی ہیں آپ؟ آپ میری فیوریٹ رائٹر ہیں اور آپ کے لکھے الفاظ میں بار بار پڑھتی ہوں اور ہر بار پہلی بار جیسی خوشی ہوتی ہے۔ پلیز آپی! انٹرویو کارنر میں کبھی آپ بھی تو شامل ہوں تاکہ ہمیں بھی پتہ چلے کہ آپ کیا کرتی ہیں اور آپ کو کیا کیا پسند ہے، بہت سی دعائیں اور پیار، امید واثق ہے کہ آپ میری ریکویسٹ کو مدنظر رکھتے ہوئے ضرور انٹرویو دیں گی۔

صدف فاطمہ.....لاہور

شازیہ مصطفیٰ کے نام

پیاری شازیہ مصطفیٰ آپی! مئی کے ردّا میں آپ کی بیٹی کا پڑھا سچ جانیں دل سے خوشی ہوئی، آپ کو ایمان گڑیا کی آمد بہت بہت مبارک۔ خدا اس کے نصیب اچھے کرے اور دین و دنیا کی سب بھلائیاں نصیب ہوں۔ آپی! مجھے آپ کا سلسلے وار ہر ناول بہت اچھا لگتا ہے اور دل سے آپ کا تعلق جڑا لگتا ہے۔ ردّا کو آپ کے بناء میں سوچ بھی نہیں سکتی، اپنا اور ہماری ایمان گڑیا کا بہت خیال رکھیئے گا۔

عانیہ نیازی.....ربوہ

خالہ امی کے نام

السلام علیکم خالہ امی! آپ کو اور انکل کو عمرہ کی سعادت بہت بہت مبارک ہو۔ ہم لوگ آپ کی واپسی کا سن کر بے حد خوش ہیں۔ امی کا کہنا ہے چھٹیاں ہوتے ہی ہم کراچی آپ کے ہاں ضرور چکر لگائیں گے، امی اور بابا بھی آپ لوگوں کو بہت مبارک باد دے رہے ہیں۔

فریحہ مبشر.....قصور

حفصا طاہر کے نام

سوئیٹ حفصہ! کیسی ہو؟ جب سے تمہاری منگنی کا سنا ہے آئی ایم سو ایکسائیٹڈ ناں۔ چلو یار! ہمارے گروپ میں کسی نے تو بسم اللہ کی، ورنہ سب کی سب بیٹھی ہوئی تھیں، میرے طرف سے مبارک باد وصولو اور تیار ہو جاؤ، مجھے پارٹی دینے کے لیے۔ اتنی آسانی سے تو میں بھی نہیں تمہیں چھوڑنے والی ہاہاہا.....یار! آئی ایم سوپی فار یو۔ سدا خوش رہو۔

ہنیش مرتضیٰ.....ملتان

حنا خورشید کے نام

ڈیئر حنا! تمہیں میں اپنے پیارے ردّا کے ذریعے پیپرز کے لیے وش کرنا چاہوں گی۔ خدا کرے کہ جیسے تم نے فرسٹ ایئر میں پوزیشن لی ایسے ہی انشاء اللہ سیکنڈ ایئر میں بھی اپنی پوزیشن برقرار رکھو۔

جیا خاور.....کراچی

کومل خان کے نام

پیاری کومل! تمہیں اپنے گھر میں نیو انٹری یعنی بیٹے کی

آمد بہت مبارک ہو۔ خدا کا شکر ہے کہ خدا نے تمہیں اپنی نعمت سے نوازا اور ہم سب دل سے تمہارے لیے اور اپنے چھوٹے سے بھانجے کے لیے خوش ہیں کہ اس نے دنیا میں آ کر ہم سب کی خوشیوں کو بڑھا دیا ہے، اپنا بہت خیال رکھنا۔

عالیہ خان.....پشاور

زندگی کے نام

اے زندگی! تُو اتنے امتحان کیوں لیتی ہے جب تُو ہماری بے بسی کو جانتی ہے کہ ہم کچھ نہیں ہیں تیرے آگے سو پلیز کچھ تو رحم کر، اور اتنے ہی درد عطا کر جو ہم سہہ سکیں۔

مریم زبیر.....لاہور

انوشے کے نام

کچھ خاص نہیں میرے پاس تجھے دینے کے لیے
خدا تجھے تمام خوشیاں دے تیرے مانگنے سے پہلے

میرب سبحانی.....کراچی

صالحہ محمود اور نائلہ طارق کے نام

ڈیئر صالحہ آپی اور نائلہ طارق! آپ دونوں میری فیوریٹ رائٹرز ہیں، مجھے آپ کو پڑھنا وہ بھی بار بار پڑھنا بہت اچھا لگتا ہے خوبصورت لفظوں اور مناظر کی منظر کشی آپ کے ناولز کو وہ بھرپور تاثر دیتی ہے کہ دل مسحور ہو کر رہ جاتا ہے اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

ماریہ مجیب.....اسلام آباد

خدیجہ رحمٰن کے نام

میری عزیز از جان خدیجہ رحمٰن! تمہیں زندگی کے نئے سفر پر دعاؤں کے بے تحاشہ ہار کے سنگ میں الوداع کہتی ہوں میری دعا ہے کہ تم اپنے شوہر اور سسرال کے سنگ ایک بھرپور اور خوش گوار زندگی گزارو اور پل پل خوشی سے لبریز ہو، اور راہِ حیات میں تم قدم قدم پر مسکراؤ آمین!

ارم سرفراز.....کراچی

کچھ خاص دوستوں کے نام پیغام

ذرا ٹھہرو چلے جانا
مجھے کچھ تم سے کہنا ہے
بہت سا وقت نہیں لینا
مختصر سی بات کرنی ہے
نا دکھ اپنے سنانے ہیں
نا ہی فریاد کرنی ہے
نا یہ معلوم کرنا ہے کہ
وہاں کے حالات کیسے ہیں
تمہارے ہم سفر سارے
تمہارے ساتھ کیسے ہیں
نا یہ معلوم کرنا ہے کہ
دن اور رات کیسے ہیں
نا یہ پوچھنا ہے کہ
میرے پیچھے وہ یادوں کے باغات کیسے ہیں
مجھے تو بس اتنا کہنا ہے
مجھے تم سب یاد آتے ہو
مجھے تم سب یاد آتے ہو.....!

افشاں علی.....کراچی

☆.....☆.....☆

ثریا اقبال

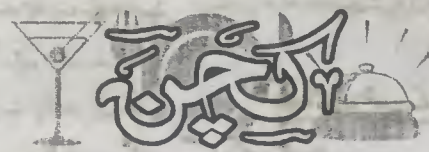

بھنڈی فرائی

اجزاء:

بھنڈیاں: 1 کلو
پیاز (کٹی ہوئی): 2 عدد درمیانی
سبز مرچ (چھوٹی چھوٹی کٹی ہوئی): 3 عدد
کڑی پتہ: 2 عدد
نمک: حسب ذائقہ
ٹماٹر (کٹا ہوا): 1 عدد
لیمن جوس: 2 کھانے کے چمچ
ہرے دھنیے کے پتے: تھوڑے سے
تیل: حسب ضرورت

ترکیب: بھنڈیوں کو اچھی طرح دھو کر پانی خشک کرلیں اور چھری کی مدد سے بھنڈی کے سرے کاٹ دیں۔ باقی بھنڈی کو (اگر وہ زیادہ لمبی ہوں تو) درمیانی ٹکڑوں میں کاٹ لیجیے۔

ایک بڑے کھلے برتن میں تیل گرم کریں۔ اس میں پیاز، سبز مرچ، کڑی پتہ اور نمک ڈال کر فرائی کریں۔ فرائی کرتے وقت چمچ چلاتی رہیں۔ پیاز ہلکی سنہری ہو جائے تو تھوڑی تھوڑی کر کے تمام بھنڈیاں اس میں شامل کر دیں۔ آنچ تیز کر کے احتیاط سے چمچ چلاتے ہوئے سب چیزوں کو مکس کریں اور 15 سے 20 منٹ دیگچی پر ڈھکن رکھ کر پکنے دیں۔

آخر میں کٹے ہوئے ٹماٹر اور لیموں کا رس نچوڑ دیں اور 3 سے 5 منٹ ہلکی آنچ پر رکھا رہنے دیں۔ پانچ منٹ بعد پلیٹ میں نکال کر ہرا دھنیا چھڑک دیں، گرم گرم پیش کریں۔

راجھستانی پنج رنگی دال

اجزاء:

چنے کی دال: 1 کپ
مونگ کی دال: 1 کپ
اردو کی دال: 1 کپ (دھلی ہوئی)
سفید ماش: 1 کپ
ملکہ مسور دال: 1/2 کپ
لال مسور کی دال: 1 کپ
سرخ مرچ پاؤڈر: 1 چائے کا چمچ
ہری مرچیں: 6 عدد
دھنیا: 1 چائے کا چمچ
ادرک: 1 انچ کا ٹکڑا
ہرا دھنیا: 2 کھانے کے چمچ
ثابت زیرہ: 1 چائے کا چمچ
ہینگ: 1 چٹکی
گرم مصالحہ پاؤڈر: 1/2 چائے کا چمچ
ثابت لال مرچ: 7-8 عدد
ٹماٹر: 4 عدد
نمک: حسب ذائقہ
تیل، گھی: حسب ضرورت

ترکیب: سب سے پہلے تمام دالوں کو دھو کر کم از

کم دو گھنٹے کے لیے پانی میں بھگو دیں پھر نمکین پانی میں ہلدی ڈال کر دالیں ڈال دیں اور انہیں ابال لیں۔

ہری مرچیں، ہرا دھنیا کے پتے اور ادرک صاف کر کے الگ رکھ لیں۔

ایک پین میں تیل گرم کرلیں اور اس کے اندر ہینگ، زیرہ، لونگ اور ثابت لال مرچیں ڈال دیں۔

جب مصالحہ رنگ بدلنے لگے تو ادرک اور ہری مرچیں ڈالیں اور کچھ دیر تیز فرائی کریں۔

پھر اس میں نمک اور سرخ مرچ ڈال دیں۔

پھر اس کے اندر ٹماٹر شامل کریں یہاں تک کہ تیل الگ ہو جائے۔

پھر تمام مصالحہ میں دالیں ڈال دیں اور پکنے دیں۔

گاڑھی ہونے کے بعد ہرا دھنیا سے گارنش کر کے چاول یا نان کے ساتھ گرم گرم پیش کریں۔

چٹ پٹے کوفتے

اجزاء:

قیمہ: 1 کلو
گرم مصالحہ پاؤڈر: 1 چائے کا چمچ
دھنیا پاؤڈر: 1 چائے کے چمچ
پیاز: 1/2 پاؤ
ثابت لال مرچ: 11 عدد
بھنے ہوئے چنے: 2 چائے کا چمچ
خشخاش: 1 چائے کا چمچ
بادام: 1 چائے کا چمچ
ادرک: 1 ٹکڑا
لہسن: 2 جوے
ہلدی: 1/2 چائے کا چمچ
دہی: 1 1/2 پاؤ
انڈوں کی سفیدی: 2 عدد
پودینہ: 1 گڈی
کیری: 1 عدد (کدوکش کرلیں)
ہری مرچیں: حسب ضرورت
تیل: حسب ضرورت
نمک: حسب ذائقہ

ترکیب: قیمہ کو سل پر باریک پیس لیں پھر گرم مصالحہ، خشک دھنیا تھوڑا سا، نمک، لال مرچ، بھنے ہوئے چنے، خشخاش، بادام کی گری، اور ادرک و لہسن کو آدھے دہی میں ڈال کر خوب باریک پیسیں اور گوشت ملا دیجیے۔ اس مرکب میں انڈوں کی سفیدی اور کیری بھی ملا لیں۔ اب پودینہ، ہری مرچیں، آدھی پیاز کے کچے لچھے باریک کتر لیں اور گوشت والے آمیزے کے گولے بنا کر ہر گولے میں یہ کترا ہوا ہرا مصالحہ تھوڑی تھوڑی مقدار میں بھر دیجیے۔ پھر گھی کڑکڑائیں اور پیاز اس میں بھون کر نکال لیں۔ اس کے بعد کوفتے گھی میں ڈال کر بھونیں پھر نکال لیں، اب باقی دہی، پسا ہوا دھنیا، پسی ہوئی لال مرچیں، ہلدی اور نمک ڈال کر خوب بھوننے کے بعد تھوڑا سا پانی ڈال کر کوفتے شامل کر کے پکائیں یہاں تک کہ گاڑھا شوربا اور گھی رہ جائے تو پتیلی چولھے سے اتار لیں۔

آم کی آئسکریم

اجزاء:

کسٹرڈ پاؤڈر: 4 کھانے کے چمچ
آم: 1/2 کلو
دودھ: 2 کلو
چینی: 1/2 کپ

بالائی: 1/2 پاؤ
مکھن کا کریم: 1/2 کپ

ترکیب: دودھ پکنے کے لیے رکھ دیں اور اسے پکا کر ڈیڑھ کلو کرلیں۔ اب اس میں چینی ملا دیں۔ کسٹرڈ پاؤڈر ٹھنڈے دودھ میں گھول کر اس میں ملا دیں۔ کسٹرڈ پاؤڈر ملاتے وقت چمچ برابر چلاتے جائیں تاکہ گٹھلیاں نہ بنیں۔ اب اس میں مکھن ملا کر چمچ چلائیں اور نیچے اتار کر ٹھنڈا ہونے کے لیے رکھ دیں۔ آم کاٹ کر گودے کے باریک باریک ٹکڑے کرلیں اور گٹھلی الگ کرلیں۔ اب اس گودے کو انڈے پھینٹنے والی مشین سے خوب پھینٹ کر کسٹرڈ ٹھنڈا ہونے پر اس میں ملا دیں۔ پھر اس آمیزے کو خوب پھینٹیں اور سانچوں میں جمالیں۔

لوبیا کی سلاد

اجزاء:

سرخ لوبیا: 2 کپ (ابلا ہوا)
پیاز: 2عدد (باریک کٹی ہوئی)
لیمن جوس: 1/4 کپ
کھیرا: 1عدد (باریک کٹا ہوا)
ٹماٹر: 2 عدد (باریک کٹے ہوئے)
سیاہ مرچ پاؤڈر: حسب ضرورت
نمک: حسب ذائقہ

ترکیب: ایک بڑے پیالے میں تمام کٹی ہوئی سبزیاں اور لوبیا ملائیں۔ نمک، سیاہ مرچ اور لیموں کا جوس بھی ملا لیں۔ شیشے کی ڈش میں سلاد ڈالیں اور ٹماٹر کا پھول بنا کر سجا دیں۔

نوٹ: کھیرے چھیل کر بیچ نکال کر کاٹیں۔

انار دانے کی چٹنی

اجزاء:

انار دانہ: 1/4 کپ
ثابت سرخ مرچ: 4-5عدد
ہرا دھنیا: 1 گڈی
فریش کریم: 2 کھانے کا چمچ
پودینہ: 1/2 گڈی
ہری مرچ: 3-4عدد
لیموں کا رس: 5 چائے کے چمچ
لہسن: 4 جوے
نمک: حسب ذائقہ

ترکیب: ہرا دھنیا اور پودینہ صاف کر کے دھو لیں پھر تمام اجزاء کو ملا کر پیس لیں اور صاف ستھرے جار میں محفوظ کرلیں۔

کھٹی میٹھی چٹنی

اجزاء:

املی کا گودا: 1 کپ
گڑ یا براؤن شوگر: 1/2 چائے کا چمچ
کٹی لال مرچ: 1 1/2 چائے کا چمچ
زیرہ پاؤڈر: 1 چائے کا چمچ
نمک: حسب ذائقہ

ترکیب: املی کو پانی گرم میں بھگو دیں۔ اب املی کے رس کو پتیلی میں ڈال کر تمام اجزاء ملائیں اور چولھے پر گاڑھا ہونے تک پکائیں۔ ٹھنڈا کر کے جار میں محفوظ کرلیں۔

.....☆☆☆.....

سنگھار

گرمیوں کا میک اپ، چند احتیاط

گرمیاں شروع ہو چکی ہیں اور گرمیاں سال کے بارہ مہینوں میں سب سے زیادہ عرصے پر قابض ہوتی ہیں۔ گرمیوں کا موسم میک اپ کے لئے خاصہ چیلنجنگ سیزن ثابت ہوتا ہے لیکن ذرا سی توجہ سے آپ گرمیوں کی مناسبت سے بہترین میک اپ کرسکتی ہیں، اس موسم میں استعمال ہونے والی کاسمیٹک گرمیوں کے میک اپ میں اہم کردار ادا کرتی ہیں، اس کے لئے سب سے پہلے آپ کو موسم کے حساب سے اپنی جلد کا مطالعہ کرنا ہوگا کہ اس موسم میں کس طرح کا میک اپ آپ کی شخصیت میں تبدیلی لاسکتا ہے اور تیز گرمی سے کہیں میک اپ میں استعمال ہونے والی کاسمیٹکس آپ کی جلد پر منفی اثرات تو نہیں مرتب کریں گی۔

فاؤنڈیشن:۔

اپنے فاؤنڈیشن کو بھی ہلکا رکھیں اور گرم ہوا اور دھوپ کے اعتبار سے فاؤنڈیشن بنائیں اس موسم میں آپ کی جلد کی ٹیون تبدیل ہوجائے گی۔ لہٰذا اپ اپنی پسند کی کسی بھی برانڈ کی بوتل خرید کر اس میں مکسنگ کے بعد اپنی جلد کے اعتبار سے میچ کرلیں، اگر یہ بوتل زیادہ ہو تو اس میں کچھ پانی ڈالیں یا موئسچرائزر ملا کر بھی اسے کچھ پتلا کیا جاسکتا ہے۔

آئی شیڈو پنس:۔

قدرے ہلکے میک اپ کے حساب سے ڈارک آئی شیڈو کلر استعمال کریں، آپ کے تمام میک اپ کے ساتھ ساتھ آئی شیڈو میں بھی سمرلک ہونا چاہیئے اس کے لئے لائٹ لپ اسٹک بھی استعمال کرسکتی ہیں۔

مسکارہ:۔

جیسا کہ آپ کو علم ہے کہ آپ کا مسکارہ پرانی طرز کا روایتی مسکارہ نہیں رہا، آج کل کلر اور فارمولا مسکارہ بازار میں نہایت آسانی سے دستیاب ہے جنہیں آپ اپنی جلد، رنگت کے اعتبار سے منتخب کرسکتی ہیں۔ گرمیوں کے موسم میں یقیناً واٹر پروف مسکارہ بہتر رہے گا، چونکہ گرمیوں میں پسینہ زیادہ آتا ہے، سوئمنگ وغیرہ کے لئے بھی اس طرح کا واٹر پروف مسکارہ مناسب رہے گا۔

ہونٹ:۔

گرمیوں میں لپ اسٹک کے لئے مناسب رنگوں میں ٹھنڈے رنگ مثلاً گلابی اور پیازی وغیرہ ہیں جس کے ساتھ ڈارک لپ لائز استعمال کرنا زیادہ بہتر ہے، اگر آپ ڈارک لک چاہتی ہیں تو کلاسک ریڈ استعمال کریں جو کبھی بھی آؤٹ آف فیشن نہیں ہوتا۔

بروزنگ پاؤڈر:۔

جس نے بروزنگ پاؤڈر ایجاد کیا تھا، اس نے دنیا جہاں کی لڑکیوں پر بہت بڑا احسان کیا تھا، کیونکہ یہ

دونوں موسموں سردی اور گرمی میں بہت سے طریقوں سے استعمال کیا جاسکتا ہے' چاہے سال کا کوئی بھی مہینہ ہو بروزنگ پاؤڈر رخساروں پر اس طرح لگائیں کہ وہ آپ کے چہرے کو ایک Slim Look دے سکے یا یہ ناک کو خوبصورت اور تیکھا انداز دینے کے کام بھی آتا ہے۔

اچھا لباس اور اسمارٹ لک:۔

اگر آپ دبلی پتلی ہیں تو یقیناً آپ لباس کے معاملے میں کسی مشکل کا شکار ہرگز نہیں ہوں گی' کیونکہ نارمل باڈی' نارمل ہائیٹ اور نارمل وزن پر کوئی بھی ڈیزائن اور کوئی بھی اسٹائل زیب تن کیا جائے وہ نظر کو بھاتا ہے' لیکن اصل مسئلہ ان خواتین کا ہے جو اوور ویٹ ہوتی ہیں' ایسی خواتین کے لئے ہمارا مشورہ یہ ہے کہ وہ ہرگز اسکن ٹائٹ فٹنگ ڈریس نہ پہنیں' اس طرح یقیناً آپ دیکھنے میں پہلے سے بہتر نظر آئیں گی۔

خوب صورت بال

خوب صورت چہرے کے ساتھ بالوں کی نگہداشت بھی ضروری ہے آپ کی تھوڑی سی توجہ آپ کے بالوں کا رنگ روپ بدل سکتی ہے اس کے لئے آپ کو ذیل میں درج طریقے آزمانا ہوں گے۔

☆ لیموں کا رس نکال کر اسے سر میں اچھی طرح مالش کریں کچھ دیر بعد دھولیں' چند ہفتوں تک یہ عمل دہراتی رہیں' آپ کے بال چمک دار ہونا شروع ہوجائیں گے۔

☆ رات کو پانی میں تھوڑی سی املی ڈال کر بھگو کر رکھ دیں' اور پھر صبح اس پانی سے بال دھولیں' یہ عمل ہفتے میں ایک دفعہ ضرور کریں' املی کے پانی سے بال دھونے کے بعد سر میں ناریل کے تیل کا مساج بھی کریں۔

☆ سیکا کائی' آملہ اور ریٹھا ہم وزن لے کر اچھی طرح اسے پیس لیں' پھر کھولتے ہوئے پانی میں یہ آمیزہ ایک چمچہ ڈال دیں' تھوڑا سا پکا کر چولہا بند کریں۔ تھوڑا ٹھنڈا ہوجائے تو اس آمیزے کو سر پر اچھی طرح لگا کر دھولیں' اس سے بال سیاہ اور لمبے ہوجائیں گے۔

☆ ناریل کے تیل میں لیموں کا ذرا سا عرق ملالیں' اور اس کے سر پر مالش کریں' چند روز ایسا کرنے سے سر کی خشکی دور ہوجائے گی۔

☆ چقندر کے پتے پیس کر مہندی میں ملا کر لگانے سے نا صرف بال گرنا بند ہوجاتے ہیں بلکہ ان کا رنگ بھی خوشنما ہوجاتا ہے۔

☆ خشک بالوں کے لئے مہندی میں انڈے کی زردی ملا کر استعمال کریں' بال بے حد نرم اور چمک دار ہوجائیں گے۔

☆ اگر بال بہت سلکی ہوں اور من پسند ہیر اسٹائل نہ بن پا رہا ہو تو مہندی میں تھوڑا سا بیسن ریٹھے' آملہ اور سیکا کائی کا مکسچر برابر مقدار میں ملا کر لگانے سے بالوں کی چکناہٹ کم ہوجائے گی۔ اس سے بال بے حد خوب صورت اور گھنے بھی ہوجاتے ہیں۔

☆ شہد اور زیتون کا تیل ہم وزن لے کر بالوں کی جڑوں میں اس آمیزے سے مالش کریں' اور دو تین گھنٹوں بعد دھولیں' اس سے بال بے حد نرم و ملائم ہوجائیں گے۔

☆ بالوں میں خشکی دور کرنے کے لئے دہی میں انڈا اور تیل ملا کر لگانے سے خشکی مکمل طور پر ختم ہوجاتی ہے۔

☆☆☆☆☆